اسلام میں عورت کا درجہ اور اسکے حقوق و فرائض

مفکرِ اسلام حضرت مولانا

سید ابو الحسن علی ندوی

مرتبہ

مولانا عزیز اللہ ندوی مدظلہ

شعبہ تحقیق و تصنیف

دار المطالعہ

Ph:062-2442059

بالمقابل جامع مسجد اللہ والی حاصل پور شہر ضلع بہاولپور پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

اسلام میں عورت کا درجہ اور اس کے حقوق و فرائض

مرتب

حضرت مولانا محمد عزیز اللہ ندوی مدظلہ

دار المطالعہ
بالمقابل جامع مسجد اللہ والی
حاصل پور شہر ضلع بہاولپور
(پاکستان)
فون :- 42059-(0696)

ضابطہ

کتاب ——— اسلام میں عورت کا درجہ اور اس کے حقوق و فرائض
از افادات ——— حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ
مرتب ——— حضرت مولانا محمد عزیز اللہ ندوی مدظلہ
سرورق ——— حافظ انجم محمود صاحب
تعداد ——— ایک ہزار ایک سو
قیمت ——— 140 روپے
بار اول ——— جولائی ۲۰۰۰ء
اہتمام ——— محمد زاہد راشدی
صفحات ——— ۳۳۶
ناشر ——— دار المطالعہ حاصل پور

دیگر ملنے کے پتے

☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
☆ دار الاشاعت اردو بازار کراچی
☆ ادارہ اسلامیات 90 انار کلی بازار لاہور
☆ کشمیر بکڈپو چنیوٹ بازار فیصل آباد
☆ مکتبہ جامعۃ الحبیب جھنگ روڈ فیصل آباد
☆ اسلامی کتب خانہ اردو بازار لاہور
☆ عظیم اینڈ سنز اردو بازار لاہور
☆ بیت الکتب سرائیکی چوک بہاول پور
☆ کتابستان شاہی بازار بہاول پور
☆ سلیمی کاپی ہاؤس اردو بازار لاہور
☆ ادارہ نقشبندیہ اردو بازار گوجرانوالہ

سیل پوائنٹ دار المطالعہ نزد پرانی نیکی حاصل پور منڈی

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّی لَا
أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ
اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِنْ بَّعْضٍ
سو منظور کر لیا ان کی درخواست کو ان کے رب نے
اس وجہ سے کہ میں کسی شخص کے
کام کو جو کہ تم میں سے کرنے والا
اکارت نہیں کرتا خواہ وہ
مرد ہو یا عورت تم آپس میں
ایک دوسرے کے جز ہو۔

• وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوۃَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُوْلٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ.

• ایمان والے اور ایمان والیاں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں، نیک باتوں کا آپس میں حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں، نماز کی پابندی رکھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان پر ضرور رحمت کرے گا۔ بیشک اللہ بڑا اختیار والا ہے اور بڑی حکمت والا ہے۔

•••

يَاأَيُّهَاالنَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْراً وَّنِسَاءً وَاتَّقُوااللّٰهَ الَّذِىْ تَسَاءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْأَرْحَامَ، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْباً.

"لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی اوّل) اس سے اس کا جوڑا بنایا پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کرکے روئے زمین پر) پھیلا دیئے، اور خدا سے جس کے نام تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو۔ ڈرو، اور (قطع مودّت) ارحام سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ یہ خدا تمھیں دیکھ رہا ہے۔

•••

اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰت
وَالطَّیِّبَاتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبَات
اُوْلٰئِكَ مُبَرَّءُ وْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ
لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ.

گندیاں ہیں گندوں کے واسطے، اور گندے ہیں واسطے
گندیوں کے، اور ستھریاں ہیں ستھروں کیواسطے
اور ستھرے واسطے ستھریوں کے، وہ لوگ
بے تعلق ہیں ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں
ان کے واسطے بخشش ہے
اور روزی ہے عزت کی۔

"اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ، وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ، وَالْقَانِتِيْنَ وَالْقَانِتَاتِ، وَالصَّادِقِيْنَ وَالصَّادِقَاتِ، وَالصَّابِرِيْنَ وَالصَّابِرَاتِ، وَالْخَاشِعِيْنَ وَالْخَاشِعَاتِ، وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ، وَالصَّائِمِيْنَ وَالصَّائِمَاتِ، وَالْحَافِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْراً وَّالذَّاكِرَاتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَّاَجْراً عَظِيْماً.

"بے شک اسلام والے اور اسلام والیاں، اور ایمان والے اور ایمان والیاں، اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، اور صادق مرد اور صادق عورتیں، اور صابر مرد اور صابر عورتیں، اور خشوع والے اور خشوع والیاں، اور تصدیق کرنے والے اور تصدیق کرنے والیاں، اور روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے اور حفاظت کرنے والیاں، اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں۔ ان سب کے لئے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔"

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ
اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ
يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ
وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْراً۔

اور جو کوئی نیکیوں پر عمل کریگا خواہ مرد ہو یا عورت
اور صاحب ایمان ہو تو ایسے سب لوگ
جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر
ذرا بھی ظلم نہیں ہو گا۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى
وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً
وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ
مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ.

نیک عمل جو کوئی بھی کرے گا مرد ہو یا عورت
بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اسے ضرور
ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے
اور اللہ انھیں ان کے اچھے کاموں
کے عوض میں ضرور
اجر دیں گے۔
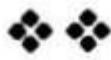
الٰہی! ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کو دینداری دے
الٰہی! نئی پود کو فضل بہاری دے
بچالے مؤمنہ کو اے خدا مغرب پرستی سے
بچا اِس شمع کو بادِ فنا کی چیرہ دستی سے

❖

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ
الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلیٰ وَأَقِمْنَ الصَّلٰوةَ
وَآتِیْنَ الزَّکٰوةَ وَأَطِعْنَ اللّٰہَ
وَرَسُوْلَہٗ.
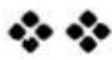
اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں، اور دکھلاتی نہ پھرو
جیسا کہ دکھانا دستور تھا پہلے جہالت کے وقت،
اور قائم رکھو نماز، اور دیتی رہو زکوٰۃ،
اور اطاعت میں رہو اللہ کی
اور اس کے رسول کی۔

❖

❖❖

''حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء
فرماتے ہیں کہ والدہ کا معمول تھا کہ
جس روز ہمارے گھر میں کچھ کھانے
پکانے کو نہ ہوتا تو فرماتیں کہ آج ہم
سب خدا کے مہمان ہیں، مجھے یہ سن کر
بڑا ذوق آتا کہ آج ہم خدا کے مہمان
ہیں۔''

❖❖

فہرست مضامین

مضامین | صفحات

عورت کی حیثیت عرفی کی بحالی اور اس کے حقوق کی بازیابی

عورت مغربی فضلاء اور اہل انصاف کی نظر میں

معاشرتِ انسانی
بلکہ حیاتِ انسانی مرکب ہے مرد و عورت سے

قرآنِ کریم نے عورتوں کو کیا مرتبہ عطا کیا ہے

اسلامی تمدن اور خواتین

مسلم خواتین کی علمی ودینی خدمات

جہاد میں عورتوں کی خدمات

ازدواجی زندگی اور مرد و عورت کے باہمی تعلقات

ازواج مطہرات اور تعدد ازدواج پر ایک نظر

خواتین اسلام کی خدمت میں

زندگی کے کرشمے اور حقیقی مسرت

آزادیِ نسواں اور شرعی و غیر شرعی پردہ

عادات و رسومات اور ان کی اصلاح

عورتیں زندگی کیسے گذاریں

بچوں کی تعلیم و تربیت میں عورتوں کا ہاتھ

اولیاء اللہ کی مائیں

سیدہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہؒ (ہمشیرہ صاحبہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زیر نظر کتاب بیسویں صدی کے عظیم المرتبت مفکر، عدیم المثال محقق، وسیع النظر مصنف، دقیق النظر مورخ، عرب وعجم کے ہر دلعزیز فکری قائد، دینی راہنما اور روحانی پیشوا، عربی زبان کے صاحب طرز ادیب، داعی دین، عالم ربانی حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی مختلف تقریروں اور مضامین میں عورت کا اسلامی معاشرہ میں مقام پھر اس کی امتیازی کوششوں اور علمی کارناموں کا تذکرہ ہے۔ جس کو حضرت اقدسؒ کے شاگرد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے استاد مولانا عزیز اللہ ندوی دامت برکاتہم نے محنت شاقہ اور خاص سلیقہ وقرینہ سے جمع فرمایا ہے۔ جو کہ عصر حاضر کا عظیم کارنامہ ہے جو اللہ رب العزت نے ان سے لیا۔ پھر انتہائی سعادت کی بات ہے کہ اس کام کی تکمیل حضرت اقدسؒ کی حیات مبارکہ میں ہوئی۔ اور حضرتؒ نے کتاب کے مرتب کو اپنے دعائیہ کلمات میں ان الفاظ سے نوازا۔

کتاب کے مرتب عزیزی مولوی محمد عزیز اللہ ندوی شکریہ کے بھی مستحق ہیں، اور مبارکباد اور تحسین وداد کے بھی، کہ انہوں نے وقت کا ایک فریضہ اور معاشرہ کی ایک ضرورت پوری کی۔

خواتین اسلام کے بارے میں آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اور تحریر کیا وہ مختلف کتب اور جرائد کے صفحات میں چھپا ہوا تھا۔ مخدوم مکرم حضرت مولانا عزیز اللہ ندوی مدظلہ، عالی نے اس علمی سمندر میں گہری غوطہ زنی فرماکر موتیوں کو اکٹھا کر کے خواتین اسلام کے لئے ایک خوبصورت ہار تیار کر دیا۔ محترمہ ناظمہ صاحبہ جامعۃ المؤمنات الاسلامیہ لکھنؤ، جنہیں کتاب مذکور کے پہلے ایڈیشن کی اشاعت کی سعادت حاصل ہوئی عرض ناشر میں ان جذبات کے ساتھ رقمطراز ہیں۔

ہمارے مرشد و مربی داعی اسلام حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی مدظلہ جو خود بھی ایک ولیہ کاملہ کے فرزند ارجمند اور ان ہی کے تربیت یافتہ ہیں، ان کے لئے یہ

کیسے ممکن تھا کہ مردوں کو خطاب کریں' نوجوانوں کو ان کا سبق یاد دلائیں۔ بچوں کی تربیت کے لئے ریڈریں (تحریریں) لکھیں۔ اور خواتین اسلام کے لئے کوئی پیغام نہ دیں۔ ان کی تربیت پر کوئی توجہ نہ دیں اور اس مغربی تہذیب کے سیلاب میں ان کی نا خدائی نہ کریں۔ انہوں نے خواتین اسلام کی اسلامی تعلیم وتربیت پر پوری توجہ دی اور ان کے لئے لکھا اور خوب لکھا پوری زندگی ان کے تعلق سے کہتے اور لکھتے رہے اور علمی نمونہ پیش کرتے رہے۔ میرے علم میں حضرت مولاناؒ کے گھر کے علاوہ کوئی ایسا گھر نہیں ہے جہاں خواتین شریعت کی پابند ہوں' دینی جذبہ سے سرشار ہوں' دیندار خواتین کو پسند کرتی ہوں' دین کے کاموں کو دیکھ کر خوش ہوتی ہوں' دینی کام کرنے والی خواتین کی ہمت افزائی کرتی ہوں اور ان کا گھر علماء اور اولیاء سے بھرا ہو۔ مذکورہ جذبات کتاب کی اہمیت وافادیت کو تابدار فرمارہے ہیں۔ اب حضرت اقدسؒ کی رحلت بھی ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ ان الفاظ کو آپ کے درجات کی بلندی کا سبب بنائے۔ آمین!

اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے۔ مرتب کتاب مخدوم مکرم مولانا عزیزاللہ ندوی صاحب کو جنھوں نے پاکستان میں ایک علمی تحقیقی ادارے ''دارالمطالعہ'' کو اپنی مرتب کتاب کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی۔ انشاء اللہ پاکستان میں خواتین کے دینی و عصری ادارے اس سے کماحقہ' استفادہ فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ حضرت اقدسؒ مرتب وناشر ادارہ کی اس کوشش کو شرف قبولیت وپزیرائی سے ہمکنار فرمائے۔

(آمین بحرمۃ سید المرسلین ﷺ)

دعاؤں کا طالب

محمد زاہد راشدی

شعبہ تحقیق وتصنیف دارالمطالعہ

نزد جامع مسجد اللہ والی حاصل پور (بہاول پور) پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعائیہ کلمات

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ العالی

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

راقم کے سامنے خود اس کے مضامین اور اس کی بحثوں کا مجموعہ جن میں اسلام میں عورت کا درجہ، اس کے حقوق و فرائض اور حیات اسلامی بلکہ حیات انسانی میں اس کا حصہ، اس کی خدمات، احسانات اور کردار پر تاریخ کی روشنی میں اور زمانہ حاضر کے حالات اور مسائل کی روشنی میں بھی نظر رکھی گئی ہے، راقم حروف کے لئے یہ ایک مسرت افزا اور حیرت انگیز انکشاف تھا، جس کے لئے کتاب کے مرتب عزیزی مولوی محمد عزیز اللہ ندوی شکریہ کے بھی مستحق ہیں، اور مبارکباد اور تحسین وداد کے بھی، کہ انھوں نے وقت کا ایک فریضہ اور معاشرہ کی ایک ضرورت پوری کی، اللہ تعالیٰ ان کو اس کا اجر عطا فرمائے، اور یہ کتاب چشم کشا، حوصلہ افزا اور رہنما ثابت ہو۔

ابوالحسن علی ندوی
ناظم
ندوۃ العلماء لکھنؤ

۹ر صفر ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۵ر مئی ۱۹۹۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عورت کی حیثیت اسلام میں

مقدمہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب ندوی
(نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مرد اور عورت انسان ہونے کے اعتبار سے یکساں مقام رکھتے ہیں اور ان کو اسلام نے یکساں مقام دیا ہے، انسانی نوع میں جو عزت اور اہمیت مرد کے لئے تسلیم کی ہے وہی عورت کے لئے بھی تسلیم کی ہے، ان دونوں کے درمیان عزت واہمیت کے لحاظ سے فرق دراصل جاہلی قوموں نے کیا ہے جاہلی قوموں سے مراد وہ قومیں ہیں جنہوں نے آسمانی احکام اور آسمانی کتابوں میں دی ہوئی ہدلیات سے اپنے کو آزاد کر لیا ہے ان قوموں نے مرد وعورت تو بڑی چیز ہے خود مرد مرد کے درمیان فرق کیا ہے گوروں کو جو اہمیت دی ہے وہ کالوں کو نہیں دی، بعض انسانی نسلوں کو دوسری انسانی نسلوں پر فوقیت وبرتری دی ہے چنانچہ دنیا کے سرد علاقوں کے باشندوں کو سفید فام

اور دنیا کے مشرقی و جنوبی ممالک کے باشندوں کو کالی قومیں قرار دے کر کالوں کو گوروں کا غلام اور کمتر درجہ کی مخلوق بنادیا پھر ان کے ساتھ جانوروں جیسا معاملہ کیا اور الٹا اسلام پر الزام لگایا کہ وہ عورت کو غلام و کمتر بناتا ہے حالانکہ اسلام نے عورت کو مرد کی طرح عزت دی اور زندگی کی نعمتوں اور ضرورتوں کے سلسلہ میں عورت کو مرد کے برابر رکھا باپ کو حکم دیا کہ اپنے لڑکوں سے کم لڑکیوں کا خیال نہ کرے بلکہ لڑکیوں کے ساتھ محبت اور توجہ کا ثواب واجر لڑکوں کے ساتھ محبت اور توجہ کے ثواب واجر سے زیادہ رکھا، فرمایا کہ جو دو لڑکیوں کی کفالت کرے میں اور وہ جنت میں قریب قریب ہوں گے جیسے ہاتھ میں کلمہ کی انگلی اور بیچ کی انگلی۔

پھر لڑکی کے بڑی ہو جانے پر مرد کی رفیق حیات بننے میں اس کی عزت واہمیت کا خیال مساوی طریقہ سے رکھنے کا حکم دیا بلکہ ذمہ داری اور صرفہ سارا مرد پر ڈالا عورت پر کوئی بوجھ نہیں ڈالا، علیحدگی کے موقع پر عورت کے لئے بھی موقع رکھا کہ اگر وہ حالات کو اپنے لئے ناسازگار پائے تو علیحدگی کی صورت اس کے لئے موجود ہے اور شوہر سے مربوط رہنے کی حالت میں بھی اس کے ماں باپ سے اس کا تعلق باقی رکھا کہ اگر شوہر سے علیحدگی کی نوبت آجائے تو اس کو اپنے اصل اہل تعلق میں واپس جانے میں کوئی دشواری نہ ہو، شوہر اور ماں باپ، بھائی بہن کی جائداد میں وراثت کا حصہ اس کا بھی لازمی رکھا، اس کے برعکس دوسری قوموں میں عورت کو اس عزت و مقام کا نصف بھی نہیں پایا جاتا ان قوموں میں شادی سے قبل اس کو ماں باپ اور بھائیوں سے کم تر اور شادی ہونے کے بعد اپنے شوہر کی غلام اور خادم بن کر رہنا پڑتا ہے اور علیحدگی کا اختیار نہیں ملتا، بیوہ ہو جانے کے بعد اور بھی کم تر پوزیشن میں چلی جاتی ہے اس کے برعکس اسلام میں عورت کو اس طرح کی پستی اور محرومی سے نکالا گیا اور مرد کے برابر عزت

واہمیت دی گئی، اور اس کی سخت تاکید کی گئی، اسی کے ساتھ ساتھ مرد اور عورت کے درمیان جو فطری فرق ہے اس کے لحاظ سے ذمہ داری اور کارکردگی میں فرق رکھا گیا لیکن جن باتوں اور طریقوں سے مفاسد پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے ان باتوں اور طریقوں کو ضروری پابندیوں سے گھیر دیا تاکہ انسانی معاشرہ میں بگاڑ نہ پیدا ہو۔

مرد اور عورت کو عزت واہمیت کے لحاظ سے یکساں مقام دینے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مرد وعورت میں جو جسمانی فرق رکھا ہے اس فرق میں انسانی زندگی کی مختلف ضروریات کی رعایت ہے انسانی زندگی کے بعض حالات ایسے ہوتے ہیں جن میں مرد کی خصوصیات زیادہ کارگر ہوتی ہیں، اور بعض حالات میں عورت کی خصوصیات زیادہ مفید ہوتی ہیں، اور دونوں کی زندگی کی کامیابی کنبہ بن کر رہنے میں ہوتی ہے، مرد کی زندگی عورت کے شریک حیات بننے پر مکمل ہوتی ہے اور عورت کی زندگی مرد کے شریک حیات بننے پر مکمل ہوتی ہے، اور دونوں میں جو تنہا زندگی پر اکتفا کرتا ہے اس کی زندگی میں خلا باقی رہتا ہے جو زندگی کے مختلف موقعوں میں اس کو پریشان کرتا ہے، اور اس دشواری کا حل ان دونوں کے کنبہ بن کر رہنے میں ہوتا ہے، اسی میں دونوں کے۔ لئے ایک دوسرے کی تکمیل کا سامان ہے، اس بات کی صداقت کے لئے کسی بھی مجرد زندگی گزارنے والے کے حالات کا گہرا جائزہ لینا کافی ہے اور جب دونوں کو ساتھ رہنا ہے اور ایک دوسرے کی زندگی کو مکمل بنانا ہے تو یہ ضروری امر تھا کہ دونوں کی صلاحیتوں اور خصوصیتوں میں ایسا فرق ہو کہ ایک دوسرے کی کمی دور کرسکے اور ایک دوسرے کی ضرورت کو پورا کرسکے اس ضرورت کا مطلب محض خواہش نفس کو پورا کرنا نہیں ہے۔ بلکہ ایک کی زندگی کے خلاء کو دوسرے کی صلاحیت اور خصوصیت سے پر کردینا ہے مرد اگر گھر کے باہر کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے تو عورت گھر کے اندر کے تقاضوں

کو پورا کرتی ہے مرد اگر زندگی کے وسیع اور متنوع معاملات کو دیکھتا اور سلجھاتا ہے تو عورت گھر کے اندر کے مسائل کو حل کرتی ہے اس میں ان بچوں کی نگہداشت بھی ہے جو خود اپنی ضرورت پوری نہیں کر سکتے اور یہ نگہداشت سرسری نگہداشت نہیں اس نگہداشت میں فطری محبت و شفقت کے ساتھ خبر گیری لازمی ہے، یہ نگہداشت اصلاً ماں کے پیٹ کے اندر ہی سے شروع ہو جاتی ہے جس کے لئے عورت کو متعدد تکلیفیں جھیلنی ہوتی ہیں پھر پیدائش کے بعد کی ہمہ وقت نگہداشت ہوتی ہے جس کا سلسلہ کئی سال بلکہ سالہا سال چلتا رہتا ہے۔

جہاں تک طاقت کا سوال ہے تو اس میں بھی عورت و مرد میں فرق رکھا گیا ہے اور وہ فرق دونوں کی الگ الگ ضرورتوں اور ذمہ داریوں کے لحاظ سے رکھا گیا ہے چنانچہ اولاد کی جو ضرورت ماں سے پوری ہوتی ہے وہ باپ سے پوری نہیں ہوتی، اور جو ضرورت باپ سے پوری ہوتی ہے وہ ماں سے پوری نہیں ہوتی، باپ اپنی اولاد کی فکر ان کے حالات کو وسیع دائرے میں رکھ کر کرتا ہے ماں ان کے حالات اور ضرورتوں کو گھریلو دائرہ میں رکھ کر پورا کرتی ہے، دونوں افراد کا کنبہ بنانے میں دو کی تعداد میں ہونے کی بنا پر ان میں سے ایک کو سینئر یا بڑا ہوتا اور دوسرے کو جونیئر یا چھوٹا ہوتا پڑتا ہے، جبکہ ہر اجتماعی نظام میں خواہ دو افراد پر مشتمل ہو ایک کا بڑا ہونا ضروری ہوتا ہے اور اسی کے لحاظ سے صلاحیتوں کی تقسیم بھی رکھی گئی ہے چنانچہ بہادری اور مضبوطی کے کام مرد کے ذمہ آتے ہیں اور کنبہ کے افراد کے ساتھ شفقت اور رحم دلی کے کام عورت کے ذمہ آتے ہیں اسی سلسلہ میں بچہ کی پیدائش اور پیدائش کے بعد اس کی نہایت بے بضاعتی اور کم عمری کے حالات میں اس کی ضرورت کو انجام دینا عورت ہی کا کام ہے، عورت اور مرد کے ایک دوسرے کی ضرورت ہونے کے باعث یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ

دونوں کا آپسی ربط و تعلق ایسا خاص اور قریبی ہو تاکہ وہ ایک دوسرے سے مل کر انسان کی عائلی اور رفیقانہ زندگی کو مضبوط کر سکیں اور اس ربط سے نسل انسانی میں اضافہ کا باعث بنیں۔

اسلام نے دونوں کے لئے جو ضابطۂ حیات طے کیا ہے وہ ان کے نظام حیات کو مکمل اور ترقی یافتہ بناتا ہے، لیکن اگر کوئی اسلام کی اس حکیمانہ ہدایت کو نظر انداز کر کے دونوں فریقوں کو ایسا آزاد بنادے کہ ہر ایک صرف اپنے انفرادی دائرے میں رہے تو اس کی بشری انسانی عائلی ضرورت پوری نہ ہو سکے گی اور نہ اس کی تسکین اور راحت کا سامان ہو سکے گا، چنانچہ مغربی معاشرہ میں اس سلسلہ کی سخت پریشانیاں عام ہیں اور اس کے نتیجہ میں خودکشی کے واقعات اور اپنی فطری ضرورت کو پورا کرنے کے لئے غیر شریفانہ اور غیر مہذب واقعات بکثرت ظہور پذیر ہو رہے ہیں، اور یہ سب مرد و عورت کا بالکل برابر قرار دینے اور ہر ایک کے لئے مطلق آزادی کا حق طے کر دینے سے ہو رہا ہے، حالانکہ دونوں کی خود فطری حالت دونوں کے فرق کو واضح کرتی ہے، مرد اپنے قد میں اور اپنے اعضاء کی پیمائش میں عورت سے نسبتاً بڑا ہے اس کی تگ و دو کی صلاحیت اور وسعت کار عورت کی تگ و دو اور وسعت سے زیادہ ہے۔

لیکن اس فرق کو اسلام نے عورت کی صلاحیت کارکردگی اور وسعت کار کا منافی نہیں بنایا ہے، بلکہ اس کے لئے بھی ضروری پڑ جانے پر میدان کار کو بڑھانے اور وسیع کرنے کی اجازت رکھی گئی ہے، چنانچہ مسلمانوں کی تاریخ میں عورتوں نے گھر کے باہر کے کاموں کی جب ضرورت پڑی تو اس میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اس میں شاندار کارگردگی کا ثبوت دیا، معاشرہ کی اصلاح و تربیت کا کام ہو یا علمی و فکری ضرورت کا کام سب میں مسلمان عورتوں کے کارنامے تاریخ کے صفحات میں ثبت ہیں۔

اور جو میدان ان کے لئے مخصوص رکھے گئے ہیں ان میں تو اور زیادہ کارکردگی کا ثبوت دیا ہے پھر مرد کی زندگی کی تکمیل کا جو فریضہ ہے نہایت خوش اسلوبی سے پورا کیا ہے۔

عورت کا موضوع مغربی معاشرے میں اسلام پر طنز کرنے کا ذریعہ بنا ہوا ہے اور یہ مغربی دانشوروں کی کم علمی کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے اسلامی معاشرہ میں عورت کو جو راحت واہمیت حاصل ہے اور جو حق آزادی اور انفرادی حق دیا گیا ہے اس کا بالکل مطالعہ نہیں کیا ورنہ یہ طنز کا کوئی موقع نہ ہوتا۔

حضرت مولانا علی میاں صاحب نے اپنی مختلف تقریروں اور مضامین میں عورت کا اسلامی معاشرہ میں مقام پھر اس کی امتیازی کوششوں اور علمی کارناموں کا تذکرہ کیا ہے اس کو عزیزی مولوی محمد عزیز اللہ سلمہ، نے عزیز مکرم مولوی سید محمد عبد اللہ حسنی استاذ ندوۃ العلماء کی رہنمائی میں سلیقہ سے جمع کیا ہے ان کے اس عمل سے اسلام میں عورت کا کام اور مقام نمایاں ہو کر سامنے آجاتا ہے اس طرح یہ ایک بہت دلنواز اور معلومات افزا مجموعۂ مضامین بن جاتا ہے، اس سے پڑھنے والوں کو معلومات بھی حاصل ہوں گی اور غلط فہمی رکھنے والوں کی غلط فہمیاں بھی دور ہوں گی، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کو زیادہ سے زیادہ مفید بنائے۔ (آمین)

۶ / محرم الحرام ۱۴۲۰ھ

محمد رابع ندوی

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

● ● ●

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

مولانا عبد اللہ عباس صاحب ندوی
(معتمد تعلیمات دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مخدومی و مربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی دامت برکاتہم ان مصلحین امت میں ہیں جن کا فیض امت کے ہر طبقہ کو پہونچا ہے، اللہ تعالیٰ نے جو کام امام ابن تیمیہ اور ابن القیم، امام غزالی اور شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہم سے لیا، اور خواص و عوام دونوں کو ان کی ذات سے ہدایت کی راہ پر لگایا، اسی طرح ہم اپنے عصر میں یہ بات نمایاں طور پر محسوس کرتے ہیں کہ حضرت مولانا دامت برکاتہم نے ایک طرف کم سن بچوں کے لئے عربی زبان کا نصاب تیار کیا، نوخیز عمر لڑکوں کے لئے "مختارات" لکھی، جوانوں کو "......پاجا سراغِ زندگی" کے عنوان سے مخاطب کیا اہل دانش و بینش، علماء و مفکرین، فلاسفر اور دانشور افراد کیلئے "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" لکھی، اہل ایمان کو یاد دلایا کہ جب ایمان کی ہوا چلتی ہے تو زندگی کے اوپر اپنا رخ بدلتی ہے، مشائخ طریقت کی خدمت میں "تاریخ دعوت و عزیمت" پیش کر کے جہاں ان کی دعائیں حاصل کی وہاں اسلاف کی بلند حوصلگی، اعلیٰ ذہانت، جوش کردار، عزم و حلم و صبر

اور سخت سے سخت حالات میں دین پر قائم رہنے کا نمونہ پیش کیا۔

حضرت مولانا نے آکسفورڈ، کیمبرج ہارڈورڈ میں جاکر اذانِ حق دی، الأزہر، جامعة القاهرة، جامعة اسلامية مدينه منوره ،رابطة عالم اسلامى مكه مكرمه، رابطة للجامعات الإسلامية قاهره، کے ممبروں اور عربوں کی غیرت کو للکارا، دین کی حمیت اور اسلاف کی سیرت یاددلائی، غرض بزرگانِ سلف کے وجود سے جو اسلامی زندگی میں بہار آتی رہی ہے، کے چمن کا ہر پودہ اور ہر پھول اور ہر پتہ سیر اب ہوا، اور کوئی گوشہ تشنہ کامی کا گلہ نہ کرے، بعینہٖ وہی بات حضرت مولانا کی متنوع نکات پر مشتمل تقریروں اور آپ کی پیش بہا تصنیفات میں ملتی ہے۔

حضرت کے نیاز مندوں اور آپ کے علمی ودینی فیوض سے واقفیت رکھنے والوں کو خیال تھا کہ حضرت مولانا نے خواتین کی اصلاح اور ان کے اندر ایمانی غیرت کو ابھارنے کے لئے کوئی مستقل کتاب نہیں لکھی جبکہ بچوں اور نوخیزوں کے لئے، جوانوں اور بوڑھوں کے لئے عالموں اور غیر عالموں کے لئے آپ کی کتابوں میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق سے سامان ہدایت موجود ہے، تو پھر یہ طبقہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ
مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ

ترجمہ: سو منظور کرلیا ان کی درخواست کو ان کے رب نے اس وجہ سے کہ میں کسی شخص کے کام کو جو کہ تم میں سے کرنے والا ہو اکارت نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک دوسرے کے جز ہو۔

کو فراموش کیسے کیا جاتا، درحقیقت حضرت مولانا نے بالواسطہ خواتین کی اصلاح کے

لئے متعدد مواعظ میں اور کتابوں میں ایسی باتیں نقل کی ہیں جو خاص اس صنف کے لئے چشم کشا ثابت ہوں، اور جس طرح مولانا کی کتابوں میں اصول و مبادی، حقائق اور واقعات ہوتے ہیں، دوسری طرف وہ ایسی سیرتیں پیش کرتے ہیں جو سیرتیں ترجمان ہوتی ہیں احکام الٰہی کی، جو نمونہ ہوتی ہیں اسلامی کردار کی، بلند سیرت کی، خوش قسمتی سے حضرت کی والدہ ماجدہ اللہ تعالیٰ کی ان منتخب اور پسندیدہ خواتین میں تھیں جن کی تربیت اور جن کی غیرت دینی کے نمونے جابجا خود حضرت مولانا کی زندگی میں موجود ہیں ایمان کی وہ صلابت، عقیدہ کی پختگی اور دین کی عظمت کے نقوش اس مکتوب میں موجود ہیں جو حضرت مخدومہ رحمۃ اللہ علیہا نے اپنے فرزند دلبند یعنی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے نام تحریر فرمایا تھا، یہ وہی ماں تھی اور یہ وہی فرزند جو اپنی زبانِ حال سے اقبال کے اس شعر کو تجسیم عطا کر رہا ہے ؂

بے بہا موتی ہیں جسکی چشم گوہر بار کے　　اور اب چرچے ہیں جسکی شوخی گفتار کے

حضرت نے اپنی ہمشیرہ محترمہ کا تذکرہ اور ان کی مناجاتیں اور درد میں ڈوبی ہوئی منظوم دعائیں بھی نقل کی ہیں، جن کو پڑھ کر کے اہل دل اپنے آنسو نہ روک سکیں، جو قلب میں رقت اور انابت کی کیفیت پیدا کریں غرض حضرت مولانا نے تاریخ اسلام کی متعدد خواتین اور ان کے حالات کا ذکر مختلف مقامات پر کیا ہے خوشی کی بات ہے کہ ان سب مواعظ اور نگارشات کو جو خواتین سے متعلق ہیں عزیزی مولوی محمد عزیز اللہ ندوی نے یکجا کر دیا ہے، جس کی وجہ سے یہ مختلف مقالات جو مختلف کتابوں میں اور متفرق مقامات و مناسبات سے حضرت مولانا کے قلم سے نکلے ایک نئی کتاب بن گئی۔

اپنے بہت سے ہم پیشہ اور علمی و تحقیقی کام کرنے والوں کے ایسے کام بھی دیکھے ہیں جو ایک موضوع پر مختلف ماخذ سے مضامین جمع کر کے ایک نئی کتاب کی شکل

دیدیتے ہیں اور وہ کسی ایمفل یا اس کے مساوی ڈگریوں کے لئے پیش کی جاتی ہیں، میرا روئے سخن کسی خاص فرد کی طرف نہیں ہے، صرف یہ دکھاتا ہے کہ یہ طرز تالیف آج کل بہت مقبول اور عام بھی ہے۔

عزیز مرتب کی یہ کاوش قابل مبارک باد اور ان کے حق میں فال نیک ہے۔

۲؍ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ

عبد اللہ عباس ندوی
دار العلوم ندوۃ العلماء

• • •

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اپنی بات

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی دامت برکاتہم کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، آپ سے عرب و عجم واقف ہیں مشرق و مغرب، شمال و جنوب میں آپ کے علمی کارناموں کے چرچے ہیں، جگہ جگہ آپ کو خراج تحسین، گلہائے عقیدت اور محبت والفت کے پھول پیش کئے جاتے ہیں، عوام و خواص مرد ہوں یا خواتین آپ سے والہانہ عقیدت و تعلق رکھتے ہیں، دنیا پر آپ کے ہزار ہا احسانات ہیں اس لئے کہ آپ نے زمانہ کی نبض کو دیکھا، اور سسکتی، بلکتی، دم توڑتی انسانیت کو آبِ حیات پلایا، کمسن بچوں، نو عمر لڑکوں، جوانوں، دانشوروں اور اسکالروں غرض یہ کہ ہر ایک کی فکر کی اور مرض کی تشخیص اور دوا تجویز کی، زبان و قلم کے جوہر سے مردہ انسانیت کو حیات جاوداں عطا کی، خطابت و کتابت سے عوام و خواص کے خون کو گرمایا، تقریر و تحریر کے ذریعہ ان کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا، لوگوں کو غیرت کا درس دیا، دینی حمیت، اسلامی اسپرٹ اسلاف کا کردار اور ان کی سیرت سے روشناس کرایا، خطوط و رسائل اور ملاقات کے ذریعہ حکمران و سلاطین کو دعوت حق اور پیغام عدل دیا، اور " کلمة حق عند سلطان جائر " کی سنت کو زندہ کیا، نیز لوگوں کی رشد و ہدایت اور اصلاح و تربیت کا وہ کام کیا جس

سے اسلاف و متقدمین کی یاد تازہ ہو جاتی ہے آپ کی دینی، اسلامی، اصلاحی تاریخی، ادبی تصنیفات سے ایک مکتبہ قائم ہو گیا جس سے دنیا کے ہر گوشہ کے لوگ اپنے ذوق و مزاج کے مطابق اپنی اپنی زبانوں میں سیراب ہو رہے ہیں۔

پیش نظر کتاب حضرت مولانا کی ان تقاریر و خطابات اور مضامین کا مجموعہ ہے، جو عورتوں سے مخاطب ہو کر پیش کئے گئے ہیں، بعض مضامین کے اقتباسات آپ کی تصنیفات سے بھی ماخوذ ہیں، جو عورتوں سے متعلق ہیں، ناچیز مرتب کو مربی و مشفق استاذ مولانا سید عبد اللہ محمد الحسنی ندوی دام ظلہ نے حکم دیا کہ خواتین کے متعلق حضرت مولانا نے جو کچھ تحریر کیا ہے یا تقریریں کی ہیں، خواہ وہ کتابوں میں ہوں یا جرائد و رسائل میں، مکتوبات میں ہوں یا ریکارڈ میں، ان کو یکجا کر کے ترتیب و تلخیص کا کام انجام دوں، کافی روز کش مکش میں رہا اس لئے کہ یہ ناکارہ اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں پا رہا تھا، لیکن بعمیل ارشاد میں اللہ رب العزت پر بھروسہ کر کے کام شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ کتاب کی تسوید میں مشغول ہو گیا، اور حضرت مولانا کی کتابوں کو کنگھال کر ان سے عورتوں سے متعلق وہ شہ پارے جمع کئے جن سے یہ کتاب الحمد للہ تیار ہو گئی۔

کتاب کو باب در باب ترتیب دینے کا اہتمام کیا گیا ہے اور ایک دو باب میں ایسے مضامین بھی آگئے ہیں جو ان کے تحت نہ آنے چاہئے تھے مگر مکمل باب نہ ہونے کی وجہ سے کچھ مناسبت کی بنا پر مرتب کر دیا گیا، اور باب "اولیاء اللہ کی مائیں" میں حضرت مولانا نے اپنی والدہ کا تذکرہ "ذکر خیر" کے نام سے کیا ہے اس کا خلاصہ کر کے راقم سطور نے اس کا بھی اضافہ کر دیا ہے، کیونکہ حضرت مولانا کی والدہ ماجدہ یقیناً اپنے وقت کی ولیہ، زاہدہ عابدہ اور علمی خاتون تھیں، ان کا تذکرہ آنا بہت ضروری تھا۔

مربی مولانا سید عبد اللہ حسنی ندوی دامت برکاتہم کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں

کہ آپ نے بڑی شفقت و محبت سے کام لیا اور ہر طرح سے مستقل رہنمائی فرماتے رہے ورنہ

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

مولانا رضوان صاحب ندوی بھی خاص شکریہ کے مستحق ہیں کہ آپ نے اس کی طباعت کا بار گراں اپنے ذمہ لیا اور اشاعت کا اہتمام کیا اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی شایان شان اجر عظیم عطا فرمائے۔

اور تمام معاونین احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اور یہ مضامین جس مقصد کے لئے جمع کئے ہیں اس میں بھرپور کامیابی عطا فرمائے۔

وما توفیقی إلا باللہ

محمد عزیز اللہ ندوی
دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
خادم ادارۃ الصدیق
(نوگانوہ بہٹ، سہارنپور)

• • •

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّیْ لَا
اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِنْ ذَکَرٍ
اَوْ اُنْثٰی بَعْضُکُمْ مِنْ بَّعْضٍ

سو منظور کر لیا ان کی درخواست کو ان کے رب نے
اس وجہ سے کہ میں کسی شخص کے
کام کو جو کہ تم میں سے کرنے والا
اکارت نہیں کرتا خواہ وہ
مرد ہو یا عورت تم آپس میں
ایک دوسرے کے جز ہو۔

عورت کی حیثیتِ عرفی کی بحالی
اور اس کے حقوق کی بازیابی

عورت کی حیثیت عرفی کی بحالی اور اس کے حقوق کی بازیابی

اسلام سے پیشتر طبقۂ نسواں کی حالت

پہلے ہم یہاں کچھ تمہیدی باتیں کہنا چاہتے ہیں، جو ان اقدامات کو سمجھنے کے لئے ضروری ہیں، جو اسلام نے عورتوں کے مفاد میں کئے ہیں، یہاں مشہور عرب فاضل استاذ عباس محمود العقاد کی کتاب "المرأۃ فی القرآن" کے کچھ اقتباسات پیش کریں گے جو اس موضوع پر وسیع تحقیقی جائزہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

مصنف موصوف نے اسلام سے پہلے مذاہب اور معاشروں میں عورت کے مقام سے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:-

> "ہندوستان میں مانو(۱) کی شریعت، باپ،، شوہر یا دونوں وفات ہو جانے کی صورت میں بیٹے سے علیحدہ عورت کا کوئی مستقل حق نہیں

(۱) "مانو" سے استاذ عقاد کی مراد "منو" ہے، جو ہندو سماج کے معاشرتی و عائلی قوانین کا ماخذ سمجھا جاتا ہے، اس کی شخصیت پر ناواقفیت تو ہم اور تقدیس کے پردے پڑے ہوئے ہیں، نہ اس کے زمانے کی پوری تعیین ہو سکی ہے، اور نہ شخصیت کی، وہ ہندوؤں کی کتاب مقدس وید میں فوق البشر دیوتا دکھائی دیتا ہے، اور اسکی بعض عبارتوں سے وہ نوع بشری کا جد امجد اور خالق کائنات کا پہلا نمائندہ معلوم ہوتا ہے، اور یہ اسم وصف قدیم ہندوستان کی متعدد شخصیتوں پر منطبق ہوتا ہے۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

مانتی تھی، اور ان سب کی وفات کے بعد اس کا شوہر کے کسی قریبی رشتہ دار سے متعلق ہو جانا ضروری تھا، وہ کسی حال میں اپنے معاملہ میں خود مختار نہیں ہو سکتی تھی، معاشی معاملات میں اس کی حق تلفی سے زیادہ سختی اس کے شوہر سے علیحدہ زندگی کے انکار کی صورت میں تھی، جس کے مطابق بیوی کو شوہر کے مرنے کے دن مر جانا اور اس کی چتا پرستی ہو جانا ضروری تھا، یہ پرانی رسم برہمنی تمدن کے قدیم زمانہ سے سترہویں صدی تک برقرار رہی اور اس کے بعد مذہبی حلقوں کی ناپسندیدگی کے باوجود ختم ہو گئی۔

حمورابی(۱) کی شریعت (جس کی وجہ سے بابل مشہور ہوا تھا) عورت کو پالتو جانور سمجھتی تھی، اور اس کی نظر میں عورت کی حیثیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کی رو سے اگر کسی نے کسی کی لڑکی کو قتل کیا ہے تو قاتل کو اپنی لڑکی مقتولہ لڑکی کے بدلہ میں حوالہ کرنی ہوتی تھی تاکہ لڑکی والا اسے قتل کردے، یا باندی بنالے، یا معاف

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) "منو سمرتی" جو کہ ہندوستان کا اجتماعی اور عائلی دستور ہے، وہ بھی گو مہاراج (قدیم ہندوستان کے ایک بڑے ماہر قانون) کی طرف منسوب ہے جو اپنے کو منو کا روحانی وارث بتاتا تھا، بہر حال منو سمرتی قدیم ہندوستان کی سب سے قدیم قانون کی کتاب سمجھی جاتی ہے اور اکثر محققین کا خیال ہے کہ اس کتاب کی تالیف تیسری صدی مسیحی میں ہوئی۔ (اس نوٹ میں ڈاکٹر گنگا ناتھ جھا اور ڈاکٹر جیسوال کی کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے جو ہندوستان کی قانونی تاریخ کے مستند فاضل ہیں)

(۱) عراق کے حکمراں خاندان کا مشہور بادشاہ جس نے ایک مستحکم حکومت کی بنیاد رکھی اور وہ تین ہزار قبل مسیح عراق کا حکمراں تھا (مؤلف)

کردے، مگر وہ اکثر حکم شریعت کے نفاذ کی خاطر قتل ہی کی جاتی تھی،
یونان قدیم میں عورت ہر قسم کے حقوق اور آزادی سے محروم تھی،
اسے ایسے بڑے گھروں میں رہنا ہوتا تھا جو راستہ سے دور، کم
کھڑکیوں والے ہوتے تھے، اور ان کے دروازوں پر پہرہ دار مقرر
رہتے تھے، بیویوں اور گھریلو عورتوں کی طرف بے توجہی کے سبب
بڑے یونانی شہروں میں ایسی محفلیں عام ہوگئی تھیں جن میں گانے
والیوں اور حسین عورتوں سے دل بہلایا جاتا تھا، مہذب محفلوں میں
عورتوں کو...... مردوں کے ساتھ جانے کی بہت کم اجازت تھی،
اسی طرح فلسفیوں کے حلقے عورتوں کی موجودگی سے خالی نظر آتے
ہیں، اور پیشہ ور عورتوں یا مطلقہ باندیوں جیسی شہرت وعزت کسی
شریف خاتون کو حاصل نہیں ہوئی۔

ارسطو اہل اسپارٹا (SPARTA) پر اعتراض کرتا تھا کہ وہ اپنے
خاندان کی عورتوں کے ساتھ نرمی برتتے ہیں اور انھوں نے ان کو
وراثت طلاق، اور آزادی کے حقوق دے رکھے ہیں، جن سے وہ بلند
مقام ہوگئی ہیں، وہ اسپارٹا کے زوال واضمحلال کو عورتوں کی بے
جا آزادی ہی کا نتیجہ سمجھتا ہے۔ قدیم رومیوں کا عورتوں کے ساتھ
معاملہ قدیم ہندوؤں ہی جیسا تھا، جس کے تحت وہ باپ، شوہر اور
بیٹوں کے ماتحت رہتی تھیں، اپنے تہذیبی عروج کے دور میں ان کا
خیال تھا کہ "نہ عورت کی بیڑی کاٹی جا سکتی ہے نہ اس کی گردن سے
جوا اتارا جا سکتا ہے"

چنانچہ کاٹو کا قول تھا:

"NUNGUAM EXVITUR SERVITUS MULIE BRIO

رومی عورت ان قیود سے اسی وقت آزاد ہوئی جب بغاوت اور نافرمانی کر کے رومی غلام آزاد ہوئے اور عورت کو غلام رکھنا ناممکن ہو گیا"۔

استاذ عقاد نے قدیم مصری تہذیب میں عورتوں کے بعض حقوق واختیارات کے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:-

"اسلام سے پہلے مصری تہذیب اور اس کے قوانین ختم ہو چکے تھے، اور شرق اوسط میں اس دور میں رومی تہذیب کے سقوط اور اس کی عیاشی اور لذت پرستی کے ردّ عمل کے طور پر دنیوی زندگی سے نفرت کا رجحان پیدا ہو گیا تھا، بلکہ زندگی اور آل واولاد کی طرف سے سرد مہری پیدا ہو گئی تھی، اور زاہدانہ رجحان نے جسم اور عورت کو نجس سمجھ لیا تھا، اور عورت کو گناہوں کا ذمہ دار قرار دیا جاتا تھا، اور غیر ضرورت مند کے لئے اس سے دوری اچھی سمجھی جاتی تھی۔

یہ قرون وسطٰی کے اس رجحان ہی کا اثر تھا کہ پندرہویں صدی عیسوی تک بعض علماء لاہوت، عورت کی فطرت کے بارے میں سنجیدگی سے غور کر رہے تھے، اور "ماکون" MACON کے اجتماع میں وہ یہ سوال کر رہے تھے کہ کیا وہ جسم بلا روح ہے یا روح رکھنے والا جسم ہے، جس سے نجات یا ہلاکت متعلق ہوتی ہے؟ اکثریت کا خیال یہ تھا کہ وہ نجات پانے والی روح سے خالی ہے، اور اس میں کنواری

مریمؑ والدہ حضرت مسیحؑ کے سوا کسی کا استثناء نہیں۔

رومی عہد کے اس رجحان نے بعد کی مصری تہذیب میں عورت کے مقام کو متاثر کیا، مصریوں پر رومی مظالم کی شدت ان کی رہبانیت اور دنیا بیزاری کا سبب بن گئی تھی، چنانچہ بہت سے زاہد لوگ رہبانیت کو قرب الٰہی کا ذریعہ اور شیطان کے مکر سے (جس میں عورت سرفہرست تھی) دوری کا وسیلہ جانتے تھے۔

بہت سے مغربی مؤرخین یہ الزام لگاتے ہیں کہ اسلام نے اپنی شریعت میں اگلی شریعتوں خصوصاً شریعت موسوی سے بہت کچھ اخذ کیا ہے، اس دعویٰ کا بطلان توراتی شریعت اور قرآنی شریعت میں عورتوں کے مقام کے باہمی موازنہ ہی سے اچھی طرح ہو جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت موسیٰؑ کی طرف منسوب کتابوں کی تعلیم کے مطابق لڑکی باپ کی میراث سے خارج ہو جاتی ہے، اگر اس کی اولاد ذکور موجود ہو۔

یہ اس ہبہ کی قبیل سے ہے جسے باپ اپنی زندگی میں اختیار کرتا ہے تاکہ مرنے کے بعد واجبات شرعیہ کی طرح میراث واجب نہ ہو۔

میراث کے بارے میں حکم صریح یہ ہے کہ جب تک اولاد ذکور رہے گی لڑکی اس سے محروم رہے گی، اور جس لڑکی کو میراث ملے گی اسے کسی دوسرے قبیلہ میں شادی کی اجازت نہ ہوگی، اور نہ اسے کسی اور قبیلہ کی طرف میراث منتقل کرنے کی اجازت ہوگی، یہ حکم

کتب توراۃ میں متعدد جگہوں پر ہے۔

اب ہم ان بلاد مقدسہ کی طرف رخ کرتے ہیں جہاں قرآن کریم کی دعوت شروع ہوئی تھی، یعنی جزیرۃالعرب، مگر آپ کو وہاں بھی اس کی توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ وہاں عورتوں کے ساتھ انصاف اور اکرام کا کوئی الگ معاملہ کیا جاتا تھا، بلکہ جزیرۃالعرب کے بعض اطراف میں عورت سے بدمعاملگی دنیا کے سارے ملکوں سے زیادہ تھی، اور بعض اطراف میں اس لئے اس سے اچھا معاملہ کیا جاتا تھا، اور اس کی شوہر کے یہاں عزت تھی کہ وہ کسی بارعب رئیس کی لڑکی یا کسی محبوب بیٹے کی ماں ہے، لیکن اس کی عزت صرف اس لئے کی جاتی کہ وہ عورت ہے، اور اس حیثیت سے وہ حقوق کی مستحق ہے، اس کی توقع نہیں کرنی چاہئے کہ باپ، شوہر، بھائی اور بیٹے اپنی ملکیت یا حمایت میں داخل اشیاء کی طرح اس کی حفاظت کرتے تھے، کیونکہ یہ آدمی کے لئے عیب تھا کہ اس کے حرم کی بے حرمتی کی جائے، جس طرح یہ عیب تھا کہ اس کی حمایت یافتہ یا کسی ممنوعہ چیز پر دست درازی کی جائے، جس میں اس کے گھوڑے، جانور، کنواں اور چراگاہ شامل تھی، وہ مال و مویشی کے ساتھ میراث میں منتقل ہوتی تھی، آدمی شرم کے مارے اپنی بیٹی کو بچپن ہی میں زندہ درگور کر دیتا تھا، اور اس پر خرچ کو بوجھ سمجھتا تھا، جب کہ اپنی مملوکہ باندی یا نفع بخش جانور پر خرچ کو بوجھ نہیں سمجھا جاتا تھا، اور جو اسے زندہ رکھتے اور بچپن میں جاں بخشی کر دیتے ان کی نظر میں اس کی قیمت میراث کی

تھی، جو باپ سے بیٹوں کو منتقل ہوتی تھی، اور قرض یا سود کی ادائیگی میں اسے بیچا اور رہن رکھا جاسکتا تھا، وہ اس انجام سے اسی وقت بچ سکتی تھی، جب وہ کسی معزز قبیلے کی فرد ہوتی جس کی حمایت و قربت کو وقعت حاصل ہوتی تھی(۱)"۔

بُدھ مت

بدھ مت میں عورت کے بارے میں خیالات کا ایک نمونہ "مذہب واخلاق کی انسائیکلوپیڈیا" کے مقالہ نگار نے ایک بدھ مفکر (CHULLAVAGGA) کے قول سے پیش کیا ہے، جسے (OLDENBERG) نے اپنی کتاب (BUDDHA) (مطبوعہ ۱۹۰۶ء ص: ۱۶۹) پر نقل کیا ہے کہ:-

"پانی کے اندر مچھلی کی ناقابل فہم عادتوں کی طرح عورت کی فطرت بھی ہے، اس کے پاس چوروں کی طرح متعدد حربے ہیں اور سچ کا اس کے پاس گزر نہیں (۲)"۔

ہندو دھرم

مذکورہ انسائیکلوپیڈیا کا مقالہ نگار عورتوں کے بارے میں ہندوؤں کے خیالات کے بارہ میں لکھتا ہے:-

(۱) "المرأة في القرآن" للاستاذ عباس محمود العقاد، طبع دار الهلال مصر ص ۵۱ - ۵۷

(2) ENCYCLOPEDIA OF RELIGION & ETHICS, VOL. V,p. 271.

"برہمن ازم میں شادی کو بڑی اہمیت حاصل ہے، ہر شخص کو شادی کرنا چاہئے، لیکن منو کے قوانین کی رو سے شوہر بیوی کا سر تاج ہے، اسے اپنے شوہر کو ناراض کرنے والا کوئی کام نہیں کرنا چاہئے، حتی کہ وہ اگر دوسری عورتوں سے تعلقات رکھے یا مر جائے تب بھی کسی دوسرے مرد کا نام اپنی زبان پر نہ لائے، اگر وہ نکاح ثانی کرتی ہے تو وہ سورگ سے محروم رہے گی جس میں اس کا پہلا شوہر رہتا ہے، زوجہ کے غیر وفادار ہونے کی صورت میں اسے انتہائی کڑی سزا دی جانی چاہئے، عورت کبھی بھی آزاد نہیں ہو سکتی، وہ ترکہ نہیں پا سکتی، شوہر کے مرنے پر اپنے سب سے بڑے بیٹے کے تحت زندگی گزارنی ہوگی، شوہر اپنی بیوی کو لاٹھی سے بھی پیٹ سکتا ہے(۱)"۔

"یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ" میں (RAY STRACHEY) ہندوستان کے بارے میں لکھتا ہے:

"رگ وید میں (جس میں انسان کے جد امجد کی حکایات بھی ہیں) عورتوں کو پست اور حقیر مقام دیا گیا ہے، بعد میں یہ سمجھا جانے لگا کہ وہ روحانی طور پر ناقابل اعتبار بلکہ تقریباً بے روح ہے، اور موت کے بعد مردوں کی نیکیوں کے بغیر اسے بقا نہیں حاصل ہو سکتی، اس کی ساری امیدوں کو ختم کرنے والے مذہب کے ساتھ رسم ورواج کی بیڑیوں نے (جو رفتہ رفتہ پیدا ہوتی گئیں) یہ ناممکن کر دیا کہ عورت کی نمایاں شخصیت کو جنم دے سکے، عورتوں کو جنم دینے والے منو نے

(۱) انسائیکلو پیڈیا مذہب و اخلاق ص: ۲۷۱ جلد: پنجم (نیویارک ۱۹۱۲)۔

انھیں اپنے گھر، بستر، زیور کی محبت، بری خواہشیں، غصہ، بے ایمانی اور برے اطوار عطا کئے، عورتیں اتنی ہی بری ہیں جتنا کہ جھوٹ، یہ ایک مسلم حقیقت تھی، عورت کی فطرت میں یہ داخل ہے کہ وہ مردوں کو اس دنیا میں غلط راستہ پر ڈالے، اسی لئے عقلمند، عورتوں کی صحبت میں بے فکر ہوکر نہیں بیٹھتے۔

بچپن کی شادی کی رسم، بیواؤں سے نفرت پرستی، اور پردہ ایک ایسے سماج کے حسبِ حال ہیں، جس میں عورتوں کی اہمیت بچے جننے والی مخلوق سے زائد نہیں، شاید نوزائیدہ لڑکیوں کی موت ایک ایسی دنیا میں ان کے لئے رحمت ہے، جس میں اسے شکوک، برائی کا سرچشمہ، دھوکہ باز، سورگ کے راستہ کا روڑا، اور نرک کا دروازہ سمجھا جاتا ہے (۱-۲)"۔

ہندوستانی سماج میں عورت کی حیثیت

برہمنی زمانہ اور تہذیب میں عورت کا وہ درجہ نہیں رہا تھا، جو ویدی زمانہ میں تھا منو کے قانون میں (بقول ڈاکٹر لی بان) عورت ہمیشہ کمزور اور بے وفا سمجھی گئی ہے، اور اس کا ذکر ہمیشہ حقارت کے ساتھ آیا ہے۔

(۱) UNIVERSAL HISTORY OF THE WORLD. Ed J. A. HAMERTON VOL. 1. p 378 (LONDON).

(۲) ماخوذ: تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات و احسانات۔

شوہر مر جاتا تو عورت گویا جیتے جی مرجاتی اور زندہ در گور ہو جاتی، وہ کبھی دوسری شادی نہ کر سکتی، اس کی قسمت میں طعن و تشنیع اور ذلت و تحقیر کے سوا کچھ نہ ہوتا، بیوہ ہونے کے بعد اپنے متوفی شوہر کے گھر کی لونڈی اور دیوروں کی خادمہ بن کر رہنا پڑتا اکثر بیوائیں اپنے شوہروں کے ساتھ ستی ہو جاتیں، "ڈاکٹر لی بان لکھتا ہے" بیواؤں کو اپنے شوہروں کی لاش کے ساتھ جلانے کا ذکر منو شاشتر میں نہیں ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسم ہندوستان میں عام ہو چلی تھی، کیونکہ یونانی مؤرخین نے اس کا ذکر کیا ہے(۱)۔

غرض یہ سرسبز و شاداب ملک جو فطرت کے خزانوں سے مالامال تھا، سچے آسمانی مذاہب کی تعلیمات سے عرصہ سے محروم ہونے اور مذہب کے مستند ماخذوں کے گم ہو جانے کی وجہ سے قیاسات و تحریفات کا شکار اور رسوم وروایات کا پرستار بنا ہوا تھا، اور اس وقت کی دنیا میں جہالت و توہم پرستی، پست درجہ کی بت پرستی، نفسانی خواہشات اور طبقہ واری ناانصافی میں پیش پیش تھا، اور دنیا کی اخلاقی وروحانی رہبری کے بجائے خود اندرونی انتشار اور اخلاقی بدنظمی میں مبتلا تھا(۲-۳)۔

چین

مسٹر رے اسٹریچی چین میں عورت کی حیثیت کے بارے میں لکھتا ہے:-

"مشرق بعید یعنی چین میں حالات اس سے بہتر نہیں تھے،
چھوٹی لڑکیوں کے پیروں کو کاٹھ مارنے کی رسم کا مقصد یہ تھا کہ انھیں

(۱) تمدن ہند ص ۲۳۸۔ (۲) یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ، مرتبہ ہمیرٹن ۳/۱ ۷۸ (لندن)
(۳) ماخوذ: انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر۔ ص ۵۶۔

بے بس اور نازک رکھا جائے، یہ رسم اگرچہ اعلیٰ اور مالدار طبقات میں رائج تھی، لیکن اس سے "آسمانی حکومت" کے دور میں عورتوں کی حالت پر روشنی پڑتی ہے(۱)"۔

انگلستان

مذکورہ مقالہ نگار انگلستان میں عورتوں کے مقام کے بارے میں تحریر کرتا ہے:-

"وہاں اسے ہر قسم کے شہری حقوق سے محروم رکھا گیا تھا، تعلیم کے دوازے اس پر بند تھے، صرف چھوٹے درجہ کی مزدوری کے علاوہ وہ کوئی کام نہیں کرسکتی تھی، اور شادی کے وقت اسے اپنی ساری املاک سے دستبردار ہونا پڑتا تھا۔

یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرون وسطیٰ سے انیسویں صدی تک عورت کو جو درجہ دیا گیا تھا، اس سے کسی بہتری کی امید نہیں کی جاسکتی تھی(۲)"۔

جاہلیت میں عورت کا درجہ

جاہلی معاشرہ میں عورت کے ساتھ ظلم وبدسلوکی عام طور سے روا سمجھی جاتی تھی،

---

(۱) یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ، مرتبہ ہمیرٹن ۱/۳۷۸ (لندن)۔

(۲) ماخوذ: تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات۔

اس کے حقوق پامال کیے جاتے، اس کا مال مرد اپنا مال سمجھتے وہ ترکہ اور میراث میں کچھ حصہ نہ پاتی شوہر کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد اس کو اجازت نہیں تھی، کہ اپنی پسند سے دوسرا نکاح کر سکے (۱) دوسرے سامان اور حیوانات کی طرح وہ بھی وراثت میں منتقل ہوتی رہتی تھی (۲) مرد تو اپنا پورا پورا حقوق وصول کرتا لیکن عورت اپنے حقوق سے مستفید نہیں ہو سکتی تھی، کھانے میں بہت سی ایسی چیزیں تھیں جو مردوں کے لئے خاص تھیں، اور عورتیں ان سے محروم تھیں (۳)۔

لڑکیوں سے نفرت اس درجہ بڑھ گئی تھی، کہ انھیں زندہ درگور کرنے کا بھی رواج تھا، ہیثم بن عدی نے ذکر کیا ہے کہ زندہ درگور کرنے کا اصول عرب کے تمام قبائل میں رائج تھا ایک اس پر عمل کرتا تھا، دس چھوڑتے تھے، یہ سلسلہ اسوقت تک رہا، جب تک کہ اسلام نہیں آیا (۴) بعض ننگ وعار کی بنا پر بعض خرچ و مفلسی کے ڈر سے اولاد کو قتل کرتے، عرب کے بعض شرفاء ورؤسا ایسے موقعہ پر بچوں کو خرید لیتے اور ان کی جان بچا لیتے (۵)، صعصعہ بن ناجیہ کا بیان ہے کہ اسلام کے ظہور کے وقت تک میں تین سو زندہ درگور ہونے والی لڑکیوں کو فدیہ دے کر بچا چکا تھا (۶) بعض اوقات کسی سفر مشغولیات کی وجہ سے لڑکی سیانی ہو جاتی اور دفن کرنے کی نوبت نہ آتی، جاہلی باپ دھوکہ دیکر اس کو لے جاتا اور بڑی بے دردی سے اسکو زندہ درگور کر آتا، اسلام لانے کے بعد بعض عربوں نے اس سلسلہ کے بڑے اندوہناک اور رقت انگیز واقعات بیان کئے ہیں (۷، ۸)۔

---

(۱) سورۃ البقرۃ آیت ۲۳۲۔ (۲) سورۃ النساء آیت ۱۹۔ (۳) سورۃ الانعام آیت ۱۴۰۔

(۴) میدانی۔ (۵) ملاحظہ ہو: بلوغ الادب فی احوال العرب آلوسی۔ (۶) کتاب الاغانی۔

(۷) ملاحظہ ہو: سنن الدارمی جلد: ۱، باب ما کان علیہ الناس قبل مبعث النبی الکریم ﷺ من الجہل و الضلالۃ۔ (۸) ماخوذ: انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص: ۶۱۔

اسلام میں عورتوں کا مقام

اسلام نے عورتوں کو جو مرتبہ دیا ہے اور عورتوں کی زندگی میں بلکہ دنیا کی معاشرتی زندگی میں جو انقلاب عظیم برپا کیا ہے، وہ پڑھی لکھی تعلیم یافتہ خواتین کو معلوم ہوگا، (میں یہاں اس کا مختصر سا تذکرہ کرتا ہوں) دنیا کے مختلف مذاہب اور قوانین کی تعلیمات کا مقابلہ اسلام کے اس نئے منفرد ممتاز کردار (ROLE) سے اگر کیا جائے جو اسلام نے عورت کے وقار و اعتبار کی بحالی، انسانی سماج میں اسے مناسب مقام دلانے، ظالم قوانین، غیر منصفانہ رسم و رواج اور مردوں کی خود پرستی، خود غرضی اور تکبر سے اسے نجات دلانے کے سلسلہ یں انجام دیا ہے تو آنکھیں کھل جائیں گی، اور ایک پڑھے لکھے آدمی کو، حقیقت پسند انسان کو اعتراف و احترام میں سر جھکا دینا پڑے گا قرآن مجید پر ایک سرسری نظر ڈالنا بھی عورت کے بارہ میں جاہلی نقطۂ نظر اور قرآنی اسلامی زاویۂ نگاہ کے کھلے فرق کو سمجھنے کے لئے کافی ہے آپ کو معلوم ہے کہ دین میں، دین کے احکام و مسائل میں، فرائض یں، عبادات میں، عقائد میں اور علم میں کم سے کم ہمارا جس امت سے تعلق ہے، جس دین سے تعلق ہے، اس میں عورتیں محروم نہیں رکھی گئیں اور انھیں نظر انداز نہیں کیا گیا، بلکہ وہ اس میں شریک ہیں، اس لئے کہ ان کے لئے مستقل احکام و مسائل اور نماز و روزہ، حج، زکوٰۃ اور اس کے علاوہ دین کے دوسرے مسائل و عبادات میں وہ برابر کی شریک ہیں اور اسی طرح وہ دین و علم، خدمت اسلام، خیر و تقویٰ میں تعاون، اور صالح معاشرہ کی تعمیر میں پوری طرح حصہ لے سکتی ہیں۔

قرآن کریم قبول اعمال، نجات و سعادت اور آخرت کی کامیابی کے بیان میں

ہمیشہ مردوں کے ساتھ عورتوں کا بھی ذکر کرتا ہے

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا. (النساء: ۱۲۴)	اور جو کوئی نیکیوں پر عمل کرے گا، (خواہ) مرد ہو یا عورت اور وہ صاحبِ ایمان ہو تو ایسے (سب) لوگ جنت میں داخل ہوں گے، اور ان پر ذرا بھی ظلم نہیں ہو گا۔

دنیا کے بہت سے مذاہب ایسے ہیں جس میں بعض کام مردوں کے ساتھ خاص ہیں عورتوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے، بلکہ عورتیں اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتیں، ان کا اس سے قریب ہو جانا یا پرچھائی پڑ جانا بھی اس کام کو برباد کر دیتا ہے۔

دنیا کا ایک بہت بڑا مذہب عیسائیت جس کے پیرو دنیا میں شاید سب سے زیادہ ہیں عیسائیت باوجود اسکے کہ وہ یورپ میں بڑھی پھلی پھولی اس میں عورتوں کو بہت سی چیزوں سے محروم رکھا گیا ہے۔

قرن وسطیٰ میں ایک زمانہ ایسا گزرا ہے جس میں یہ تھا کہ عورت مالک نہیں ہو سکتی کسی چیز کی، اپنے حقوق ان کو حاصل نہیں تھے، وہ کسی زمین کی مالک ہو ایسا نہیں ہو سکتا تھا، بہت سی عبادتیں اور فرائض ایسے تھے جو ان کے لئے ناجائز تھے اور لوگ عورتوں کے سایہ سے بھاگتے تھے، بہت سی عورتوں اور بچیوں کو راہب بنا کر گرجاؤں میں بیٹھا دیا کرتے تھے، ان کی مائیں روتیں تھیں اور بلکتی تھیں اور جب وہ انھیں ڈھونڈنے آتیں تو راہب ان کے سایہ سے بھاگتے تھے کہ کہیں ان کا سایہ نہ پڑ جائے۔

یہ تو قرآن کا معجزہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں میں عورتوں کا ذکر الگ الگ کیا ہے اگر ساتھ کہہ دیا جاتا تو شاید ذہن پورے طور پر کام نہ کرتا اور جو اللہ تعالیٰ نے مرتبے بیان کئے ہیں، ان میں سب کا ذہن نہ جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک ایک جز میں

مردوں کے ساتھ عورتوں کاذکر کیا ہے، ہمت افزائی کے لئے بھی اور ان کا درجہ بڑھانے کے لئے بھی اور بہت سے مسائل میں ان خیالات کو دور کرنے کے لئے بھی کہ شاید اس میں عورتوں کا حصہ ہو، اس میں نہ ہو اس لئے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کاذکر الگ سے کیا ہے۔ (۱)

قرآن مجید صرف طاعات و عبادات اور مذہبی فرائض ہی کے سلسلہ میں، نماز روزہ ہی کے سلسلے میں مردوں اور عورتوں کی مساوات و شرکت کا ذکر نہیں کرتا، بلکہ اس کی تعلیمات کی رو سے باصلاحیت مردوں علماء اور بڑی ہمت اور عزم رکھنے والے مردوں اور نمایاں افراد کے ساتھ ساتھ اخلاقی احتساب **امر بالمعروف نہی عن المنکر** یعنی اسلامی معاشرہ کی نگرانی و رہنمائی، اس کو غلط راستہ پر چلنے سے روکنے، اور صحیح راستہ پر چلنے کے سلسلہ میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی ذمہ داری میں شریک ہیں، اللہ تعالیٰ ایمان والے مردوں، ایمان والی عورتوں کو ایک متحدہ اور خیر و تقویٰ پر تعاون کرنے والی جماعت کی ایک محاذ (FRONT) کی شکل میں دیکھنا چاہتا ہے، وہ فرماتا ہے:-

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ أُولٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللهُ إِنَّ اللهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (۱).

اور ایمان والے اور ایمان والیاں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں، نیک باتوں کا آپس میں حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں، نماز کی پابندی رکھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں اور اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرتے رہتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان پر ضرور رحمت کریگا، بیشک اللہ بڑا اختیار والا ہے اور بڑی حکمت والا ہے۔

وہ شرف انسانی کی اعلیٰ ترین منزل پر پہنچنے کا ذریعہ اور کامل معیار، جنس و نسل

---

(۱) ماخوذ: تعمیر حیات ۲۵/اپریل ۱۹۸۶ء

اور رنگ وخون سے قطع صرف تقویٰ کو قرار دیتا ہے:-

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ. (الحجرات:۱۳)	اے لوگو! ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمکو مختلف قومیں اور خاندان بنادیا ہے کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، بے شک تم میں سے پرہیزگار تر اللہ کے نزدیک معزز تر ہے، بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے پورا خبردار ہے۔

یہ سب باتیں عورتوں میں ہمت، خودداری اور خود اعتمادی پیدا کرنے اور جدید نفسیات کی اصطلاح میں انھیں احساس کمتری (INFERIORITY COMPLEX) سے دور رکھنے کے لئے بہت کافی ہیں۔

ان ہی تعلیمات کے نتیجہ میں رسول اللہ ﷺ کے بعد سے عصر حاضر تک مشاہیر خواتین اسلام میں معلمات، اور تربیت کرنے والی، جہاد اور تیمار داری کرنے والی، ادیب و مصنف، حافظ قرآن، وحدیث کی راوی، عابد وزاہد اور معاشرہ میں صاحب حیثیت و وجاہت خوانی کی ایک بڑی تعداد نظر آتی ہے، جن سے علمی استفادہ کیا گیا اور جن سے تربیت حاصل کی گئی اور جو معیاری ومثالی شخصیت کی حامل تھیں۔

وہ حقوق جو اسلام نے مسلمان عورت کو دیئے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں، ملکیت ومیراث کا حق، خرید و فروخت کا حق، شوہر سے علیحدگی (خلع) کا حق (اگر ضروری ہو) منگنی ختم کرنے کا حق (اگر اس سے وہ راضی نہ ہو) عیدین، جمعہ اور جماعت کی نمازوں میں شرکت کا حق اور ان کے علاوہ حقوق کی تفصیلات فقہی کتابوں میں موجود ہیں(۱)۔

---

(۱) تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات ص: ۷۳-۹۴۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰت
وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبَات
اُوْلٰئِكَ مُبَرَّءُ وْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ
لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ.

گندیاں ہیں گندوں کے واسطے، اور گندے ہیں واسطے
گندیوں کے، اور ستھریاں ہیں ستھروں کیواسطے
اور ستھرے واسطے ستھریوں کے، وہ لوگ
بے تعلق ہیں ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں
ان کے واسطے بخشش ہے
اور روزی ہے عزت کی۔

عورت مغربی فضلاء
اور اہل انصاف کی نظر میں

عورت مغربی فضلاء اور اہل انصاف کی نظر میں

مغربی فضلاء اور اہل انصاف کی شہادت واعتراف

متعدد انصاف پسند مغربی فضلاء اور معاشرتی وتمدنی تاریخ کے ماہرین نے ان قرآنی اور شرعی تعلیمات کی برتری کا اعتراف کیا ہے، جو عورتوں کے احترام اور ان کے لئے حقوق پر مشتمل ہیں۔

ہم یہاں دو تین شہادتوں پر اکتفار کرتے ہیں، ان میں سے ایک شہادت ایک مغربی فاضلہ کی ہے، جو ہندوستان میں ایک تربیتی واصلاحی تحریک کے قائد اور جنوبی ہند کے ایک ثقافتی ادارے (تھیاسوفیکل سوسائٹی) کی صدر رہی ہیں، انہوں نے ہندوستان کی تحریک آزادی میں بھی حصہ لیا تھا، کسی خاتون کی شہادت اس لئے بھی اہم اور قیمتی ہوتی ہے کہ وہ عورت کے معاملہ میں حساس ہوتی اور اس کی طرف سے دفاع میں دلچسپی رکھتی ہے، مسز اینی بسنت (MRS. ANNIE BESANT) کہتی ہیں:-

> ''آپ کو ایسے لوگ ملیں گے جو مذہب اسلام پر اس لئے تنقید کرتے ہیں کہ یہ محدود تعدد ازدواج کو جائز قرار دیتا ہے، لیکن آپ کو میری وہ تنقید نہیں بتائی جاتی جو میں نے لندن کے ایک ہال میں تقریر کرتے ہوئے کی تھی میں نے سامعین سے کہا تھا کہ یک زوجگی کے ساتھ وسیع پیمانہ پر زنان بازاری کی موجودگی ''نفاق''

(HYPOCRISY) ہے اور محدود تعدد ازدواج سے زیادہ ذلت آمیز، قدرتی طور پر اس قسم کے بیانات کا لوگ برا مانتے ہیں، لیکن اسے بتلانا ضروری ہے کیونکہ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ عورتوں کے متعلق اسلام کے قوانین ابھی حالیہ زمانہ تک انگلینڈ میں اپنائے جارہے تھے، یہ سب سے منصفانہ قانون تھا...... جو دنیا میں پایا جاتا تھا، جائداد، وراثت کے حقوق اور طلاق کے معاملات میں یہ مغرب سے کہیں آگے تھا، اور عورتوں کے حقوق کا محافظ تھا، یک زوجگی اور تعدد ازدواج کے الفاظ نے لوگون کو مسحور کردیا ہے، اور وہ مغرب میں عورت کی اس ذلت پر نظر نہیں ڈالنا چاہتے جسے اس کے اولین محافظ سڑکوں پر صرف اس لئے پھینک دیتے ہیں کہ اس سے ان کا دل بھر جاتا ہے، اور وہ پھر ان کی کوئی مدد نہیں کرتا(۱)"۔

مسٹر (N. L. COULSEN) لکھتے ہیں:-

"بلاشبہ عورتوں کی حیثیت کے معاملہ میں خاص طور پر شادی شدہ عورتوں کے معاملہ میں قرآنی قوانین افضلیت کا مقام رکھتے ہیں، نکاح اور طلاق کے قوانین کثیر تعداد میں ہیں، جن کا عمومی مقصد عورتوں کی حیثیت میں بہتری لاتا ہے، اور وہ عربوں کے قوانین میں انقلاب انگیز تبدیلی کے مظہر ہیں ...... اسے قانونی شخصیت عطا کی گئی جو اسے پہلے حاصل نہیں تھی، طلاق کے قوانین

---

(۱) THE LIFE & TEACHINGS OF MUHAMMAD, BY ANNIE BESANT, (MADRAS, 1932) P.3.

میں قرآن نے سب سے بڑی تبدیلی جو کی ہے وہ عدت کو اس میں شامل کرنا ہے(۱)"۔

مذہب واخلاق کی انسائیکلو پیڈیا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:-

"پیغمبر اسلام نے یقیناً عورت کا درجہ اس سے زیادہ بلند کیا جو اسے قدیم عرب میں حاصل تھا، خصوصی طور پر عورت متوفی شوہر کے ترکہ کا جانور نہیں رہی بلکہ خود ترکہ پانے کی حقدار ہوگئی اور ایک آزاد فرد کی طرح اسے دوبارہ شادی پر مجبور نہیں کیا جاسکتا تھا، طلاق کی حالت میں شوہر پر یہ واجب ہو گیا کہ وہ اسے وہ سب چیزیں دیدے جو اسے شادی کے وقت ملی تھیں۔

اس کے علاوہ اعلیٰ طبقہ کی خواتین علوم اور شاعری سے دلچسپی لینے لگیں، اور کچھ نے استاد کی حیثیت سے بھی کام کیا، طبقۂ عوام کی عورتیں اپنے گھر کی مالکہ کی حیثیت سے اپنے خاوندوں کی خوشی اور غم میں شریک ہونے لگیں، ماں کی عزت کی جانے لگی(۱)"۔

پیدائش نو اور انقلاب عظیم

قرآنی آیات اور نبوی تعلیمات کی روشنی میں عورت کے مقام کے بارے میں یہ نیا نقطۂ نظر گویا انسانی دنیا میں نوع نسواں کی نئی پیدائش کا حکم رکھتا تھا، کیونکہ جیسا

A HISTORY OF ISLAMIC LAW (EDINBURG. 1971) P. 14. (۱)

(۲) انسائکلو پیڈیا آف ریلجن اینڈ ا تھکس ص: ۱۷ ج۲ (نیویارک ۱۹۱۲ء)۔

کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ عالم قدیم میں اس میں اور پالتو حیوان یا کسی بے جان چیز میں کوئی فرق نہ تھا، وہ زندہ دفن کردی جاتی تھی، رہن رکھی جاتی یا کسی محل کی گڑیا سمجھی جاتی تھی، اس صورت حال میں یہ انقلابی تعلیمات تمدن واخلاق، خانگی اور ازدواجی زندگی میں ایک مبارک اتفاق کی حیثیت میں سامنے آئیں، جن کا کم وبیش سبھی ملکوں اور معاشروں نے استقبال کیا، خاص طور پر ان ملکوں نے جہاں اسلام فاتحانہ داخل ہوا یا اسے حکومت وانتظام کا موقع ملا، یا جہاں وہ ایک اصلاحی دعوت اور عملی نمونہ کے طور پر پہنچا، اسلام کے اس انسانی تحفے کی قدر وقیمت ان ملکوں میں بالکل ظاہر ہوئی، جہاں بیوائیں اپنے کو اپنے متوفی شوہروں کی چتا میں جلاڈالتی تھیں، اور نہ معاشرہ ان کو شوہروں کے بعد زندہ رہنے کا حق دیتا تھا اور نہ وہ خود اپنے کو اس کا حقدار سمجھتی تھیں۔

مسلمان بادشاہوں نے اپنے وقت میں بعض ہندوستانی رسم ورواج اور خاص طور پر ''ستی'' کی رسم کی اس طرح اصلاح کی کہ دینی عقائد اور ہندوستانی روایت کو نہ نقصان پہنچے اور نہ ان کی بے حرمتی ہو، اس سلسلہ میں مشہور فرانسیسی سیاح اور طبیب ڈاکٹر برنیر (BERNIER) (جس نے شاہجہاں کے زمانے میں ہندوستان کی سیاحت کی تھی) لکھتا ہے:-

> ''آج کل پہلے کی نسبت ستی کی تعداد کم ہوگئی ہے، کیونکہ مسلمان جو اس ملک کے فرمانروا ہیں، اس وحشیانہ رسم کے نیست ونابود کرنے میں حتی المقدر کوشش کرتے ہیں، اور اگرچہ اس کے امتناع کے واسطے کوئی قانون مقرر کیا ہوا نہیں ہے، کیونکہ ان کی پالیسی (تدبیر مملکت) کا یہ ایک جزو ہے کہ ہندوؤں کی خصوصیات میں جن کی تعداد مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہے، دست اندازی کرنا

مناسب نہیں سمجھتے، بلکہ ان کی مذہبی رسوم کے بجالانے میں ان کو آزادی دیتے ہیں، لیکن تاہم ستی کی رسم کو بعض ایچ پیچ کے طریقوں سے روکتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ کوئی عورت بغیر اجازت اپنے صوبہ کے حاکم کے ستی نہیں ہو سکتی، اور صوبہ دار ہرگز اجازت نہیں دیتا جب تک کہ قطعی طور پر اس کو یقین نہیں ہو جاتا کہ وہ اپنے ارادہ سے ہرگز باز نہیں آئے گی، صوبہ دار بیوہ کو بحث مباحثہ سے سمجھاتا ہے، اور بہت سے وعدے وعید کرتا ہے اور اگر اس کی فہمائش اور تدبیریں کارگر نہیں ہوتیں تو کبھی ایسا بھی کرتا ہے کہ اپنی محلسرا میں بھیج دیتا ہے، تاکہ بیگمات بھی اس کو اپنے طور پر سمجھائیں۔

مگر باوجود ان سب امور کے ستی کی تعداد اب بھی بہت ہے، خصوصاً ان راجاؤں کے علاقوں اور علمداریوں میں جہاں کوئی مسلمان صوبہ دار متعین نہیں ہے (۱-۲)"۔

خاتون حرم اقبال کی نظر میں

موجودہ زمانے کے مشہور شاعر اور فلسفی ڈاکٹر محمد اقبال نے ایک ایسے زمانہ میں تعلیم وتربیت حاصل کی جب عورت آزادی وترقی کے بہت اونچے زینے پر پہونچ چکی تھی، مغرب نے مرد وعورت کی مساوات اور عورت کی آزادی وبے پردگی کا صور اتنے

---

(۱) سفرنامہ ڈاکٹر برنیر ج ۲، ص: ۱۷۲-۱۷۴ (امرتسر ۱۸۸۶ھ)۔

(۲) ماخوذ: تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات۔ ص ۴۷ تا ۸۷

زور و شور سے پھونکا تھا کہ اس کے خلاف کوئی آواز سننے میں نہیں آسکتی تھی، اقبال نے اپنی تعلیمی زندگی کا خاصہ زمانہ یورپ میں گزارا، ان کی باقی زندگی ایک ایسے شہر اور ماحول میں گزری جو آزادیٔ نسواں اور مغرب کی تقلید کا شاید ہندوستان میں سب سے بڑا مرکز تھا، اس سب کے باوجود مسلمان عورت کے بارے میں ان کے عقیدہ اور خیالات میں کوئی تزلزل واقع نہیں ہوا بلکہ مغربی ممالک کی زندگی کا انتشار اور وہاں انسانیت کی تباہی کے آثار دیکھ کر ان کا یہ عقیدہ اور زیادہ مضبوط ہو گیا کہ مسلمان عورت کے لئے زندگی کا بالکل الگ معیار ہے اور اس کو مغربی عورت کی تقلید سے پوری احتیاط کرنی چاہئے، ان کے نزدیک زندگی میں اس وقت تک استحکام اور نظم و انتظام نہیں پیدا ہو سکتا جب تک کہ عورت میں صحیح نسوانیت، عفت و طہارت اور شفقت مادری نہ ہو، جو قوم اس نکتہ سے واقف نہیں اس کا نظام زندگی ہمیشہ درہم برہم اور متزلزل رہے گا، وہ کہتے ہیں:-

جہاں را محکمی از امہارت است　　نہاد شاں امین ممکنات است

اگر ایں نکتہ را قومے نداند　　نظام کاروبارش بے ثبات است

وہ اپنی ساری ترقیوں اور بیداریوں، ایمانی ذوق اور درد و سوز کو اپنی والدہ کی تربیت اور ان کی پاک باطنی کا نتیجہ سمجھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میرے اندر ایمان و محبت کی جو ایک چنگاری ہے جس کا علم و ہنر سے کوئی بیر نہیں بلکہ میل ہے وہ میری پاک باطن ماں کی نگاہ کا فیض ہے، مجھے جو کچھ ملا ان کی گود اور ان کی تربیت سے ملا، مدرسہ اور تعلیم گاہ (جس میں اقبال نے بڑی بڑی کتابیں پڑھیں اور عالم فاضل بنکر نکلے) نے نہ حقیقت بیں نگاہ دی نہ درد مند دل عطا کیا، خود کہتے ہیں کہ یہ دولت تو کالجوں اور یونیورسٹیوں سے ملتی ہی نہیں یہاں سوائے قصہ کہانی کے کچھ نہیں، یہ دولت تو اگر خدا کسی کو ایمان والی ماں نصیب کرے تو اس کی آغوش تربیت سے ملتی ہے۔

مراد او ایں خرد پرور جنونے　　نگاہ مادر پاک اندرونے

زمکتب چشم و دل نتواں گرفتن　　کہ مکتب، نیست جز سحر و فسونے

وہ مسلمان لڑکی کو خطاب کر کے کہتے ہیں کہ مغرب نے نوجوانوں کو متاثر کرنے اور اپنی طرف مائل کرنے کے جو طریقے سکھائے ہیں وہ ایک مسلمان لڑکی کو بالکل زیب نہیں دیتے یہ "سحر و ساحری" اور یہ "دلبری اور کافری" کسی مسلمان کے لئے مناسب نہیں، پھر وہ مسلمان لڑکیوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ تم کو اس آرائش و زیبائش کی ضرورت نہیں جو آج مغرب کی تقلید اور نقالی میں اسلامی ملکوں میں فیشن بن گئی ہے، تم کو اپنا دل ایسے حسن و جمال میں نہیں لگانا چاہئے جو غازہ اور پاؤڈر کا احسان مند ہو، تمہارا حسن اور تمہاری عزت تمہاری پاک نگاہی میں ہے، جس کی کوئی بدنیت تاب نہیں لا سکتا اور جو عورت کا سب سے بڑا حسن و جمال ہے۔

بہل اے دخترک ایں دلبری ہا　　مسلماں را نہ زیبد کافری ہا

منہ دل بر جمال غازہ پرورد　　بیاموز از نگہ غارت گری ہا

وہ کہتے ہیں کہ حسن اور دلوں کو جیتنے کے لئے بے نقابی شرط نہیں، عصر حاضر کے پاس کچھ نہیں، اس لئے اس نے بے پردگی کو اپنا شعار بنایا اور اس نے محض چمک دمک اور رنگ و روشن میں اپنی نمائش کی دیکھو نور حق اور جمال الٰہی کتنے پردوں میں نہاں ہے پھر بھی سارا عالم اس سے روشن اور درخشاں ہے، مسلمان عورت کو اپنے اندر ایسے صفات کمالات اور حقیقی حسن و جمال پیدا کرنا چاہئے کہ وہ پردہ میں رہ کر دنیائے انسانیت کو بھی فیض پہنچا سکے۔

ضمیر عصر حاضر بے نقاب است　　کشادش در نمود رنگ و آب است

جہانتابی ز نور حق بیاموز　　کہ او با صد تجلی در حجاب است

ان کا عقیدہ ہے کہ مسلمان عورت اگر اس کے اندر صحیح اسلامی صفات ہوں تو وہ انسانیت کی محسن اور انسان کی مربی ہے خدا اس کی حفاظت کرے گا اور انسانیت اس کی ہمیشہ محتاج رہے گی، قومیں آتی جاتی رہیں گی، تہذیبیں پھلتی پھولتی اور دم توڑتی رہیں گی ملک بستے اور اجڑتے رہیں گے، لیکن مسلمان عورت انسانیت کا ایک ایسا درخت ہے جس کو کبھی خزاں نہیں، وہ ایک نکتہ کی بات کہتے ہیں، وہ مسلمان عورت سے کہتے ہیں کہ تیری صحیح جگہ زندگی کا شور وہنگامہ نہیں اگر تو نے مرد کے دوش بدوش کھانے کمانے میں سرگرمی دکھائی تو تو ملت سے بے وفائی اور اپنے ساتھ ناانصافی کرے گی، تیرا فرض اور تیری سعادت تو یہ ہے کہ تو جگر گوشۂ رسولؐ زہرا بتولؓ کی طرح شوہر کے گھر کو آباد کر، اور اسکو اپنی توجہ اور دلچسپی کا مرکز بنا اور وہاں بیٹھ کر ایسے فرزند کی پرورش کر جو مسلمانوں کی مشکل آسان کرے اور ملت پر قربان ہو جائے، آج اسلام کو حسنؓ حسینؓ جیسے فرزندوں کی ضرورت ہے اور یہ دولت مسلمان ماؤں ہی سے مل سکتی ہے۔

اگر پندے درویشے پزیری　　ہزار امت بیرو تو نہ میری

بتولےؓ باش و پنہاں شو ازیں عصر　　کہ در آغوش شبیرےؓ بگیری

اقبال کا عقیدہ ہے کہ مسلمانوں کے دن بدلنے اور نئے دور کے لانے میں مسلمان عورت بہت بڑا حصہ لے سکتی ہے، اللہ نے اس کو ایسا قوی ایمان، ایسا دردمند دل، ایسی پرسوز آواز، ایسی پاک فطرت عطا فرمائی ہے کہ آج بھی مسلمان کے دل و دماغ میں وہ ایمان کی چنگاری روشن کر سکتی ہے، ان کو اسلامی تاریخ کا یہ واقعہ نہیں بھولتا اور وہ چاہتے ہیں کہ اس کو ہر مسلمان عورت یاد رکھے کہ ایک پاک باطن عورت کے قرآن پڑھنے نے اپنے زمانے کے مضبوط ترین انسان کے دل میں ہل چل پیدا کر دی تھی اور ان کے منکروں کو اسلام کے نور اور ایمان کی حرارت سے بھر دیا تھا اور امت اسلامیہ کو حضرت عمرؓ جیسا

صاحب ایمان، صاحب عزم اور فاتح عالم عطا کیا جس سے اسلام کی ترقی اور قوت کا ایک نیا دور شروع ہوا اور رسول ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں، یوں جاننے کو سب جانتے ہیں، اور پڑھنے کو سب نے پڑھا ہے کہ حضرت عمرؓ جب شمشیر بکف اسلام کے خاتمہ کے لئے نکلے اور پہلے اپنی فاطمہ بنت خطاب کے گھر گئے تاکہ اپنے گھر سے اس کام کا آغاز کریں اور اپنی بہن اور بہنوئی کو اسلام قبول کرنے کی سزا دیں تو ان کی بہن کے قرآن پڑھنے کی آواز نے ان کے دل کو موم کر لیا اور اسلام ان کے دل میں اتر گیا، اقبال چاہتے ہیں کہ مسلمان عورت درد و سوز اور تسخیر و تاثر کی اس قوت کو پہچانے اور اس سے پھر دنیا کے انقلاب کا کام لے، مسلمان عورت کو خطاب کر کے کہتے ہیں کہ خدا کے لئے ہماری شام غریبی کو پھر صبح امید سے بدل دے اور قرآن پھر اہل نظر کو پڑھ کر سنا، تجھے معلوم ہے کہ تیری قرأت کے سوز نے عمرؓ کی تقدیر کو بدل دیا اور پھر اس سے دنیا کی تقدیر جس طرح بدلی اس کو سارا عالم جانتا ہے۔

زشام ما بروں آور سحر را — بہ قرآں باز خواں اہل نظر را
تو می دانی کہ سوز قرأت تو — دگرگوں کرد تقدیر عمرؓ را (۱)

عورت اقبال کے کلام میں

جدید اردو شاعری میں غالباً حالؔی و اقبالؔ ہی دو ایسے شاعر ہیں، جن کے یہاں غزلوں میں صنفی آلودگی، عریانیت، اور سطحیت نہیں ملتی، بلکہ اس کے برخلاف عورت کے مقام و احترام اور اس کی حیثیت عرفی کو بحال کرنے میں ان دونوں کا بڑا ہاتھ نظر آتا ہے۔

---

(۱) ماخوذ: خاص نمبر "رضوان" نومبر و دسمبر ۱۹۵۹ء

اقبال عورتوں کے لئے وہی طرز حیات پسند کرتے تھے، جو صدر اسلام میں پایا جاتا تھا، جس میں عورتیں مروجہ برقع کے نہ ہوتے ہوئے بھی شرم و حیا، اور احساس عفت و عصمت میں آج سے کہیں زیادہ آگے تھیں، اور شرعی پردے کے اہتمام کے ساتھ ساتھ زندگی کی تمام سرگرمیوں میں حصہ لیتی تھیں۔

۱۹۱۲ء میں طرابلس کی جنگ میں جب ان کو اس کا ایک نمونہ دیکھنے کو ملا یعنی ایک عرب لڑکی فاطمہ بنت عبداللہ غازیوں کو پانی پلاتے ہوئے شہید ہوئی تو انھوں نے اس کا زوردار ماتم کیا:-

فاطمہ! تو آبروئے امتِ مرحوم ہے — ذرہ ذرہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے
یہ سعادت حورِ صحرائی تری قسمت میں تھی — غازیانِ دیں کی سقائی تری قسمت میں تھی
یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر — ہے جسارت آفریں شوقِ شہادت کس قدر
یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی — ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی
اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں — بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں
فاطمہ! گو شبنم افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے — نغمۂ عشرت بھی اپنے نالۂ ماتم میں ہے
رقص تیری خاک کا کتنا نشاط انگیز ہے — ذرہ ذرہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے
ہے کوئی ہنگامہ تیری تربتِ خاموش میں — پل رہی ہے ایک قوم تازہ اس آغوش میں

انھیں ہنر ورانِ ہند اور ایسے تمام فن کاروں سے شکایت تھی، جو عورت کے نام کا غلط استعمال کر کے ادب کی پاکیزگی، بلندی اور مقصدیت کو صدمہ پہنچاتے ہیں، وہ اپنی ایک نظم میں کہتے ہیں:-

چشمِ آدم سے چھپاتے ہیں مقاماتِ بلند — کرتے ہیں روح کو خوابیدہ بدن کو بیدار
ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس — آہ بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

وہ ''دخترانِ ملت'' سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسلمان خاتون کے لئے دلبری اور بناؤ سنگار ایک معنی میں کفر ہے، بلکہ انھیں تو اپنی شخصیت، انقلابی فطرت اور پاکیزہ نگاہی سے باطل کی امیدوں پر پانی پھیر دینا چاہئے:-

بہل اے دختر ایں دلبری ہا　　مسلماں را نہ زیبد کافری ہا

منہ دل بر جمالِ غازہ پرور　　بیاموز از نگہ غارت گری ہا

وہ کہتے ہیں کہ مسلمان عورت کو پردہ کے اہتمام کے ساتھ بھی معاشرہ اور زندگی میں اس طرح رہنا چاہئے کہ اس کے نیک اثرات معاشرہ پر مرتب ہوں اور اس کے پرتو سے حریم کائنات اس طرح روشن رہے، جس طرح ذات باری کی تجلی حجاب کے باوجود کائنات پر پڑ رہی ہے ۔

ضمیر عصر حاضر بے نقاب ست　　کشادش در نمود رنگ آب ست

جہاں تابی زنور حق بیاموز　　کہ او با صد تجلی در حجاب ست

وہ دنیا کی سرگرمیوں کی اصل ماؤں کی ذات کو قرار دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ان کی ذات امینِ ممکنات ہے، اور انقلاب انگیز مضمرات کی حامل اور جو قومیں ماؤں کی قدر نہیں کرتیں ان کا نظام زندگی سنبھل نہیں سکتا ۔

جہاں را محکمی از امہات ست　　نہادِ شاں امینِ ممکنات ست

اگر ایں نکتہ را قومے نداند　　نظام کاروبارش بے ثبات ست

وہ اپنی صلاحیتوں اور کارناموں کو اپنی والدہ محترمہ کا فیض نظر بتاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ آداب و اخلاق تعلیم گاہوں سے نہیں ماؤں کی گود سے حاصل ہوتے ہیں ۔

مرا داد ایں خرد پرور جنونے　　نگاہ مادرِ پاک اندرونے

ز مکتب چشم و دل نتواں گرفتن　　کہ مکتب نیست جز سحر و فسونے

وہ قوموں کی تاریخ اور ان کے ماضی و حال کو ان کی ماؤں کا فیض قرار دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ماؤں کی پیشانیوں پر جو لکھا ہوتا ہے وہی قوم کی تقدیر ہوتی ہے ۔

خنک آن ملتے کزوار داتش　　قیامت ہابہ بلند کائناتش

چہ پیش آید چہ پیش افتاد اورا　　تواں دیداز جبینِ امہاتش

وہ ملت کی خواتین کو دعوت دیتے ہیں کہ ملت کی تقدیر سازی کا کام کریں، اور ملت کی شام الم کو صبح بہار سے بدل دیں اور وہ اس طرح کہ گھروں میں قرآن کا فیض عام کریں، جیسے حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ نے اپنی قرآن خوانی سے ان کی تقدیر بدل دی اور اپنے لحن ولہجہ کے سوز و ساز سے ان کے دل کو گداز کر دیا تھا ۔

زشام مابروں آور سحر را　　بہ قرآں باز خواں اہل نظر را

توی دانی کہ سوز قرأت تو　　دگرگوں کرد تقدیر عمرؓ را

اقبال معاشرتی اور عائلی زندگی میں ماں کے مرکزی مقام کے قائل ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ خاندانی نظام میں جذبہ امومت اصل کا حکم رکھتا ہے، اور اسی کے فیض سے نسل انسانیت کا باغ لہلہاتا رہتا ہے، ان کا خیال ہے کہ جس طرح گھر سے باہر کی زندگی میں مردوں کو فوقیت ...... حاصل ہے، اسی طرح گھر کے اندر کی سرگرمیوں میں عورت اور خصوصاً ماں کی اہمیت ہے، اس لئے کہ اس کے ذمہ نئی نسل کی داشت و پرداخت اور دیکھ بھال ہوتی ہے، انسان کا پہلا مدرسہ ماں کی گود ہوتی ہے، ماں جتنی مہذب شائستہ اور بلند خیال ہوگی بچے پر بھی اتنے ہی یہ اثرات مرتب ہوں گے، اور ایک اچھی اور قابل فخر نسل تربیت پا سکے گی ۔

وہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آداب فرزندی

اقبال کی نظر میں عورت کا شرف و امتیاز اس کے ماں ہونے کی وجہ سے ہے، جو قومیں امومت (حق مادری) کے آداب نہیں بجالاتیں تو ان کا نظام ناپائدار اور بے اساس ہو تا ہے، اور خاندانی امن و سکون درہم برہم ہو جاتا ہے افراد خاندان کا باہمی اتحاد و اعتماد ختم ہو جاتا ہے، چھوٹے بڑے کی تمیز اٹھ جاتی ہے، اور بالآخر اقدار عالیہ اور اخلاقی خوبیاں دم توڑ دیتی ہیں، ان کے خیال میں مغرب کا اخلاقی بحران اسی لئے رونما ہوا کہ وہاں ماں کا احترام اور صنفی پاکیزگی ختم ہو گئی ہے۔

وہ آزادی نسواں کی تحریک کے اسی لئے حامی نہیں کہ اس کا نتیجہ دوسرے انداز میں عورتوں کی غلامی ہے، اس سے ان کی مشکلات آسان نہیں اور پیچیدہ ہو جائیں گی، اور انسانیت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہو گا کہ جذبۂ امومت ختم ہو جائے گا ماں کی ممتا کی روایت کمزور پڑ جائے گی، اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ جس علم سے عورت اپنی خصوصیات کھو دیتی ہے، وہ علم نہیں، بلکہ موت ہے، اور فرنگی تہذیب قوموں کو اسی موت کی دعوت دے رہی ہے۔

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگِ امومت — ہے حضرتِ انساں کے لئے اسکا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن — کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن — ہے عشق و محبت کے لئے علم و ہنر موت
علم او بارِ اموت بر نتافت — بر سر شاخش یکے اختر نتافت
ایں گل از بستانِ ما نارستہ بہ — داغش از دامانِ ملت شستہ بہ

اقبال کے خیال میں آزادیٔ نسواں ہو یا آزادی رجال یہ دونوں کوئی معنی نہیں رکھتے، بلکہ مرد و زن کا ربط، باہمی ایثار، اور تعاون ایک دوسرے کے لئے ضروری ہے، زندگی کا بوجھ ان دونوں کو مل کر اٹھانا اور زندگی کو آگے بڑھانا ہے، ایک دوسرے

سے عدم تعاون کے سبب زندگی کا کام ادھورا اور اس کی رونق پھیکی ہو جائے گی، اور بالآخر یہ نوعِ انسانی کا نقصان ہو گا۔

مرد و زن وابستۂ یک دیگر اند   کائنات شوق را صورت گر اند
زن نگہ دارندۂ نارِ حیات   فطرت او لوحِ اسرار حیات
آتش ما را بجانِ خود زند   جوہر او خاک را آدم کند
در ضمیرش ممکناتِ زندگی   از تب و تابش ثباتِ زندگی
ارجِ ما ازار جمندی ہائے او   باہمہ از نقشبندی ہائے او

اقبال فرماتے ہیں کہ عورت اگر علم وادب کی کوئی بڑی خدمت انجام نہ دے سکے تب بھی صرف اس کی مامتاہی قابل قدر ہے، جس کے طفیل مشاہیر عالم پروان چڑھتے ہیں، اور دنیا کا کوئی انسان و نہیں، جو اس کا ممنون احسان نہیں ؎

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ   اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
شرف میں بڑھکر ثریا سے مشت خاک اسکی   کہ ہر شرف ہے اسی درج کا درِ مکنوں
مکالماتِ فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن   اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں!

آزادیٔ نسواں کی تحریک سے مرد و زن کا رشتہ جس طرح کٹا اور اس کے جو برے نتائج سامنے آئے اقبال کی نظر میں اسی کی ذمہ دار مغربی تہذیب ہے "مردِ فرنگ" کے عنوان سے کہتے ہیں ؎

ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا   مگر یہ مسئلہ زن رہا وہیں کا وہیں
قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں   گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مہ و پرویں
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور   کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں
کوئی پوچھے حکیم یورپ سے   ہند و یوناں ہیں جس کے حلقہ بگوش

کیا یہی ہے معاشرت کا کمال　　مرد بیکار و زن تہی آغوش

اقبال پردے کی حمایت میں کہتے ہیں کہ پردہ عورت کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں، وہ پردے میں رہ کر تمام جائز سرگرمیوں میں حصہ لے سکتی ہے، اور اپنے فرائض کی انجام دہی کر سکتی ہے، کیونکہ خالق کائنات پس پردہ ہی کارگاہ عالم کو چلا رہا ہے، اس کی ذات گو حجاب قدس میں ہے، لیکن اسکی صفات، پرچھائیاں بحر و بر پر پھیلی ہوئی ہیں، مولانا آسی نے خوب کہا ہے:۔

بے حجابی یہ کہ ہر شے سے ہے جلوہ آشکار
اس پر پردہ یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

اقبال عورت کو خطاب کرتے ہیں ۔

جہاں تابی ز نور حق بیاموز
کہ او باصد تجلی در حجاب است

وہ پردہ کے مخالفوں کے جواب میں کہتے ہیں کہ پردہ جسم کا حجاب ہے، لیکن اسے عورت کی بلند صفات اور پنہاں امکانات کے لئے رکاوٹ کیسے کہا جا سکتا ہے اصل سوال یہ نہیں ہے کہ چہرے پر پردہ ہو یا نہ ہو، بلکہ یہ ہے کہ شخصیت، اور حقیقت ذات پر پردے نہ پڑے ہوں، اور انسان کی خودی بیدار اور آشکار ہو چکی ہو ۔

بہت رنگ بدلے سپہر بریں نے　　خدایا یہ دنیا جہاں تھی وہیں ہے
تفاوت نہ دیکھا زن و شو میں میں نے　　وہ خلوت نشیں ہے یہ جلوت نشیں ہے
ابھی تک ہے پردے میں اولادِ آدم　　کسی کی خودی آشکارا نہیں ہے

پردے کی حمایت و تائید میں اقبال نے "خلوت" کے عنوان سے ایک نظم کہی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ پردہ کی وجہ سے عورت کو یکسو ہو کر اپنی صلاحیتوں کو نسلوں

کی تربیت پر صرف کرنے اور اپنی ذات کے امکانات کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے، اس کے ساتھ ہی اسے سماجی خرابیوں سے الگ رہ کر اپنے گھر اور خاندان کی تعمیر کا سامان میسر آتا ہے، گھر کے پر سکون ماحول کے اندر اسے زندگی کے مسائل اور معاشرتی موضوعات کو سوچنے سمجھنے کی آسانیاں ملتی ہیں، اور اس طرح وہ اپنے اور دوسروں کے لئے بہتر کارگزاری کر سکتی ہے۔

روشن ہے نگہ آئینہ دل ہے مکدر رسوا کیا اس دور کو جلوت کی ہوس نے
ہوجاتے ہیں افکار پراگندہ وابتر بڑھ جاتا ہے جب ذوق نظر اپنی حدوں سے
وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر آغوش صدف جسکے نصیبوں میں نہیں ہے

خلوت میں خودی ہوتی ہے خودگیر ولیکن
خلوت نہیں اب دیر وحرم میں بھی میسر

ایک بڑا معاشرتی سوال یہ رہا ہے کہ مردوزن کے تعلق میں بالادستی (UPPER HAND) کسے حاصل ہو اس لئے کہ دنیا کا کوئی بھی تعلق ہو اس میں کوئی ایک فریق شریک غالب کی حیثیت ضرور رکھتا ہے، اور یہ اس کائناتی حقیقت پر مبنی ہے کہ ہر شے اور ہر انسان ایک دوسرے کا محتاج ہے اور ہر ایک، ایک دوسرے کی تکمیل کرتا ہے خصوصاً مردوزن کے تعلقات میں چند چیزوں میں مرد کو عورت پر فضیلت اور اولیت حاصل ہے، اور یہ بھی کسی نسلی اور صنفی تفریق کی بنا پر نہیں بلکہ خود عورت کے حیاتیاتی، عضویاتی فرق اور فطرت کے لحاظ کے ساتھ اس کے حقوق ومصالح کی رعایت کے پیش نظر ہے...... نگرانی اور "قوامیت" ایسی چیز نہیں جو مرداور عورت دونوں کے سپرد کردی جاتی یا عورت کو دیدی جاتی، اقبال نے مغرب کے نام نہاد "آزادی نسواں" کی پروا کئے بغیر عورت کے بارے میں اسلامی تعلیمات کی پرزور وکالت کی اور عورت کی حفاظت

کے عنوان سے کہا ۔

اک زندہ حقیقت میرے سینے میں ہے مستور — کیا سمجھے گا وہ جسکی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پردہ نہ تعلیم، نئی ہو کہ پرانی — نسوانیت زن کا نگہبان ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا — اس قوم کا خورشید بہت جلد ہو ازرد

یہ نظم درحقیقت حدیث شریف "**لن یفلح قوم ولّوا علیھم امرأۃ**" کی ترجمانی ہے، انہوں نے اپنی دوسری نظم میں فرمایا ۔

جوہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منتِ غیر — غیر کے ہاتھ میں ہے جوہرِ عورت کی نمود
راز ہے اس کے تپ غم کا یہی نکتۂ شوق — آتشیں لذتِ تخلیق سے ہے اس کا وجود
کھلتے جاتے ہیں اسی آگ سے اسرار حیات — گرم اسی آگ سے ہے معرکۂ بود و نبود
میں بھی مظلومیٔ نسواں سے ہوں غمناک بہت — نہیں ممکن مگر اس عقدۂ مشکل کی کشود

اقبال نے اس حدیث کا بھی حوالہ دیا ہے کہ "جنت" ماؤں کے قدموں تلے ہے، انہوں نے امومت کو رحمت کہا ہے، اور اسے نبوت سے تشبیہ دی ہے، ماں کی شفقت کو وہ پیغمبر کی شفقت کے قریب کہتے ہیں، اس لئے کہ اس سے بھی اقوام کی سیرت سازی ہوتی ہے، اور ایک ملت وجود میں آتی ہے :-

آں یکے شمع شبستانِ حرم — حافظ جمعیت خیر الامم
سیرت فرزندہا از امہات — جوہر صدق وصفا از امہات
آنکہ نازد بر وجودش کائنات — ذکر او فرمود باطیب وصلوٰۃ
گفت آں مقصودِ حرف کن فکاں — زیر پائے امہات آمد جناں
نیک اگر بینی امومت رحمت ست — زانکہ اورا با نبوت نسبت ست
شفقتِ او شفقت پیغمبر است — سیرت اقوام را صورت گر است

از امومت پختہ تعمیر ما — در خط سیمائے او تقدیر ما

آب بند کل جمعیت توئی — حافظِ سرمایۂ ملت توئی

ہوشیار از دست بردروزگار — گیر فرزندانِ خود را در کنار

آخر میں یہ بتادینا ضروری ہے کہ اقبال حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو ملت اسلامیہ کی ماؤں کے لئے مثالی خاتون سمجھتے ہیں، اور جگہ جگہ ان کی اتباع کی تاکید کرتے ہیں، کہ وہ کس طرح چکی پیستے ہوئے بھی قرآن پڑھتی رہتی تھیں اور گھریلو کاموں میں مشکیزہ تک اٹھانے پر صبر فرماتی تھیں، اقبال کے خیال میں سیرت کی اسی پختگی سے حضرات حسنینؓ ان کی آغوش سے نکلے۔

مزرع تسلیم را حاصل بتولؓ — مادراں را اسوہ کامل بتولؓ

آں ادب پروردہ صبر و رضا — آسیا گرداں ولب قرآں سرا

فطرتِ تو جذبہ ہادارو بلند — چشم ہوش از اسوہ زہراؓ مبند

تاحسینؓ شاخ تو بار آورد — موسم پیشیں بہ گلزار آورد!

وہ مسلمان خاتون کو وصیت کرتے ہیں کہ:-

اگر پندے زدر ویشے پزیری — ہزار امت بمیرد تو نہ میری(۱)

اللہ تعالی نے آپ کو بہت موقع دیا ہے ملت کی خدمت کا وہ موقع دیا جو دوسرے بہت سے طبقوں کو نہیں ملتا، علامہ اقبال نے کہا گھر میں بیٹھو اور ایک شبیر کو پالو۔

بتولے باش پنہاں شوازیں عصر

کہ در آغوش شبیرے بگیری

حسینؓ جیسا اولوالعزم، حسینؓ جیسا مجاہد، حسینؓ جیسا مرد میداں پیدا کرو، اور کہا، چکی چلاتا، اور

---

(۱) ماخوذ: نقوش اقبال ص: ۳۱۰ تا ۳۱۹۔

اللہ کا نام لینا کہ ہاتھ سے چکی چلائی جائیگی اور زبان سے اللہ کا نام لیا جائے گا...... یہ خصوصیت ہے مسلمان عورت کی کہ گھر میں چاہے اس کی زندگی کیسی ہی ہو، عسرت کی زندگی ہو، خدمت کی زندگی ہو، محنت کی زندگی ہو، سادگی کی زندگی ہو لیکن ہر حال میں خوش اور راضی اور اللہ کا نام لے رہی ہو، اور ملت کی خدمت میں اور خاندان کی خدمت میں، اپنے گھر میں اور اس کو ترقی دینے میں مشغول ہو۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمان گھروں میں ایسی بچیاں پیدا فرمائے جو اچھی مائیں، اور اچھی بہنیں اور اچھی بیٹیاں اور ملت کی خدمت گذار ذاکرات، شاکرات، مومنات اور صالحات، قانتات اور طیبات ہوں، یہ سب اللہ تعالیٰ نے مسلمان بیبیوں کی تعریف میں بہت سے الفاظ فرمائے ہیں۔ مومنات کو قانتات کہا، صالحات کہا ہے، طیبات کہا ہے، الطیبات للطیبین والطیبون للطیبات، یہ سب قرآنی الفاظ ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا مستحق بنائے اور آپ حقیقی معنی میں اس کا مصداق بنیں (۱)۔

◆ ◆ ◆

(۱) ماخوذ از تعمیر حیات ۵ مئی ۱۹۷۵ء

معاشرتِ انسانی بلکہ حیاتِ انسانی
مرکب ہے مرد و عورت سے

معاشرتِ انسانی بلکہ حیات انسانی مرکّب ہے مرد و عورت سے

رحمت خداوندی مرد و عورت پر عام ہے

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُکُمْ مِّنْ بَعْضٍ.

(آل عمران-۱۹۵)

سو ان کی دعا کو ان کے پروردگار نے قبول کر لیا اس لئے کہ میں تم میں کسی عمل کرنے والے کے (خواہ) مرد ہو یا عورت عمل کو ضائع نہیں ہونے دیتا، تم آپس میں ایک دوسرے کے جزء ہو۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے اہل ایمان کی دعاؤں کا تذکرہ کیا ہے، ان اہل ایمان نے خوب دل کھول کر دعائیں کیں، معمولی دعائیں نہیں تھیں، بڑی مومنانہ دعائیں، بڑی مبصرانہ دعائیں، بڑی مردانہ دعائیں! مردانہ لفظ میں نے جان بوجھ کر استعمال کیا ہے "رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ آمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَآمَنَّا". ایک مردانہ دعا ہے، رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَکَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ، رَبَّنَا وَآتِنَا مَاوَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِنَّكَ لَاتُخْلِفُ الْمِیْعَادُ". ایک بلند ہمتی کی دعائیں تھیں۔ انہوں نے ایک بات اور کہی تھی "ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان" ہم

نے ایک پکارنے والے کو، تیرے ایک منادی کو پکارتے ہوئے سنا کہ **"آمنوا بربکم** (اپنے رب پر ایمان لاؤ) **"فآمنا"**(ہم ایمان لائے)" **وکفرعنا سیئاتنا** (ہمارے گناہوں کو معاف کر اور ہمارے گناہوں سے در گزر کر۔

ظاہر ہے کہ ان دعاؤں میں ذہن مردوں ہی کی طرف ہو جائے گا منادی اور قبول کرنے والے مرد، اور میں یہ کہوں کہ پیش پیش رہنے والے اور اس کو مردانہ وار لبیک کہنے والے مرد تھے تو یہ بھی صحیح ہے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ جب اجر کا اور دعاؤں کی قبولیت کا ذکر کرتا ہے تو مردوں کے ساتھ، حالانکہ وہاں پر کوئی سیاق وسباق اور قرینہ نہیں ہے، خاص طور سے عورتوں کا ذکر کرتا ہے، دوسری جنس، جنس لطیف کا بھی ذکر کرتا ہے **"فاستجاب لهم ربهم"** دعا کرنے والے مرد ہیں اور فرماتا ہے اللہ نے ان کی دعا قبول کی۔

یہاں پر کوئی ادیب ہوتا، کوئی انشاء پرداز ہوتا، کوئی مقنن ہوتا، کوئی ماہر نفسیات ہوتا، کوئی بڑا عورتوں کی آزادی کا حامی اور محرک ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ وہ یہاں پر عورتوں کو فراموش کر دیتا کیا موقع تھا کیا ذکر تھا، ساری دعائیں مردوں کی اور سارے کاموں میں مرد ہی پیش پیش تھے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت دیکھئے وہ خالق ذکور واناث دونوں جنسوں کا خالق ہے، دونوں پر اس کی یکساں شفقت کی نظر ہے، وہ رب العالمین ہے۔ فرماتا ہے **"فاستجاب لهم ربهم انی لا اضیع عمل عامل منکم"** ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول کی اور جواب دیا کسی کام کرنے والے کے کام کو ضائع نہیں کرتا عامل کا لفظ تذکیر کا ہے، یہاں تک مردوں ہی کا ذکر تھا **"لا اضیع عمل عامل منکم"** میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو، کسی محنت کرنے والے کی محنت کو، کسی کوشش کرنے والے کی کوشش کو، کسی قربانی دینے والے کی قربانی کو، ضائع نہیں کرتا۔

"من ذکرا وانثی" یہاں پر ایک دم سے عورتوں کو یاد فرمایا اور ان کو شرف بخشا، وہ عمل کرنے والا، وہ دعا کرنے والا چاہے مرد ہو یا عورت۔

رحمت الٰہی اور بخشش الٰہی میں مساوات کامل ہے

میں اس کو پورے وثوق کے ساتھ اور خم ٹھونک کر کہتا ہوں اور کسی چیز میں مساوات ہو یا نہ ہو اور بعض چیزوں میں مساوات، اسلامی شریعت سے تحفظ، اور فطرت انسانی کی معرفت پر مبنی بسیرت سے کام لیتی ہے لیکن ایک چیز ڈنکے کی چوٹ پر کہی جا سکتی ہے کہ رحمت الٰہی اور بخشش الٰہی میں مساوات کامل ہے اس میں کوئی تحفظ نہیں ہے، کسی قسم کا ریزرویشن نہیں کسی قسم کا امتیاز نہیں اور اس کی دلیل یہ آیت ہے "**فاستجاب لھم ربھم**" پورا سیاق و سباق دیکھیے تو آنکھیں کھل جائیں گی اور اعجاز قرآنی سے بڑھ کر رحمت یزدانی کا آدمی قائل ہو جائے گا اور کوئی جھوم اٹھے اور کسی پر وجد کی کیفیت طاری ہو جائے اور خاص طور پر میں اپنی عزیز بہنوں سے کہتا ہوں، اگر ان پر وجد کی کیفیت طاری ہو جائے اور اگر کسی بڑے شکر کی حالت میں مدہوشی کی حالت طاری ہو جائے اور اس کے رونگٹے رونگٹے سے شکر کے ترانے نکلیں بلکہ ابلیں تو بھی بالکل بجا ہے اور برمحل ہے یہاں پر کوئی موقع نہ تھا مردوں نے بھی (اللہ ان کو معاف کرے) اپنی دعاؤں میں اپنی بہنوں کا تذکرہ نہیں کیا تھا، اپنی ماؤں تک کا تذکرہ نہیں کیا تھا، حالانکہ ماں تو ماں ہی ہے، انہوں نے دعا اپنے لئے کی تھی ساری ضمیریں مذکر کی، لیکن اس رب العالمین کی رب العالمینی دیکھیے اور اس کی رحمۃ للعالمینی دیکھیے فرماتا ہے "**فاستجاب لھم ربھم انی لاأضیع عمل عامل منکم من ذکرا وانثی** اور پھر اس کے بعد مہر لگاتا ہے

"بعضکم من بعض" تم بھول کیوں گئے تھے یعنی گویا تنبیہ کی گئی ان دعا کرنے والے مردوں کو کہ تم اپنے جسم کے اتنے بڑے حصہ کو حیات انسانی کے ایک اتنے اہم عنصر کو بھول کیوں گئے تھے؟ بلکہ اپنے لئے شرط حیات کو بھول گئے تھے، تو تم بھولے ہم نہیں بھولے، تم سو بار بھولو، ہزار بار بھولو لیکن ہم بھولنے والے نہیں ہیں۔"فی کتاب لایضل ربی ولا ینسی" حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا تو ان کے رب العزت نے جواب دیا"انی لا اضیع عمل عامل منکم" میں تم سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع کرنے والا نہیں ہوں بغیر سیاق و سباق کے فرماتا ہے من ذکرا وانثیٰ چاہے وہ عمل کرنے والا مرد ہو یا عورت، کیا تعجب کی بات ہے؟ تم ہو ہی ایک دوسرے سے تم ایک دوسرے سے مستغنی نہیں، معاشرت انسانی بلکہ حیات انسانی مرکب ہے ان دونوں عنصروں سے، ان کا انفصال ہو ہی نہیں سکتا ہے۔

عمل کا نتیجہ دنیا میں بھی نکلے گا اور آخرت میں بھی

جب میرا ذہن اس آیت کی طرف گیا تو معانی اور مضامین کا ایک عالم سامنے آگیا کہ لا اضیع کی وسعت اور اس کے بے پایانی دیکھئے کہ اس نے یہاں پر **لا اضیع عمل عامل منکم** فرمایا، میں تم سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا، عربی کا لفظ اضاعت کا استعمال ہوا ہے یعنی اس کوشش کا نتیجہ یہاں دنیا میں بھی ظاہر ہوگا اور آخرت میں بھی ہوگا، یہ آیت دنیا و آخرت دونوں پر حاوی ہے، آیت یہ نہیں کہتی کہ عورتیں عبادت کر کے دنیا میں تو کوئی نتیجہ نہ پائیں گی محنت کریں عمل کے لئے اور عمل حاصل نہیں ہوگا، محنت کریں تربیت میں اور اس کا نتیجہ حاصل نہیں ہوگا، محنت

کریں زندگی کو پر لطف، بامعنی اور بارونق بنانے کی اور اس کا نتیجہ نہ نکلے اور سارا اجر آخرت کے لئے اٹھار کھا جائے بلکہ جس میدان میں تم دونوں محنت کروگے اس میں انہی کوششوں کا نتیجہ دیکھوگے۔

عورتیں ولایت کے میدان میں بھی پیچھے نہیں

اس کا پورا امکان تھا کہ ولایت کے میدان پر پوری اجارہ داری مردوں کی ہوتی اس لئے کہ ولایت کا میدان، قبولیت عند اللہ کا میدان بڑی خصوصیات کا طالب ہے اور اس کو مردوں سے کچھ مناسبت ہے، مجاہدہ کرنا، جہاد کرنا، رات رات بھر نمازیں پڑھنا، روزے رکھنا اور یہ مردوں کے لئے آسان ہے۔

عورتوں کی بہت سی صنفی خصوصیات ہیں، بہت سی خانگی ذمہ داریاں ہیں تربیت وپرورش کی، کسی بچہ کو اپنے ساتھ سلانا ہے، بچہ کو میٹھی نیند سلانا ہے، بچہ کی بیماری میں تیمارداری کرنی ہے اس کے لئے اتنی عبادت ممکن کہاں ہے جتنی مرد کے لئے وہ مسجد سے آیا اور سو گیا یا مسجد میں جا کر سو گیا، رات بھر عبادت کرے، ولایت کے سلسلہ میں بالکل امکان تھا کہ ہم مرد اولیاء اللہ سے واقف ہوتے اور ایک عورت کا نام بھی سنا نہ ہوتا، اگر سیدنا عبد القادر جیلانی کی بلند آوازیں اور ان کی قبولیت عام اور ان کی مقبولیت عند اللہ اور مقبولیت عند الخلق اور ان کی ولایت کا جو شہرہ دنیا میں ہے جب کہ پچھلی امتوں میں سے کسی ولی کا نام تو محفوظ نہیں ہے اور اگر سیدنا عبد القادر جیلانی کو سوگنا شہرت حاصل ہے تو میں عرض کروں گا اور اس میں گستاخی نہیں سمجھتا ہوں کہ پچاس درجہ کی شہرت رابعہ بصریہ کو بھی حاصل ہے اور آپ کسی کوردہ سے کوردہ مقام

پر چلے جایئے مولانا عبدالقادر جیلانی کو بچہ بچہ جانتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

دنیا کے کونے کونے میں جا کر دیکھا ہے جہاں چار مسلمان رہتے ہیں وہاں سیدنا عبدالقادر جیلانی کا نام کسی طریقہ سے خواہ اس پر شریعت کی رو سے کوئی پابندی عائد کی جائے اور اس پر کلام کیا جائے مگر مختلف ناموں سے ان کو دنیا میں یاد کیا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں دوسرے نمبر پر رابعہ بصریہ کا بھی یہی حال ہے اور ہر پڑھا لکھا آدمی کم از کم رابعہ بصریہ سے تو ضرور واقف ہے یہ بات عبادت وریاضت کی ہے (۱)۔

عورت اسلام کے معاشرتی وخاندانی نظام اور ملی تشخص کی پاسبان ہے

معزز خواتین اور عزیز بہنو! اسلام کی شروع تاریخ سے اسلام کو ایک قابل عمل نظام کی طرح دنیا میں کامیاب ثابت کرنے، اس کا عملی مظاہرہ (DEMON STRATION) کرنے میں عورتوں کا جو ہاتھ رہا ہے، اس کو بھلایا نہیں جاسکتا، کوئی مذہب، کوئی نظام اور خاص طور پر کوئی معاشرہ (SOCIETY) اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا اور زیادہ دنوں تک باقی نہیں رہ سکتا، جب تک طبقۂ نسواں اس میں پورے طور پر اپنی دل چسپی کا اظہار نہ کرے اور اس سے اپنی وفاداری اور اس سے وابستگی کا ثبوت نہ دے، یہ نہ صرف تاریخ اسلام کا بلکہ دنیا کی عام تاریخ کا ایک بڑا سوالیہ نشان ہے، کہ

---

(۱) ماخوذ: تعمیر حیات ۱۰ ار فروری ۱۹۸۱ء

اسلامی معاشرہ اتنے دنوں تک اپنی خصوصیات کے ساتھ کیسے قائم رہ سکا، جب کہ اس کا مقابلہ دنیا کی مختلف تہذیبوں بڑے ترقی یافتہ تمدنوں اور بڑے ترقی یافتہ اور وسیع قوانین (رومن لا، پرشین لا اور ہندو لا) سے رہا ہے، عربوں کی محدود زندگی اور اسلام کی سادگی نے کیسے ان پر پیچ، ان ترقی یافتہ اور نازک قوانین اور ایسے معاشرتی نظام (SOCIAL SYSTOM) کا مقابلہ کیا جس پر صدیوں نہیں بلکہ ہزاروں برس کی ذہانتیں صرف ہوئیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اس دشوار اور نازک کام میں ہماری بہنوں نے پورا پورا کوآپریشن کیا اور تعاون کیا، امراء اور حکام، سلاطین اور بادشاہ، اسلامی فوجوں کے کمانڈر اسلامی سوسائٹی، اسلامی شخصیت اور اسلامی تہذیب و تمدن کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے، اگر خدا سے ڈرنے والی، شریف النفس، پختہ ایمان رکھنے والی خواتین، اسلامی تہذیب اور اسلامی تشخص (ISLAMIC IDENTITY) کی حفاظت اور اس کی بقا کے لئے مردوں کے ساتھ مکمل تعاون (CO. OPERATION) نہ کرتیں، اگر وہ اسلام کے خاندانی نظام اور اسلامی عائلی قانون (پرسنل لا) کے قیام اور ایسے اسلامی گھر کی تعمیر میں جو اسلامی تربیت کے زیر اثر پروان چڑھ رہا ہو اور جہاں پاکیزگی، محبت اور امن کی فضاء ہو، مردوں کا ہاتھ نہ بٹاتیں، اگر خدا کی باعزت، صالح اور نیک بندیاں جو اسلامی تشخص کی پاسبان ہیں، باعزت اور شریف مردوں کی مدد نہ کرتیں اور ان کو سہارا نہ دیتیں تو مسلمانوں کو اپنے اسلامی امتیاز اسلامی تہذیب و تمدن کے ساتھ باقی رہنا مشکل تھا، چاہے ان کی پشت پر بڑی بڑی مضبوط حکومتیں اور بڑی اعلیٰ اور ترقی یافتہ تہذیبیں ہوتیں، بہت بڑا وسیع نظام تعلیم ہوتا، اور دولت کے خزانے ہوتے، اسلامی معاشرہ اپنی خصوصیات کے ساتھ، خود اعتمادی اور احساس برتری کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا تھا، جب تک کہ بہنیں اپنے بھائیوں کا، اپنے والدین کا اور اسلامی سوسائٹی کی رہنمائی کرنے والوں کا ہاتھ نہ بٹاتیں اور

ان کا ساتھ نہ دیتیں، ان خواتین کا اسلامی تشخص کی حفاظت ہی میں نہیں اسلامی وجود کی بقا میں بھی ان کا ہاتھ ہے، ان کی وجہ سے مسلمان دنیا میں اپنی خصوصیات کے ساتھ باقی رہ گئے، دنیا کے مختلف ملکوں میں (جہاں کی تہذیب، جہاں کا تمدن، جہاں کے قوانین اور جہاں کا نظام معاشرت بالکل علیحدہ تھا) وہ اپنی خصوصیات اور مخصوص طرز زندگی کے ساتھ موجود ہیں، ان کے ایثار، قربانی اور جذبہ ایمانی کے نتیجہ میں یہ دین اپنی تہذیب وتمدن، اپنی معاشرت واخلاق، اپنے اقدار وتصورات (VALUES & IDEALS) کے ساتھ ہم تک صحیح وسالم پہنچ گیا (یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس کو میں نے بہت مختصر طریقہ پر بیان کیا ہے)(۱)۔

♦ ♦ ♦

---

(۱) ماخوذ: تعمیر حیات ۲۵/اپریل ۱۹۸۶ء

"إِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ، وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ، وَالْقَانِتِيْنَ وَالْقَانِتَاتِ، وَالصَّادِقِيْنَ وَالصَّادِقَاتِ، وَالصَّابِرِيْنَ وَالصَّابِرَاتِ، وَالْخَاشِعِيْنَ وَالْخَاشِعَاتِ، وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ، وَالصَّائِمِيْنَ وَالصَّائِمَاتِ، وَالْحَافِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْراً وَّالذَّاكِرَاتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَّاَجْراً عَظِيْماً.

"بے شک اسلام والے اور اسلام والیاں، اور ایمان والے اور ایمان والیاں، اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، اور صادق مرد اور صادق عورتیں، اور صابر مرد اور صابر عورتیں، اور خشوع والے اور خشوع والیاں، اور تصدیق کرنے والے اور تصدیق کرنے والیاں، اور روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے اور حفاظت کرنے والیاں، اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں۔ ان سب کے لئے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔"

قرآنِ کریم نے عورتوں کو کیا مرتبہ عطا کیا ہے

قرآنِ کریم نے عورتوں کو کیا مرتبہ عطا کیا ہے

قرآن مجید میں عورتوں کے نام سے مستقل ایک سورۃ

میری عزیز بہنو! اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ قرآن مجید کی بڑی سورتوں میں سے ایک سورۃ کا نام ہی عورتوں کے نام پر رکھا گیا ہے "سورۃ النساء" کیا ہندو مذہب کا کوئی جاننے والا بتائے گا کہ اس کے مذہب میں اور اس کی کسی مقدس کتاب میں عورت کے نام سے کوئی لیکھ ہو یا اس کے عنوان سے ذکر ہو، لیکن جہاں پر ایک سورہ بقرہ ہے، سورہ آل عمران اور پھر ساری سورتیں قراں مجید کی ہیں وہیں ایک سورۃ النساء بھی ہے اور پہلے دن سے اس وقت تک اس کا یہ نام چلا آرہا ہے اور یہ عورتوں کے لئے ہے، ترقی اور علم دین حاصل کرنے اور دین میں ترقی اور اس میں امتیاز پیدا کرنے اور اللہ تعالٰی کی رضامندی حاصل کرنے اور اس کے یہاں اونچا مقام حاصل کرنے اور اللہ کا مقبول بندہ اور بندی بننے کی پوری پوری صلاحیت اور پورے امکانات اور پہلی صدی سے لے کر اس وقت تک موجود ہیں اور آج بھی ایسا ہو سکتا ہے۔

قرآن مجید نے عورتوں کی اچھی زندگی کی ضمانت لی

اسی طرح وہ حیات طیبہ کے مواقع و وسائل عطا کرنے کے موقع پر بھی مردوں کے ساتھ عورتوں کو یاد رکھتا ہے، بلکہ اس کے لئے ضمانت دیتا ہے، اور اس کا

وعدہ کرتا ہے "حیات طیبہ" ایک جامع اور دور رس معانی پر مشتمل کلمہ ہے جو مثالی اور کامیاب زندگی کا مفہوم اور عزت و اطمینان کے غیر محدود معانی رکھتا ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ. (النحل-۹۷)	نیک عمل جو کوئی بھی کرے گا مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اسے ضرور ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے، اور ہم انھیں ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ضرور اجر دیں گے۔

من عمل صالحا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایک بہت بڑی بشارت سنائی ہے، جو اچھے کام کرے گا اور اس کی بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق ہوں کام اللہ کی منشاء کے مطابق ہو، اس کے رسول ﷺ کی منشاء و فرمان کے مطابق ہو اور دینی احکام کے مطابق ہو، پھر آخری آسمانی صحیفہ قرآن مجید کے مطابق ہوں تو ہم اس کی اچھی زندگی گزروائیں گے، اس میں دنیا کی زندگی بھی آجاتی ہے، یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اس میں صرف آخرت ہی کی بشارت دی گئی ہے، "حیٰوة طیبة" جو لوگ عربی جانتے ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہاں نکرہ کا لفظ ہے "الحیٰوة الطیبة" بھی نہیں کہا گیا ہے، "فلنحیینه حیوة طیبة" ہم ہر طرح کی اچھی زندگی اس کی گزروائیں گے، یہ ساری کوشش اس بات کی ہو رہی ہے، یہ دوڑ دھوپ، یہ محنتیں، اور یہ راتوں کا جاگنا، اور یہ کتابوں پر محنت کرنا، پرائمری سے لے کر یونیورسٹیوں تک پڑھنا پڑھانا، اور پھر اس کے بعد ڈگریاں حاصل کرنا، کوئی انجینیرنگ کا راستہ اختیار کرتا ہے اور کوئی ادب لٹریچر کا راستہ اختیار کرتا ہے، سب کا مشترک مقصد اور ہدف و نشانہ یہ ہے، کہ اچھی زندگی حاصل ہو۔

اور کیا آدمی چاہتا ہے کہ بڑی تنخواہ ہو، رہنے کے لئے اچھی بڑی کوٹھی اور

سواری کیلئے اعلیٰ درجہ کی موٹر اور ہوائی جہازوں پر سفر کرنا اور پھر اس کے بعد سیاست میں آئے تو وزیر اعظم بن جانا اور پھر پارلیمنٹ کا ممبر بن جانا، یہ سب اس لئے کیا جاتا ہے کہ ہم آرام اور سکھ کی زندگی گذار سکیں، اس کو سکھ کہتے ہیں، یہ ایک عام لفظ ہے اور بہت وسیع کہ ہم سکھی ہوں دکھی نہ ہوں، ہم سکھ کی زندگی گذار سکیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی ضمانت لے لی ہے اور فرمایا ہے کہ اس کا راستہ صرف یہ ہے کہ نیک عمل کرے ہمارے احکام کے مطابق اگر عمل ہوگا "فلنحیینہ" لام کے ساتھ کہا، جب کہنا ہوتا ہے عربی میں، ایسا ضرور ہوگا، ایسا ضرور کریں تو اس کو لنفعلن، لنذھبن، لنعلمن " کے وزن پر استعمال کیا جاتا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حالانکہ اللہ کا قول، فرمان خداوندی ہے، اس میں شک کیا ہوسکتا تھا، لیکن ہمیں اطمینان دلانے کے لئے مردوں اور عورتوں کو اطمینان دلانے کے لئے کہا کہ ہم ضرور اس کی اچھی طرح زندگی گزروائیں گے، اور کیا چاہئے، دنیا میں یہ کس لئے دوڑ دھوپ ہو رہی ہے، کس لئے اپنی صحتیں خطرے میں ڈالی جارہی ہیں، کس لئے مقابلے ہیں، کس لئے یہ دوڑ دھوپ ہے، سب اسی لئے ہے کہ اچھی طرح زندگی گزرے۔

اب اچھی زندگی کسی نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اچھی تنخواہ ہو، حالانکہ اچھی تنخواہ میں اچھی زندگی گزرنا ہرگز یقینی نہیں، لاکھوں مثالیں دی جاسکتی ہیں کہ اچھی بڑی تنخواہ ہے لیکن زندگی اچھی نہیں، یا صحت خراب ہے، یا آپس میں نااتفاقی ہے، یا اطمینان قلبی نہیں ہے کوئی ڈر لگا ہوا ہے، یا کوئی خطرہ ہے، یا کوئی ایسا مرض ہوگیا ہے، کوئی عارضہ ہوگیا ہے، کچھ ہوگیا ہے، وہم ہونے لگا ہے، یا صحت مین بھی خرابی آگئی ہے کہ بڑی تنخواہ بڑی کوٹھی، شاندار موٹر سب ہے، اولاد ہے، لیکن مزہ نہیں آرہا ہے زندگی میں۔

نعمت جس کو زندگی کی نعمت کہتے ہیں وہ حاصل نہیں ہورہی ہے، تو یہ بات

بہت سوچنے کی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو ہمارے احکام پر عمل کرے گا ہماری شریعت پر عمل کرے گا، ہمارے رسولؐ کے فرمانوں پر عمل کرے گا، نہ وہ یہ دیکھے کہ رسموں میں کیا ہوتا ہے، نہ یہ دیکھے گا کہ کون سی چیز بڑے فخر کی سمجھی جاتی ہے، کس بات پر تعریفیں ہوتی ہیں، کس بات پر عزت ملتی ہے، کس بات پر دولت ملتی ہے، کوئی اس کا خیال نہیں کرے گا، کوئی اس کا خیال نہ کرے صرف یہ کہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم ہے، شادی بیاہ کس طرح ہونا چاہئے، بچوں کی پرورش کیسے کرنی چاہئے گھر میں کس طرح کی زندگی رائج کرنی چاہئے، نمازوں کی پابندی ہو، پردہ ہو، حیا وشرم ہو، ایک دوسرے کا احترام ہو، بڑے کو بڑا سمجھا جائے، چھوٹے پر شفقت کی جائے، غرور نہ ہو، تعلی نہ ہو، اسراف وفضول خرچی نہ ہو، ناجائز رسمیں نہ ہوں، اور دوسروں کو خوش کرنے کے لئے اللہ کو ناراض کرنا بالکل آسان سمجھا جائے یہ نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر یہ باتیں نہ ہوں گی تو ہم اس کو ضرور اچھی طرح زندگی گزروائیں گے یعنی دنیا میں بھی، اور اس کی ہزاروں نہیں لاکھوں مثالیں ہیں، اگر آپ حدیث پڑھیں تو آپ دیکھیں گے جن گھروں میں اور جن خاندانوں میں شریعت کی پابندی کی گئی، احکام اللہ اور احکام رسولؐ پر عمل کیا گیا اور اسلامی زندگی کا جو نمونہ اور سانچہ ہے، اسلامی زندگی کا جو ماڈل ہے، وہ اختیار کیا گیا، رسموں کو نہیں دیکھا گیا، رواج کو نہیں دیکھا گیا، بلکہ یہ دیکھا گیا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم کیا ہے؟ جن لوگوں، خاندانوں برادریوں اور جن ملکوں اور جن معاشروں نے اور جس سوسائٹی نے اس پر عمل کیا اس کو اللہ نے دنیا میں جنت کی زندگی کا مزہ چکھادیا، اس میں شبہ نہیں ہم مبالغہ سے نہیں کہہ رہے ہیں، دنیا ہی میں ان کو جنت کی زندگی کا مزہ آگیا کہ بس معلوم ہوتا تھا کہ ہم جنت میں ہیں، محبت کا دور دورہ ہے، ایک دوسرے کا حق ادا کیا جاتا ہے، یہاں کسی

کا حق مارا نہیں جاتا، کسی کو حقارت وذلت کی نظر سے دیکھا نہیں جاتا، کوئی فضول بات نہیں کہی جاتی، کوئی ناجائز آمدنی باہر سے نہیں بس اللہ پر توکل اور اللہ کا نام لینا، پابندی کے ساتھ نماز پڑھنا، حلال روزی کھانا، حرام کا پیسہ کیا حرام کی پائی بھی گھر میں نہ آنے پائے، جن گھروں میں اس کی پابندی کی گئی ان کے گھر جنت کا نقشہ ہیں، ان گھروں پر بادشاہوں کے محلات اور شاہوں کی کوٹھیاں قربان، ان کے سامنے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی جیل خانہ ہے، دیکھنے میں باہر سے کتنی شاندار کوٹھی ہے، بڑی بڑی دیواریں ہیں یہ سب ہے لیکن اندر جہنم کی زندگی ہے بیوی اور شوہر میں محبت نہیں ہے، ماں بیٹے میں محبت نہیں ہے، نہ ماں میں وہ شفقت ہے، نہ بیٹے میں وہ احترام ہے نہ کسی کمزور پر ترس آتا ہے نہ کسی غریب کی مدد کی جاتی ہے، اور سوائے کھانے پینے اور سوائے فخر وغرور کے اور دکھاوے کے لئے مظاہرہ کرنے کے کوئی اور یہاں کام ہی نہیں ہے۔

تو بھائیو اور بہنو! آپ اس بات کا خیال رکھیں اور یہ اللہ نے موقع دیا ہے کہ مرد عورت دونو ں کو کوشش کر کے اور شریعت کے مطابق زندگی گزار کر اور اللہ کی فرمانبرداری کر کے اور اس کے رسول کی شریعت پر چل کر وہ بڑی سے بڑی ترقیاں حاصل کر سکتے ہیں اور ترقیاں بھی کیسی، روحانی ترقی، یہ ہم خوب سوچ سمجھ کر کہہ رہے ہیں کہ ہم کتابیں لکھنے والے آدمی ہیں، ہم جو کچھ لکھتے ہیں اس پر بحث ہوتی ہے اس کو پکڑا جاتا ہے، اس پر سوال کیا جاتا ہے کہ یہ کیسے لکھ دیا، اس لئے ہم ایسی بات نہیں کہہ سکتے (۱)۔

---

(۱) ماخوذ: تعمیر حیات ۱۰/ اکتوبر ۱۹۹۶ء

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں اور بندیوں کا الگ الگ ذکر کرتا ہے

صفات حسنہ، اعمال صالحہ اور دین کے اہم شعبوں کے ذکر کے وقت قرآن مجید صرف مردوں کے ساتھ عورتوں کا ذکر اور یہ اشارہ ہی نہیں کرتا کہ اعمال صالحہ اور صفات کریمہ میں ذکور واناث میں کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس وہ ایک ایک صفت کو الگ الگ بیان کرتا ہے، اور جب مردوں کی اس صفت کا ذکر کرتا ہے تو اسی صفت سے عورتوں کو بھی موصوف کرتا اور ان کا مستقل ذکر کرتا ہے، اگرچہ اس کے لئے طویل پیرایۂ بیان ہی کیوں نہ اختیار کرنا پڑے۔

اس کی حکمت یہ ہے کہ ان صفات میں قوت وصلاحیت رکھنے والے مردوں پر عورتوں کو قیاس کرنے پر وہ انسانی ذہن آمادہ نہیں ہوتے، جنہوں نے غیر اسلامی مذاہب وفلسفہ، اور قدیم معاشرت و آداب کے سایہ میں تربیت پائی ہے، ایسے ذہنوں نے ہمیشہ مردوں اور عورتوں میں تفریق کی ہے، اور انھیں بہت سے فضائل میں مردوں کے ساتھ شرکت سے بھی مستثنیٰ کر رکھا ہے چہ جائے کہ ان میں ان کی مزاحمت وسبقت کو گوارا کریں، آپ میرے ساتھ اس آیت کریمہ کی تلاوت کریں:-

انّ المُسلِمِیْنَ وَالمُسلِمٰتِ	بے شک اسلام والے اور اسلام والیاں،
وَالمُؤمِنِیْنَ وَالمُؤمِنٰتِ وَالقٰنِتِیْنَ	اور ایمان والے اور ایمان والیاں، اور
وَالقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ	فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور
وَالصّٰبِرِیْنَ والصّٰبِرٰتِ وَالخٰشِعِیْنَ	صادق مرد اور صادق عورتیں، اور صابر
والخٰشِعٰتِ والمُتَصَدِّقِیْنَ	مرد اور صابر عورتیں، اور خشوع والے اور
وَالمُتَصَدِّقٰتِ والصّٰٓئِمِیْنَ	خشوع والیاں، اور تصدیق کرنے والے

وَالصّٰئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا (الاحزاب ۳۵)	اور تصدیق کرنے والیاں، اور روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے اور حفاظت کرنے والیاں، اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں، ان (سب) کے لئے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے (۱)۔

بھائی اگر خدا کا معاملہ نہ ہوتا تو میں کہتا اللہ کو بڑا مزا آرہا تھا ہر ایک کا الگ الگ ذکر کیا کسی باپ سے پوچھئے جس کے چار یا سات بیٹے ہوں اس کا جی چاہے گا ہر ایک کا نام لے کر وہ بتائے اور ہر ایک پر اس کو لطف آئے گا، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات بہت عالی ہے.... انسانی خصوصیات اس کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتیں، لیکن اس کو انسانی ادب وانشاء کے لحاظ سے دوسرے طریقہ سے بھی ادا کیا جاسکتا تھا" وغیرہ کا لفظ تو اس وقت تک ایجاد نہیں ہوا تھا مگر مسلمان مرد اور عورتیں اور ایمان لانے والے اور ایمان لانے والی عورتیں اور اس طریقہ سے دوسرے تمام فضائل میں شریک ہونے والے مرد اور عورت، لیکن ایک ایک کو الگ الگ کر کے بیان کیا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اسلام اور ایمان میں تو مرد اور عورت شریک ہوسکتے ہیں، قانتات فرمانبرداری میں، اس میں بھی ممکن ہے، لیکن صادقین اور صادقات میں تو مشکل ہے اس میں عورتیں جھوٹ بول دیتی ہیں کبھی اپنی کمزوری چھپانے کے لئے، کبھی اپنے کمانے کی خرابی چھپانے کے

(۱) تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات ص ۷۰-۷۱۔

لئے، کبھی اپنے بچے کی بری عادت پر پردہ ڈالنے کے لئے، کبھی سوجانے کی کمزوری پر، اور عورتیں سچائی میں مردوں کا مقابلہ نہیں کرسکتی ہیں یہ تو مردانہ کام ہے، بہادری کا کام ہے والسابقین والسابقات، یہ تو ٹھیک ہے لیکن الصابرین والصابرات، وہ صبر کہاں کرسکتی ہیں ہمیشہ یہی دیکھا ہے سب سے پہلے ان پر صدمہ کا اثر پڑتا ہے، سب سے پہلے ان ہی کی زبان سے فریاد نکلتی ہے بعض وقت تو ایمان خطرہ میں پڑجاتا ہے، بعض وقت تو اولاد کا غم، اللہ محفوظ رکھے یا عزیزوں کا غم سب سے پہلے عورت پر پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فطرت انسانی سے واقف تھا اللہ تعالیٰ دلوں کے چور سے واقف تھا کہ ہم اپنی بہنوں سے بدگمانی کریں گے الصابرین والصابرات جی نہیں صبر کے میدان میں عورتیں کسی حال میں مردوں سے پیچھے نہیں ہیں...... والخاشعین والخاشعات اب آیا معاملہ مال کا تو عورت مرد کا مقابلہ نہیں کرسکتی ہے حاتم کا تو نام سنا ہوگا حاتمہ کا نام نہیں سنا ہوگا اس لئے صدقہ میں عورتیں کیا دیں گی وہ تو جمع کرنے والی ہیں وہ بڑی سوگھڑ عورتیں ہیں، بہت گرہست عورت ہے یعنی بچا بچا کر رکھنے والی، اس لئے فرمایا، والمتصدقین والمتصدقات، اچھا صاحب روزہ بڑا مشکل معاملہ ہے والصائمین والصائمات والحافظین والحافظات والذاکرین والذاکرات اعد اللہ لھم مغفرۃ واجرا عظیما

اتنی لمبی اعمال کی فہرست یہ کیوں بیان کی تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جس طرح اپنے بندوں پر شفقت کرتا ہے اسی طرح اپنی بندیوں پر بھی شفقت کرتا ہے اس کی صفت ربوبیت اور اس کی صفت رحمت مردوں اور عورتوں کے ساتھ ایک ساتھ کام کرتی ہے اور ان پر سایہ فگن ہے (۱)۔

---

(۱) ماخوذ: تعمیر حیات ۱۰؍ فروری ۱۹۸۱ء

عورتیں فضائل انسانی میں مردوں سے پیچھے نہیں

ان آیتوں سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ بیبیاں اور شریف بیٹیاں اور خواتین سمجھیں کہ ہر میدان میں فضائل انسانی میں، مکارم اخلاق میں فضائل اعمال میں وہ مردوں سے پیچھے نہیں ہیں اور ان کو مردوں کے برابر اجر وانعام ملے گا اور ان کی صنف اس کے مغائر نہیں ہے ان کے مقصد آفرینش کے مغائر نہیں ہے ان کی صنفی خصوصیات مجروح کرنے والی نہیں ہیں۔

الحمد للہ قرآن مجید کے حفظ کا تو رواج بہت رہا ہے میرے علم میں ایک ایک گھر میں دو دو چار چار بیبیاں حافظ رہی ہیں اور میرے عزیزوں میں والد بھی حافظ اور والدہ بھی حافظ تھیں اور مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میری والدہ حافظ تھیں، اس کے علاوہ قرآن وحدیث سے بھی واقفیت تھی اس زمانہ میں بزرگوں نے جو نصاب بنایا تھا اگر چہ وہ اردو میں تھا مگر بڑا جامع ومانع تھا اور یہ بہشتی زیور جو اردو میں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ایسی مقبولیت عطا فرمائی کہ بہت کم کتابوں کو اتنی مقبولیت ملی بہشتی زیور خود ایک بڑا اور مکمل کتب خانہ ہے اور ہزاروں اور لاکھوں انسانوں نے اس سے فائدہ اٹھایا ہوگا اس کے علاوہ طب انسانی کی کتابیں، پڑھائی جاتی تھیں ..... میں نے بھی جس زمانہ میں ہوش سنبھالا ایک بہت اچھی رسم تھی اور یہاں بھی جنوبی ہند میں اگر وہ رائج ہو تو ایک بہت اچھا اضافہ ہوگا جب کوئی تاثر کا موقع ہوتا اور یا جوش کا موقع ہوتا یا تاثرات کا موقع ہوتا ہے اور مستورات بڑی تعداد میں جمع ہوتیں یا کوئی ایسا واقعہ پیش آتا ہے جس سے دلوں پر اثر ہوتا تو بلاذری کی فتوح الشام پڑھی جاتی تھی، فتوح الشام تو عربی میں ہے ہمارے ہی خاندان

کے ایک بزرگ سید عبدالرزاق صاحب کلامی نے اس کو ۲۵ ہزار شعروں میں صمصام الاسلام کے نام سے ترجمہ کیا ہے اور عجیب بات ہے کہ وہ ایک ہندو پریس، نول کشور پریس میں چھپی ہے اس کا تذکرہ آیا تو معلوم ہوا کہ کاندھلہ کے خاندان میں بھی اس کا رواج تھا اور صمصام الاسلام پڑھی جاتی تھی، گویا اب وہ شاہنامہ اسلام ہے اس میں خالص اسلامی جنگیں جہاد فی سبیل اللہ اور جس میں صحابہ کرام اور صحابیات شامل تھیں اس کو بڑے اثر اور ترنم کے ساتھ اور رجز خوانی وجوش کے ساتھ میرے گھر کی کوئی عزیزہ مثلاً میری خالہ جو حافظ قرآن تھیں یا ہمشیرہ مرحومہ پڑھتی تھیں تو ایک سماں بندھ جاتا تھا اور سب اپنا غم بھول جاتے تھے، کسی کام یا پیسے لینے اپنی ماں یا ہمشیرہ کے پاس آتے تھے تو دیکھتے تھے کہ وہ رو رہی ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہوں اور اتنا اثر ہوتا کہ میں بیٹھ جاتا۔

شروع شروع میں کئی شہروں کے نام مثلاً دمشق، حلب، حمص، یرموک کا نام، باب طومہ کا نام اسی کتاب سے سیکھے تھے، اور جب حمص میں میرے استقبال میں وہاں کے اخوان المسلمین کے مرکز میں ایک بڑا جلسہ ہوا تو میں نے ان سے کیا کہا آپ حضرات کو معلوم ہے، ہم اسلامی جوش کہاں سے حاصل کرتے ہیں؟ ہم اسلامی جوش فتوح الشام سے حاصل کرتے ہیں اور میں نے ذرا تفصیل سے حلب اور حمص کے جلسوں میں سنایا، ہمارے یہاں عادت تھی کہ جب بیبیاں جمع ہوتی تھیں تو جنگ کے واقعات آپ کے یہاں پیش آئے ہیں اور لڑائیاں ہوئی ہیں ان کو عربی سے اردو اشعار میں ہمارے ایک بزرگ نے ترجمہ کیا ہے اور اس نے ہندوستانی مسلمانوں کو ہندوستان کے قومی دھارے کے حوالہ نہیں کیا ہے اور وہ اپنے تشخص کو قائم رکھے ہوئے ہیں، نبی عربی اور دین عربی سے اس کا تعلق برقرار ہے...... اور میں نے ان کو غیرت دلائی کہ آپ آج قومیت عربیت کے دامن میں پناہ لے رہے ہیں آپ نے تو ہم کو قومیت ہندیہ

کے فتنہ سے بچایااس کے لئے ہم تو مطعون ہوئے اور لوگوں نے کہا رہتے ہیں ہندوستان میں، کھاتے ہیں یہاں، اور گاتے ہیں عرب کا...... ع ”میرے آقا بلا لو مدینہ مجھے“ یہ ہندوستان کے ...... پورے وفادار نہیں ہیں...... ہم نے تو آپ کی خاطر طعنہ سنااور آپ ابو جہل، ابو لہب کی قومیت کی طرف واپس جائیں، عربوں پر ایک عجیب تاثر ہوااور مجھ سے لوگوں نے اس تاثر کا اظہار بھی کیا۔ تو یہ ہمارے یہاں ایک رسم تھی اور آج بھی اس کو زندہ کیا جائے اور وہ کتاب اب بازار میں ملتی ہے کہ نہیں لیکن صمصام الاسلام کے نسخے اب بھی منگوائے جاسکتے ہیں اور اسی طرح کی دوسری کتابیں مسدس حالی پڑھی جائے اس سے انشاء اللہ ایک طرف تو ایمانی حرارت پیدا ہوگی اور اسلامی ثقافت میں اضافہ ہوگا، ہم ۱۹۵۱ء میں شام گئے تھے وہاں سے ایسے مانوس، اور واقف تھے گویا میں اس سے پہلے آچکا ہوں، باب طومہ ہم جانتے تھے، یہاں پر فلاں معرکہ پیش آیا اور اس طرح بہت سے ایسے مقامات جن کے نام بڑے پڑھے لوگوں نے نہیں سنے تھے میں ان سے واقف تھا(۱)۔

◆ ◆ ◆

---

(۱) ماخوذ: تعمیر حیات ۱۰ر فروری ۱۹۸۱ء

اسلامی تمدن اور خواتین

اسلامی تمدن اور خواتین

معزز خواتین! میرے لئے بڑا خوش گوار موقعہ ہے کہ میں آپ سے ایک دینی بھائی کی حیثیت سے گفتگو کروں، یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے مجھے ان فاضل بہنوں سے بات کرنے کا موقع عنایت فرمایا، جن کی مدد اور تعاون کے بغیر کوئی صالح اور ذمہ دار سوسائٹی وجود میں نہیں آسکتی، مردوں کے سامنے تقریر کرنے اور ان سے گفتگو کرنے کے بہت سے مواقع حاصل ہوتے ہیں، لیکن اس مبارک موقع پر میں اپنی فاضل دینی بہنوں سے کچھ باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

انوکھا چیلنج

معزز خواتین! اسلام کو بالکل ابتدا ہی میں ایک ایسے انوکھے چیلنج کا سامنا کرنا پڑا جس سے ادیان و مذاہب کی تاریخ میں کسی مذہب کو واسطہ نہیں پڑا۔

جزیرۃ العرب میں اسلام کے ظہور کے بعد، جو دینی، اخلاقی، معاشرتی اور عقائدی تعلیمات لے کر آیا تھا، یہ چیلنج اس طرح سامنے آیا کہ اسلام کو دو ایسے ترقی یافتہ تمدنوں سے واسطہ پڑا، جن سے بڑھ کر کسی دوسرے تمدن کا تجربہ انسانی اور تہذیبی تاریخ میں نہیں کیا گیا تھا، یہ دو تمدن رومی اور ایرانی تمدن تھے، یہ تمدن تہذیب، آرٹ، آزادی، نکتہ رسی، تخیل کی بلندی، انسانی زندگی کو سنوارنے اور اس کو منظم کرنے،

راحت و آسائش کے سامان کی فراہمی اور فراوانی میں کئی منزلیں طے کر چکے تھے اور ترقی کے آخری درجہ تک پہونچ گئے تھے، یہ تمدن اپنی تراش خراش میں بڑی رعنائی رکھتے تھے، اور بہت حساس تھے۔

رومی و ایرانی اور اس کے اثرات

رومیوں اور ایرانیوں کو کتابوں سے پٹے ہوئے کتب خانوں، عظیم الشان آلات و وسائل، راحت و دلچسپی کے سامان، شعر لطیف اور ذوق بلند، ادب و آرٹ اور زندگی گزارنے کے مختلف طرز و انداز، خانہ آبادی کے طور و طریق پر ناز تھا، اور ان ساری چیزوں سے ان کا تمدن مالا مال تھا۔

ان کے برخلاف عرب اپنے ابتدائی دور میں یا دوسرے الفاظ میں تہذیبی طفولیت کے دور میں تھے، در حقیقت یہ تجربہ جس سے اسلام کو گزرنا پڑا، بڑا نازک تجربہ تھا، اسلام یقیناً آسمانی تعلیمات، عقائد اور اخلاق عالیہ اور آداب حسنہ سے آراستہ تھا، لیکن تہذیب اور معاشرہ کی قیادت کی باگ ڈور رومیوں اور ایرانیوں کے ہاتھ میں تھی، اس لئے اس کا امکان تھا اور سارے قرائن بھی بتا رہے تھے کہ یہ عرب اور مسلمان جنہوں نے ایک تنگ و تاریک ماحول میں آنکھیں کھولی ہیں، اور جن کے پاس بہت محدود وسائل ہیں، جن کی زمین دولت کے سر چشموں سے خالی ہے، اور جو تمدن کے وسائل و ذرائع سے بالکل محروم ہیں جن کی زندگی خیموں اور معمولی مکانات میں گزرتی ہے، اونٹوں اور گھوڑوں پر جن کے مواصلات کا دارومدار ہے، جن کی زندگی خانہ بدوش زندگی ہے امکان اسی کا تھا کہ یہ امت اسلامیہ روم و فارس کے تجربات کے سامنے جھک

جائے گی، اور اس بات کے قوی قرائن موجود تھے کہ جو امت ابھی اپنا دور طفولیت گزار رہی ہے وہ رومی اور ایرانی تہذیب کو اپنی تمام خرابیوں کے ساتھ قبول کرلے گی، کیونکہ جب کسی بھی چیز کو مکمل طریقہ پر اختیار کیا جاتا ہے تو اس کی خصوصیات ولوازمات سے دست بردار نہیں ہوا جاسکتا، عقل یہی کہتی تھی، اور توقع اسی بات کی تھی، اس سے پہلے مسیحیت کا تجربہ بھی ہوچکا تھا۔

رومی تمدن کے آگے مسیحیت کی سپراندازی

مسیحیت ایک عدل وانصاف پر مبنی اور فطری مذہب تھا، جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر دنیا میں تشریف لائے تھے، لیکن یہی مذہب جب یورپ میں داخل ہوا تو محفوظ نہ رہ سکا، اور اس کا ڈھانچہ بدل گیا، کیونکہ اس کے پاس تہذیب نہ تھی، اس کے پاس ایسی جچی تلی اور مفصل تعلیمات نہیں تھیں، جو زندگی میں رہنمائی کرسکیں، اساتذہ ومعلمین کو صحیح راہ دکھاسکیں مفکرین اور حکام کی مدد کرسکیں، یہ مذہب یہودیوں کی قانونی تعلیمات پر مبنی ایک شریعت کا نام تھا، انصاف، انسانی مساوات، انسانیت پر، کمزوروں اور مظلوموں پر رحم وشفقت اس کا شیوہ تھا، یہودیوں کی سنگ دلی اور ظلم وزیادتی پر وہ سخت تنقید کرتا تھا، اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ اس مذہب اور اس کے پیروؤں نے کبھی بھی یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ وہ کسی خاص تمدن کے حامل ہیں کسی خاص تہذیب کے داعی اور علمبردار ہیں، مسیحیت جب یورپ میں داخل ہوئی، جہاں پہلے یونانی پھر رومی تہذیب ترقی کے بامِ عروج تک پہنچ چکی تھی، جہاں عقل انسانی نے فلسفہ، ادب اور علوم ریاضی میں کمال حاصل کیا تھا، مسیحیت جیسا سادہ مذہب جب وہاں داخل

ہوا تو اس کو بالکل ایک نئی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا جس کی کوئی توقع نہ تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ مسیحیت نے یورپی تمدن سے جس کی قیادت رومیوں کے ہاتھ تھی، صلح کرلی، یا دوسرے الفاظ میں اس کے سامنے سپر ڈال دی، اس رومی تمدن کی اساس گذشتہ یونانی تہذیب پر تھی، مسیحیت نے جب اس تمدن سے رگڑ کھائی تو اس کے سامنے جھک گئی، اور اس کے سانچے میں ڈھل گئی، اور مکمل طور پر شکست کھا گئی، اس کے اندر مقابلہ کرنے اور سنبھلنے کی قوت نہ تھی، وہ خود اعتمادی زندگی اور طاقت و نشاط سے بھرپور چیلنج کے سامنے ٹھہر نہ سکی، نتیجہ یہ نکلا کہ مسیحیت محدود تعلیمات، محدود قوانین، انسانی مساوات، رافت و رحمت، عدل و انصاف، توحید باری تعالیٰ، اور وہ بھی ایک مختصر اور محدود زمانہ تک سے آگے نہ بڑھ سکی، معاشرتی نظام، عائلی زندگی، ادب و فن اور بہت سی اخلاقی اور انسانی قدروں میں وہ ترقی یافتہ رومی تمدن کے سراسر زیر اثر ہو گئی۔

یہ واقعہ اس لئے پیش آیا کہ مسیحی مذہب اس قوت سے محروم تھا جس کے ذریعہ وہ چیلنج کا مقابلہ کرتا، رومی تہذیب کی چمک دمک سے خیرہ نہ ہوتا۔

تاتاری اور اسلامی تمدن

دوسرا تجربہ انسانی تاریخ میں تاتاریوں کا تجربہ ہے، آپ الحمد للہ تعلیم یافتہ اور گریجویٹ خواتین ہیں، آپ جانتی ہیں کہ درندہ صفت منگولین یعنی تاتاریوں نے خود عالم اسلام پر ٹڈی دل کی طرح حملہ کیا، وہ اس سیل رواں کی طرح ٹوٹ پڑے، جس کا روکنا اور مقابلہ آسان نہ تھا، انہوں نے جب عالم اسلام کو اپنا نشانہ بنایا تو وہ طاقت سے بھرپور تھے، ان کے پاس ہزاروں سال کی محفوظ طاقت تھی، جس کا استعمال انہوں نے

نہیں کیا تھا، ان کی طاقت سے ٹکر لینا آسان نہ تھا انہوں نے عالم اسلام پر حملہ کر کے خون کی ندیاں بہادیں، اور عالم اسلام کی شان و شوکت کا چراغ گل کر دیا، اسلام اور مسلمانوں کی بے حرمتی کی، مسلمان اس طاقت ور اور بلا خیز سیلاب کے سامنے پیچھے ہٹتے رہے، ان کی حکومتیں ایک ایک کر کے شکست کھاتی رہیں، اور مسلمانوں نے یہ تسلیم کر لیا کہ ان کے اندر تاتاریوں کے مقابلہ کی طاقت نہیں، نیز تاتاریوں کو کوئی طاقت پھیر نہیں سکتی، کسی میں دم نہیں کہ ان کو زیر کر دے۔

یہاں تک کہ یہ بات ضرب المثل سی بن گئی، اگر یہ کہا جائے کہ تاتاری فلاں معرکے میں شکست کھا گئے تو کہہ دیتا کہ جھوٹ ہے، تاتاری اور شکست کھا جائیں، یہ خونخوار درندے اور پسپا ہو جائیں، ناممکن ہے، عقل اس کو قبول نہیں کرتی، تاتاریوں کا رعب پورے عالم اسلام پر چھا گیا تھا، ایسا ہولناک خوف و رعب جس کا شاید کبھی کسی انسان کو تجربہ نہ ہوا، سب ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی گرد تھے، ان کے رحم و کرم کے منتظر تھے، لیکن آخری نتیجہ کیا رہا؟

اسلامی تمدن کی فتح

نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسلام جس کو بظاہر ان کے سامنے شکست کا منھ دیکھنا پڑا تھا، جو ان کے مقابلہ میں پسپا ہو گیا تھا، اسی نے ان فاتحین کو فتح کر لیا، اس نے تلوار کی نوک سے نہیں فتح کیا، کیونکہ اس کی تلوار کند ہو چکی تھی، مسلمانوں کی تلوار نیام میں تھی، وہ مایوس ہو چکے تھے اور کہتے تھے کہ یہ تلوار کچھ نہ کر سکے گی، اس کی دھار تاتار کے مقابلہ میں بیکار ہو چکی تھی، وہ کیا چیز تھی جس نے تاتار کو فتح کیا؟ وہ دین اعجاز تھا، جو دائمی، ابدی غالب

و فاتح، حسین و خوش نما، دل کش و دل نواز دین ہے، اور پھر آگے بڑھ کر اسلامی تمدن نے ان کو اپنا مفتوح بنالیا، کیونکہ تاتار تمدن سے عاری تھے، وہ انسانوں کی شکل میں درندے یا درندہ نما تھے، دنیا سے کٹی ہوئی ایک تنگ وادی سے اس کشادہ وسیع دنیا میں آئے تھے، جس نے ترقی کی بہت سی منزلیں طے کرلی تھیں، ان کو ایک تمدن کی ضرورت تھی، صحرا کی زندگی میں ان کو تمدن سے مس نہ ہوا تھا، وہ نیا تمدن اختیار کرنے پر مجبور تھے، کیونکہ کوئی قوم بھی بغیر تمدن کے زندہ نہیں رہ سکتی، نئی زندگی کے لئے مسائل تھے، کھانے پینے پہننے اوڑھنے، معاشرت اور مہمان نوازی کے نئے طریقے تھے، گھروں کی تعمیر کس طرز پر ہو، رہائش گاہوں کو آرام دہ، صحت بخش، نشاط و سرور سے بھرپور کس طرح بنایا جائے، یہ سب مسائل تھے، اس سے پہلے وہ نہایت سادی بدویانہ زندگی گزارتے تھے، اب وہ ایک نئے تمدن کے سامنے تھے اس وسیع اسلامی تمدن سے ان کا معاملہ تھا، جو مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوا تھا، اس تمدن نے علوم کو ترقی دی تھی، اور صنعتوں کی ایجاد کی تھیں، عقل انسانی کو سنوارا تھا، لوگوں کو ذوق لطیف عطا کیا تھا، ان کے لئے نئی حیرت انگیز زندگی پیدا کردی تھی، اس تمدن نے ان آنکھوں کو خیرہ کرلیا اور ان کو اسلامی تہذیب و تمدن کی تقلید کرنے پر مجبور کردیا، وہ اسلام کے قالب میں پگھل گئے، اسلامی زندگی میں گھل گئے، انہوں نے اسلام کا بغور مطالعہ کیا اور قبول اسلام سے مشرف ہوئے، تو دراصل تمدن ان کے اسلام میں داخل ہونے کا سبب بنا۔

مسلمانوں نے اسلامی تاریخ کے آغاز کے موقعہ پر پہلی صدی ہجری کی بالکل ابتداء میں بعثت رسول ﷺ کے وقت اور خاص طور پر رسول ﷺ کی وفات کے بعد، جب شام و عراق اور مصر و ایران کو فتح کیا تو نہایت ترقی یافتہ دو تمدن ان کے سامنے تھے، جن کی مادی ترقی کا تصور بھی اس وقت کے مسلمانوں کے لئے مشکل تھا، یہاں تک کہ

تاریخ کی کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب پہلی مرتبہ انہوں نے چپاتیاں دیکھیں تو یہ سمجھے کہ ہاتھ پوچھنے کے لئے دستی رومال ہیں، کھانے کے بعد انہوں نے ہاتھ پوچھنے کے لئے ان باریک چپاتیوں کو اٹھایا تو معلوم ہوا کہ یہ تو روٹی ہے، غرض یہ کہ دینی فتوحات کا جب یہ دور شروع ہوا تو ان کو ایک نئے ترقی یافتہ اور دل کش تمدن سے سابقہ پڑا، جس سے وہ بالکل ناواقف تھے۔

لیکن کیا بات تھی جس نے ان کو اس طاقت ور تمدن میں گھل جانے اور پگھل جانے سے محفوظ رکھا، وہ بات یہ تھی کہ انہوں نے اس تمدن کو نہ تو اپنایا، اور نہ زندگی میں اس کی تقلید کی، اس طرح اسلامی تمدن محفوظ اور صحیح وسالم طریقہ سے آج ہم تک پہونچ سکا، آج یہ اسلامی تمدن جس طرح یہاں ہے ویسے ہی ہندوستان وپاکستان میں ہے، سعودی عرب اور مراکش میں ہے افریقہ اور ایشیاء میں ہے، اس پوری مدت میں یہ تمدن کس طرح اپنی حفاظت کر سکا؟ اس تمدن کے بقاء، اس کی قوت اور ٹھہراؤ، اور یہاں کے چیلنجوں پر اس کے غلبہ حاصل کرنے کے پیچھے کیا راز ہے، وہ چیلنج جس کا مقابلہ نہ مسیحی کر سکے : وہ تاتاری فاتح جنہوں نے سارے عالم کو زیر کر لیا تھا، اور پورے عالم اسلام کو روند ڈالا تھا، لیکن تمدن کے مسئلہ پر وہ بھی قابو نہ پا سکے تھے۔

مسلمانوں نے اس پیچیدہ اور انوکھی مشکل پر کیسے قابو پایا؟ بہت سے مصائب ومشکلات ایسی ہوتی ہیں جن کو سہار لیا جاتا ہے، مثلاً دینی تعصب کی بنیاد ظلم وتعدی جس سے مسلمانوں کو واسطہ پڑتا رہتا ہے اور وہ اس کا مقابلہ کرتے رہتے ہیں، ہم ہندوستان میں بہت سے چیلنجوں کا مقابلہ کر رہے ہیں، ہندی قومیت کا چیلنج، غیر اسلامی تعلیم وثقافت کا چیلنج، بت پرستی اور شرک کا چیلنج، اللہ کے فضل سے ہم نے ان چیلنجوں کا مقابلہ کیا، اور ڈٹ کر کیا، لیکن جب مسلمان ابتدائی دور میں تھے، بدوی زندگی گزار

رہے تھے، سیدھی سادی معیشت تھی اس وقت انہوں نے اس تمدن کے چیلنج کا کیسے مقابلہ کیا، حالانکہ تہذیب وتمدن کا چیلنج بڑا ہی نازک اور خطرناک ہوتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اس مشکل پر مردوں اور عورتوں کے باہمی تعاون سے قابو پایا، مسلمان اپنی دعوت اپنے پیغام پر فخر کرتے ہیں، وہ یقین رکھتے تھے کہ ان کا دین کامل اور مکمل ہے اور خاتم الادیان ہے، اور رسول ﷺ کی نبوت ورسالت آخری نبوت ورسالت ہے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سن رکھا تھا کہ

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً":

ہم نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا، اور اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے مذہب کے سلسلے میں اسلام کو پسند کیا۔

ان کو اس دین کی صلاحیت، قابلیت اور طاقت پر پورا بھروسہ تھا۔

قرن اول کے مسلمانوں کا ایمان ویقین

ان کو یقین تھا کہ یہ دین زمانہ کا ساتھ دینے کے لئے نہیں، بلکہ زمانہ کی باگ ڈور سنبھالنے اور اس کی رہنمائی کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے ان کو اپنے دین پر فخر وناز تھا، اپنی ذات پر اعتماد تھا، اپنی اخلاقی قدروں اور اپنے تمدن کو وہ عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، ان کا ایمان تھا کہ جس دین کو رسول ﷺ لے کر تشریف لائے ہیں وہ محض دین ہی نہیں یا محض چند قوانین کا مجموعہ نہیں، بلکہ وہ دین بھی ہے تمدن بھی، اس میں احکام بھی ہیں اور معاشرتی نظام بھی، وہ سیف وسنان بھی ہے قرآن بھی، وہ مسجد ومحراب بھی ہے اور حکومت وایوان بھی، وہ اس دین کو شفا بخش دوا سمجھتے تھے اور صحت بخش دوا بھی، آج کے بہت سے مسلمانوں کی طرح ان کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ یہ تو صحیح ہے

کہ اسلام بحیثیت مذہب سب سے اچھا مذہب ہے اور وہی اللہ کا آخری اور مقبول دین ہے، اور اس مذہب کے علاوہ کسی مذہب میں نجات نہیں اور یہی مذہب ابدی اور دائمی ہے، لیکن تمدن ایک دوسری چیز ہے، کا دین سے کیا تعلق، دین ایک الگ شے ہے اور تمدن بالکل الگ شے، دین جدا اور تہذیب جدا، اس لئے اگر ہم مغرب کی تقلید کریں، اور مغربی تہذیب کو اپنائیں تو اس میں ہمارے دین و عقیدہ کے منافی کوئی بات نہیں۔

عرب کے ابتدائی بدو اس نظر سے روم و فارس کے تمدن و تہذیب کو نہیں دیکھتے تھے، وہ اس کے بارے میں کہہ سکتے تھے جو آج ہم امریکن اور یورپین تمدن کے متعلق کہہ رہے ہیں، اس وقت کی ایرانی اور رومی تہذیب و تمدن اور آج کی امریکی اور مغربی تہذیب و تمدن حتیٰ کہ روسی تمدن میں حقیقتاً کوئی فرق نہیں، یہ سارے تمدن ایک ہیں، جن کو ہم میکانکی، مادی مصنوعی اور ظاہری تمدن سے تعبیر کر سکتے ہیں جس طرح بہت سے مسلمان افراد اس تمدن کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ سب عقل انسانی اور تجربات کی آخری منزل ہے، تو اگر کل صحرا کے بدو اس وقت تہذیب و تمدن کو دیکھ کر کہتے تو معذور ہی سمجھے جاتے، وہ تہذیب و تمدن کی چمک دمک سے بالکل ناواقف تھے، آنکھوں کو چکا چوند کرنے والے مظاہر انہوں نے کبھی نہ دیکھے تھے، اب اگر روم کے کسی شہر، بازنطینی حکومت کے کسی شہر یا ایرانی ساسانی مملکت کے کسی شہر میں داخل ہو کر ان کے منہ میں پانی بھر آتا، اس تمدن پر فریفتہ ہو جاتے اور کہنے لگتے، کیا کہنے اس تمدن کے، اس کاریگری، اس عیش و تنعم کے، انسانی عقل کہاں تک پہنچ گئی! اور کیسی تہذیب کو جنم دیا ہے، اگر وہ یہ کہتے تو میں انھیں معذور سمجھتا، کیونکہ وہ صحرائے عرب کا ایک بدو ہی تھا جس کی آنکھیں ایک ترقی یافتہ ملک کے دار السلطنت میں آکر خیرہ ہوئی جا رہی تھیں، اور وہ اس تمدن کے سامنے ہوش باختہ ہو گیا، لیکن تاریخ کا مطالعہ کرنے والا حیران رہ

جاتا ہے اور اس کے تعجب کی کوئی انتہا نہیں رہتی ہے اور اس عجیب تجربہ کے سامنے جو انسانی تاریخ میں اپنی نوعیت کا انوکھا تجربہ تھا، اعتراف سے اس کی گردن جھک جاتی ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ عربی مسلمان اس تمدن سے بالکل متاثر نہیں ہوتے، اور وہ اپنی اسلامی شخصیت کے محافظ وپاسبان رہے۔

آج عالم عربی کے کسی ملک کے دارالسلطنت مثلاً امارات میں ابوظبی یا قطر میں دوحہ کو ہی لے لیجئے، وہاں ہم یہ ضروری سمجھنے لگے ہیں کہ ہمارے گھروں کا طرز تعمیر اور فرنیچر بالکل ویسے ہی ہو جیسے انگلینڈ یا امریکہ میں ہوتا ہے ہماری تہذیب اور ان کی تہذیب میں مکمل اتفاق اور ہم آہنگی ہو، لیکن سوچئے کہ وہ عربی اور بدوی مسلمان کس طرح اپنی اسلامی شخصیت کو مضبوطی سے تھامے رہے، ایرانی اور رومی تہذیب کے آگے انہوں نے سر خم نہ کیا یہ تاریخ کا ایک معمہ ہے جس کو حل ہونا چاہئے، اس کو حل کرنے کے لئے غور کرنا چاہئے، یہ ایک سوال ہے جو جواب طلب ہے اور اطمینان بخش جواب چاہتا ہے۔

میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب کچھ مسلمان مرد وعورت کی خود اعتمادی کا نتیجہ تھا، ان کو اپنے دین اور خدا کے آخری پیغام کی صلاحیت اور انسان کے لئے کامل ومکمل اور رہنما دین پر مکمل بھروسہ تھا، اور اسلامی شخصیت، اسلامی زندگی، جس کا نمونہ رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں انہوں نے دیکھا تھا، اور ان تک وہ انھیں کے واسطے سے پہونچی تھی، شرم وحیا، عفت وطہارت، حجاب، آداب معاشرت، تواضع ولینت، طہارت وپاکیزگی، اسلامی ذوق، سادگی، اسراف سے پرہیز، قناعت، آپس کا احترام واکرام، عدل وانصاف، حقوق زوجیت کا پاس ولحاظ، رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کی عزت واحترام، یہ وہ صفات

واقمیازات ہیں جو مردوں کے ساتھ عورتوں کے مکمل تعاون کا نتیجہ ہیں، اس طرح وہ اسلامی تمدن، اسلامی تہذیب اور اسلامی شخصیت کی حفاظت کر سکے، مرد کارگہ حیات، مدرسوں میں، محکموں میں، عدالتوں میں اور گھر سے باہر کی دنیا میں اور خواتین گھروں میں، اس طرح وہ معاشرہ کامل و مکمل ہم آہنگ اور یکرنگ اور تعاون کے اصول پر کاربند تھا، مسلمانوں کے لئے کوئی مشکل نہیں تھی کہ وہ دنیا کے بڑے سے بڑے اور زیادہ سے زیادہ ترقی یافتہ شہر میں اسلامی زندگی کا نمونہ پیش کریں، ان کے قدم انطاکیہ پہنچے، انہوں نے دمشق، حلب وحمص پر حکومت کی، قسطنطنیہ میں داخل ہوئے، سندھ کو فتح کیا ملتان، بخارا سمرقند ان کے قدموں کی خاک بنے، دتی ان کی پابوس ہوئی، لاہور و لکھنؤ ان کے قدموں سے مشرف ہوئے، یہ تمام شہر اپنا ایک تمدن رکھتے تھے جو بہت پرانا اور ترقی یافتہ تھا، ذوق کی لطافت سے آراستہ تھا، لیکن مسلمان جہاں جاتے تھے اپنی تہذیب اور اپنا تمدن لے کر جاتے تھے، وہ نہ صرف اپنے تمدن کی حفاظت کرتے تھے، بلکہ تہذیب و تمدن کا سکہ جمادیتے تھے، بہت سے لوگ ان کی تہذیب کے گرویدہ ہو جاتے تھے، اور آخر کار ان قدیم تہذیبوں کے چراغ کو گل ہونا ہی پڑتا تھا، اور تابناک اسلامی تہذیب کا آفتاب روشن ہو جاتا تھا، مسلمان اندلس گئے، اندلس یوروپ کا ایک قلعہ ہے، مسلمانوں نے وہاں ایک حسین تمدن کی بناڈالی، اور ایک نیا طرز تعمیر ایجاد کیا جو آج بھی اندلس کے لئے باعث زینت ہے، آج بھی وہ مسجد قرطبہ قصر حمراء اور اشبیلیہ کی مسجدوں سے بہتر کوئی چیز سیاحوں کی زیارت کے لئے پیش نہیں کر سکتے، حکومت ہندوستان اپنے ملک میں کثرت سے آثار قدیمہ کے باوجود تاج محل سے زیادہ حسین وخوش نما، جامع مسجد اور لال قلعہ سے بڑھ کر پر عظمت، پرشکوہ آثار نہیں پیش کر سکتی، مسلمان اپنی تہذیب وتمدن کو ساتھ لے کر گئے، انہوں نے وہاں اس کی آبیاری کی، اس کو

اور وسعت دی، اور حسین سے حسین تر بنایا، انہوں نے استفادہ بھی کیا، انہوں نے وہاں کے فن تعمیر، وہاں کی سلیقہ مندی اور طبیعت کے گداز، وہاں کے حسن وجمال کو نظر انداز نہیں کیا، بلکہ اس پر اسلامی تہذیب کا اضافہ کیا۔

مغربی تہذیب کے ساتھ ہمارا معاملہ

لیکن افسوس کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ مغربی تہذیب کے ساتھ ہمارا وہ معاملہ نہیں جو ہمارے اسلاف کا ایرانی اور رومی تہذیب وتمدن کے ساتھ تھا، یہ ایک سوال ہے کہ موجودہ اسلامی معاشرہ، موجودہ مغربی معاشرہ کے سامنے کیوں شکست کھا گیا، یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آج کا مغربی تمدن اپنے دور کے لئے اس وقت کے رومی اور ایرانی تمدن سے زیادہ ترقی یافتہ اور مؤثر ہے، اس وقت مسلمانوں نے اپنی تہذیب وتمدن کی بھینٹ نہیں چڑھائی، بلکہ وہ فخر وعزت سے کہتے تھے کہ ہماری تہذیب افضل ہے، ہمارا ادب ولٹریچر تم سے زیادہ قدیم، ہماری تعلیمات زیادہ بہتر ہیں، ہمارے آداب واخلاق اعلیٰ واحسن ہیں۔

بجائے مقابلہ کے پیروی

مغربی تہذیب کے بارے میں ہمارا موقف روم وفارس کی تہذیب کے متعلق ہمارے اسلاف کے موقف سے بالکل جداگانہ ہے، اس کا سبب اولین ہمارے ایمان کی کمزوری، خود اعتمادی کا فقدان اور خودی کا زوال ہے، ہمارے سامنے مغربی تمدن کی کوئی چیز آتی ہے تو ہم لپک پڑتے ہیں، ہم بے ساختہ بول اٹھتے ہیں کہ جدید دنیا کی اس ترقی

سے ہمارے آباء واجداد واقف نہ تھے، ہماری مثال اس بچہ کی سی ہے جس کی پرورش ونشو نما کسی گاؤں میں ہوئی ہو، اس کے بعد اس کو کسی بڑے شہر کے دیکھنے کا موقع ملتا ہے تو وہ ہر چیز کے بارے میں سوال کرتا ہے، پٹری پر چلنے والی ریل گاڑی، فضا میں اڑنے والے جہاز، ساری چیزیں اس کی توجہ کا مرکز بن جاتی ہیں، ہمارا معاشرہ بھی ابھی سن رشد کو نہیں پہنچا، یہ بچکانہ معاشرہ ہے، حالانکہ ہم حق دار تھے، کہ ان کی تہذیب وتمدن کو چیلنج کرتے، اور پوری طاقت سے کہتے، اے مغربیو! ہماری شاگردی اختیار کرو، ہم سے سیکھو، طہارت ونظافت، خوش پوشاکی اور اعلیٰ طریق زندگی، زندگی کے اصول، ہم سے معلوم کرو، ہم سے شرم وحیا، اور عفت وپاکیزگی کا سبق لو، تم اگر صفائی، ستھرائی، لطافت وجمال اور ہدایت واصلاح کی زندگی گذارنا چاہتے ہو تو ہمارے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرو لیکن ہم میں یہ کہنے کی جرأت نہیں، اس لئے ہمیں اپنی ذات، اپنے دین، اپنے عقائد، اپنی خداداد صلاحیتوں اور اپنی فہم ودانائی پر اعتماد نہیں رہا، ہم بداعتمادی کا شکار ہو گئے، ہم تہذیب وتمدن اور انسانی قدروں میں غیروں کے دست نگر اور بھکاری ہو چکے، مغربی تہذیب سے مرعوبیت اور اس کی اہمیت وعظمت نے ہمیں بکریوں کے ریوڑ کی طرح ہانکنا شروع کیا، ہمارے ہوش وحواس باختہ کر دیئے، ہم پروانہ وار اس پر گرنے لگے، ہم اس طرح اس تہذیب پر بے تحاشہ ٹوٹ پڑے، جس طرح پیاسا پانی پر ٹوٹ پڑتا ہے، ایک دیا تھا، جس کی روشنی دیکھ کر پروانے آگئے، اور اس کی لو سے ٹکرا ٹکرا کر موت کے منہ میں چلے گئے، ہم نے مغربی تہذیب کے سامنے اپنی حقیقت اور اپنی قدرت واختیار کو بھولی بسری کہانی بنادیا، اگر ہم کو فائدہ ہی اٹھانا تھا تو اس کا طریقہ یہ تھا کہ ہم اپنے مطلب کی نفع مند اور کار آمد چیزیں اختیار کر لیتے، اور "خُذْمَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدِرَ" کے قدیم حکیمانہ قول پر عمل کرتے ہوئے ان صاف ستھری چیزوں کو اپناتے جو ہمارے عقائد، اخلاق

واقدار سے ہم آہنگ ہوتیں، ہم مغرب کی ٹکنالوجی اور سہولت وراحت کے مفید وسائل اختیار کر کے ان کو اپنے تابع، ماحول کے مطابق اس طرح بناتے کہ یہ تہذیب وتمدن ہمارے تابع ہو کر رہتا۔

اسلامی تہذیب کی حفاظت میں خواتین کا حصہ

غیر اسلامی تہذیب وتمدن کے سلسلہ میں مسلمان خواتین کا موقف ایک روشن اور باعزت موقف تھا، اگر مسلمان خواتین کا یہ رویہ نہ رہا ہوتا تو مسلمان رہنما، امراء وحکام، سلاطین وبادشاہ اور اسلامی سپاہ کے کمانڈر اسلامی سوسائٹی، اسلامی شخصیت اور اسلامی تہذیب وتمدن کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے، اگر تقویٰ شعار، امانت دار، شریف پختہ ایمان والی خواتین، اسلامی تہذیب اور اسلامی تشخص کی حفاظت اور اس کی بقا کے لئے مردوں کے ساتھ مکمل تعاون نہ کرتیں، اسلامی عائلی نظام کے قیام اور ایسے اسلامی گھر کی جو اسلامی تربیت کے زیر اثر پروان چڑھ رہا ہو، اور جہاں پاکیزگی، محبت وامن کی فضا ہو، تعمیر میں مردوں کا ہاتھ نہ بٹاتیں، اگر خدا کی باعزت صالح اور نیک بندیاں جو اسلامی تشخص کی پاسبان ہیں، باعزت اور شریف مردوں کی مدد نہ کرتیں، اور ان کو سہارا نہ دیتیں تو مسلمانوں کو اپنے اسلامی تشخص، اسلامی تہذیب وتمدن کے ساتھ باقی رہنا مشکل تھا، ان خواتین کا اسلامی تشخص کی حفاظت ہی نہیں بلکہ اسلامی وجود کی بقاء میں بڑا حصہ ہے، ان کی حفاظت کے نتیجہ میں دین اپنی تہذیب وتمدن اپنی معاشرت واخلاق، اپنے اقدار وتصورات کے ساتھ صحیح وسالم ہم تک پہونچا۔

خواتین سے آج بھی توقع ہے

آج بھی ہمیں اسلامی سوسائٹی کے اس عظیم رکن اور جسم اسلامی کے اس مؤثر وفعال عضو سے توقع ہے کہ وہ مغربی تہذیب کا سایہ بننے کے بجائے اپنے اوپر مغربی تہذیب کا سایہ بھی نہ پڑنے دیں گی، ان کو چاہئے کہ اس مغربی تہذیب کے پیچھے دوڑنے اور اس ریس میں شریک ہونے کے بجائے اس کے ضروری اور مفید اجزاء اختیار کریں، اور ہر اس چیز کو ترک کر دیں جو دین، ان کی عزت وشرافت، ان کے اخلاق و آداب اور ان کی اسلامی شخصیت کے منافی ہو، ہمارے گھر اسلامی گھروں کا نمونہ ہوں، کوئی یورپین آدمی آئے اور کسی مسلمان کے گھر میں داخل ہو تو اسلامی نظم ونسق، ثقافت، حیا وعفت، شرم وحجاب، پردہ، احترام، چھوٹوں پر شفقت اور محبت واخوت کے اسلامی مظاہر دیکھے، وہ شوہر وبیوی، بھائی بہن، ماں باپ کے درمیان تعلقات کی وہ نوعیت دیکھے، اور زندگی کا وہ طرز اس کے سامنے ہو، جس سے وہ بالکل ناواقف ہے، بجائے اس کے کہ ہم ان کی تقلید کریں، وہ ہمیں دیکھ کر جب واپس جائیں، تو ان کے دل کی آواز ہو، کہ ہمیں اسلامی تہذیب وتمدن کی نقل کرنا چاہئے، وہ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں سے جا کر بتائیں کہ ہم نے ایک اسلامی ملک میں تھوڑا وقت گذارا، اور جو دیکھا وہ بیان سے باہر ہے، سچ یہ ہے کہ ہم نے جنت ارضی دیکھ لی، ہم نے ایک مسلمان کا گھر کیا دیکھا، گویا جنت دیکھ لی، خدا کی قسم یہی اسلامی زندگی جنت ہے اور جو زندگی ہم گذار رہے ہیں وہ آگ کی بھٹی ہے، یہاں سے واپس ہونے والا امریکن پھر وہاں امریکنوں سے کہے گا کہ اے لوگو! تم دوزخ میں جل رہے ہو، خدا کی قسم مسلمان جنت کے مزے لوٹ رہے ہیں، لیکن

افسوس ہے کہ امریکہ اور یورپ جاکر یہاں کا آدمی دیکھتا ہے کہ یہ سارے عرب ممالک ایک ایڈیشن ہیں، یہ سب ایک کتاب کا ایک ہی ایڈیشن ہیں، جس میں صفحہ، سطر، حرف سب یکساں ہیں، وہاں کا آدمی یہاں آتا ہے تو اسے مغربی تہذیب کی مکمل تصویر نظر آتی ہے، اس لئے وہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ یہ سکون، امن وامان، راحت واکرام، انس ومحبت اور قلبی اطمینان اسلامی زندگی کے خصائص ہیں۔

میں نہیں کہتا کہ آپ بجلی، کار اور دوسری تمدنی سہولتوں سے مستغنی ہو جایئے لیکن میں کہتا ہوں کہ اعلیٰ اقدار اور ہماری تہذیب اسلامی ہونی چاہئے، اور آپ اپنی فہم ودانائی، اپنے عزم وادارہ سے، جس میں عورتیں مشہور اور اپنے ارادہ کی پکی ہوتی ہیں، صحیح سچی اسلامی زندگی کی نمائندگی کر سکتی ہیں، آپ کلیۃ البنات قطر کی معزز خواتین، ایک نئی شاہراہ قائم کر سکتی ہیں، آپ پاکستانی، انڈونیشی اور ہندوستانی عورتوں کے لئے راہ ہموار وآراستہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں، کیونکہ آپ کو قیادت ورہنمائی کا مقام حاصل ہے، آپ اس اسلامی عربی شہر میں عالم انسانی اور عالم اسلامی کی عالمی قیادت کے منصب پر فائز ہیں،

میں ان گذارشات کے ساتھ اپنی بات ختم کرتا ہوں، اور اپنی فاضل اور معزز بہنوں سے بات کرنے کا جو مبارک موقع ملا، اس پر شکریہ ادا کرتا ہوں، مجھے امید ہے کہ جو بات کہی گئی ہے وہ سمجھی بھی گئی ہوگی، اور انشاءاللہ نتیجہ سے خالی نہ رہے گی، اور یہ شہر اس تجربہ کو عملی شکل دینے میں قائدانہ کردار ادا کرے گا(۱)۔

---

(۱) ماخوذ: خواتین اور دین اسلام۔ ص ۱۹ تا ص ۳۹

• وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ اُوْلٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ.

• ایمان والے اور ایمان والیاں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں، نیک باتوں کا آپس میں حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں، نماز کی پابندی رکھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان پر ضرور رحمت کرے گا۔ بیشک اللہ بڑا اختیار والا ہے اور بڑی حکمت والا ہے۔

مسلم خواتین کی علمی و دینی خدمات

مسلم خواتین کی علمی و دینی خدمات

علم کا میدان عورتوں کے کارناموں سے درخشاں ہے

مجھے افسوس ہے کہ فضلاء امت کی تو سیکڑوں تاریخیں ہیں مگر فاضلات امت کی تاریخ بہت کم لکھی گئی ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مورخین اور سوانح نگاروں کو جیسے ابن خلکان گذرے ہیں جیسے طبقات الشافعیہ الکبریٰ، طبقات حنابلہ وغیرہ انہوں نے عورتوں کو بالکل نظر انداز نہیں کیا بلکہ ادبی تاریخوں میں ان کے نام آتے ہیں۔ میں صرف ایک مثال دیتا ہوں شاید بہت سے لوگوں کے لئے انکشاف ہو یعنی خواتین کی علمی کوششوں، علمی جدوجہد، علمی ذوق و شوق اور شغف کی کامیابی کی ایک ایسی روشن مثال ہے جس سے آدمی پر ایک تحیر قائم ہو جاتا ہے آپ سے پوچھوں کہ قرآن مجید کے بعد اسلام کے پورے کتب خانہ میں اور اس پورے علمی ذخیرہ میں جو رسول ﷺ کے صدقہ میں اس امت کو عطا ہوا ہے اس کی بنیاد "علم بالقلم" کی وحی سے پڑی ہے اس کے قلم کی حرکت سے جو دنیا میں بے نظیر کتب خانہ تیار ہوا اس میں کتاب اللہ کے بعد کس کا درجہ ہے یہی پوچھوں تو بالاتفاق جواب دیں گے کہ صحیح بخاری کا درجہ ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ صحیح بخاری ہمارے ہندوستان میں ہر مدرسہ کے لئے معیار فضیلت ہے اس کو علماء اسلام نے اصح کتاب بعد کتاب اللہ کہا، اس کی کتاب کے بعد صحیح

ترین کتاب صحیح بخاری ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے متعلق حجۃ اللہ البالغۃ میں لکھا ہے "وکل من یھون شانھما فھو مبتدع متبع غیر سبیل المؤمنین "جو ان دونوں کتابوں کی تحقیر کرے اور دونوں کے ساتھ استخفاف کا معاملہ کرے، ان کے لئے تنقیص کا کوئی لفظ استعمال کرے یا اس کی اہمیت گھٹائے وہ مبتدع اور متبع غیر سبیل المؤمنین ہے اور اس نے مومنین کا راستہ چھوڑ دیا ہے (۱)۔

فن حدیث میں عورتوں کا درجہ

آج ہمارے مدارس میں بخاری شریف پڑھائی جاتی ہے اور پڑھائی جائے گی۔ آپ جانتے ہیں وہ بخاری شریف کس کی روایت سے ہے کریمہ کی روایت ہے، امام بخاری کے سیکڑوں، ہزاروں شاگردوں میں کریمہ کے جتنے شاگرد ہیں، میں اپنے مطالعہ کی بنیاد پر کہتا ہوں، ان کے شاگردوں کے شاگردوں کی اتنی بڑی تعداد ہے۔ اور ان کی روایت کو جو اللہ تعالیٰ نے قبولیت عطا فرمائی شاید ان کے کسی دوسرے شاگر کو قبولیت عطا نہیں فرمائی شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ نے جو بخاری شریف پڑھی اور پڑھائی اور مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے جو بخاری شریف پڑھی اور پڑھائی اور شیخ حسین بن محسن انصاریؒ نے بھوپال میں جو درس دیا، اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، وہ جو بخاری شریف پڑھاتے رہے وہ کریمہ کی روایت ہے، کتنا بڑا شرف ہے کوئی امت اس کو پیش کر سکتی ہے، جب امام بخاریؒ کے شاگردوں نے کوشش کی، اور اللہ تعالیٰ نے جیسے ان کے تلامذہ کی کوشش کو بار آور کیا اور آج دنیا میں ان کا نام

---

(۱) تعمیر حیات ۱۰ ر فروری ۱۹۸۱ء

و نشان باقی ہے ویسے ہی ان کی تمیذات کی کوششوں کو کچھ زیادہ ہی بار آور کیا اور یہ چیز ہمارے اسلامی معاشرہ میں آخر تک باقی رہی، کسی نے حضرت مولانا لطف اللہ رحمۃ اللہ علیہ پر الزام لگایا کہ آپ بھوپال کو سومناتھ کہتے ہیں آپ نے فرمایا میں نہیں کہتا ہوں میں سلطنت مومنات کہتا ہوں، سلطنت مومنات نقطۂ عروج پر تھی نواب سکندر جہاں بیگم، نواب شاہجہاں بیگم جیسی فاضلہ بیگم کا دور تھا، وہاں کے مفتی اعظم مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب تھے، مولانا عبدالحی برہانوی جو حضرت سید احمد شہیدؒ کے پہلے خلیفۂ اعظم تھے، (ان کو شاہ اسمٰعیل شہیدؒ سے پہلے خلافت ملی، ان کے صاحبزادے تھے) مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب کا حال بھوپال کے لوگوں نے بیان کیا اور مولانا حیدر حسن خاں صاحب بیان کرتے تھے کہ ان کے پاس کوئی مقدمہ آتا تھا اور اس میں کوئی فیصلہ نہیں کرپاتے اور اس فکر میں پڑ جاتے کہ اس میں مسئلہ شرعی کیا ہے تو کہتے ابھی آتا ہوں اور گھر میں جاکر اپنی اہلیہ جو حضرت مولانا شاہ اسحاق صاحب کی صاحبزادی تھیں، پوچھتے کیا آپ نے اپنے والد صاحب سے کوئی روایت سنی ہے یا اس مسئلہ میں آپ کے علم میں کوئی بات ہے اور اگر فیصلہ کرتے، اور بعض اوقات تو بلا تکلف کہہ دیتے میں ذرا بیوی صاحبہ سے پوچھ آؤں، کوئی مثال ہے اس کی دنیا میں، آج کتنے بڑے مغرب کے دعوے ہیں اور ان کی کیا حقیقت ہے۔

فن ادب میں عورتوں کا درجہ

ہمارے یہاں ادبیات تک حال یہ ہے کہ ولادہ بنت المستکفی کا نام یاد ہے اسپین کے امراء میں ایک کی صاحبزادی تھی ان کا ادبی و شعری دربار ایسا منعقد ہوتا تھا جیسے

بادشاہوں کے دربار منعقد ہوتے تھے، بڑے بڑے ادباء ان کے پاس استفادہ کے لئے
آتے تھے، میں کہاں تک مثالیں دوں تاریخ تو میری کمزور ہے میں اس میں تفصیل کے
ساتھ نہیں جانا چاہتا، میں تو قرآن مجید کے اس اعجاز کا لطف اٹھانا چاہتا ہوں اور بتانا چاہتا
ہوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لااضیع عمل عامل منکم، عمل بھی یہاں نکرہ، عامل بھی
یہاں نکرہ کسی عمل کرنے والے کے کسی عمل کو میں ضائع نہیں کرتا جس میں تم کوشش
کروگے، کوشش کروگی اگر تم نے عبادت میں کوشش کی تو ہم تم کو رابعہ بصریہ کے مقام
اور اس سے بھی آگے کے مقام تک پہونچا سکتے ہیں۔

علمی دنیا میں عورتوں کی خدمات

ہم آپ کو خدا کی قسم کھا کر بتاتے ہیں کہ دین کے احکام پر عمل کرنے سے اور
دین کا ضروری علم حاصل کرنے سے اس پر عمل کرنے سے، مستورات نے اسلامی تاریخ
میں، اسلامی دنیا میں وہ وہ ترقیاں حاصل کی ہیں روحانیت کے اس درجہ تک پہونچی ہیں
جس درجہ تک اس زمانے میں ہزاروں نہیں لاکھوں مرد نہیں پہونچنے پائے، آج ہم
آپ سے پوچھتے ہیں کیا رابعہ بصریہ کا نام آپ نے نہیں سنا کہ رابعہ بصریہ کون تھیں ان
کے زمانے میں ہزاروں نہیں لاکھوں آدمی بھی ان کے درجے کو نہیں پہونچے ہوں گے
اور اس کے علاوہ تاریخ پڑھیں اور خود مستورات کی اور مسلمان فاضلات کی اور مسلمان
ادبیات کی تاریخیں الگ الگ لکھی گئی ہیں، تو آپ کو معلوم ہوگا کہ علمی حیثیت سے بھی
ہماری بہنیں پرانے زمانے میں ایسے درجہ تک پہونچی ہیں کہ تاریخ میں نام آئے ہیں کہ
بڑے بڑے اس زمانے کے علامہ ان سے رجوع کرتے تھے، اس وقت ہم ان کے نام لے

نہیں سکتے وہ بہت ہیں اور مجھے سب یاد بھی نہیں اندلس، بغداد اور قاہرہ میں اور حرمین شریفین میں ایسی عورتیں تھیں کہ ان سے لوگ مسئلے پوچھنے جاتے تھے اور عربی لغت کی تحقیق کرنے جاتے تھے، ان سے علمی استفادہ کے لئے جاتے تھے ان کے نام ہیں تاریخ کے اندر، ان کے شاگردوں کے نام ہیں، کتنے بڑے بڑے شاگرد ہوئے، تو یہ دولت علم کی دولت مردوں کے ساتھ مخصوص نہیں، مرد عورت دونوں کے لئے ہے۔

ہندوستان میں عورتوں کی دینی خدمات

آپ حضرات ہندوستان ہی کی تاریخ پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہاں کتنی بیبیوں نے قرآن مجید کی تعلیم اور دینیات کی ترویج اور بدعات کی تردید اور سنتوں کی اشاعت کا کام کیا ہے، ایک شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا خاندان دیکھ لیجئے کہ وہاں ایسی بیبیاں گزری ہیں کہ جنہوں نے دہلی میں اور بعض مرتبہ دہلی کے باہر بھی ان کا فیض پہونچا اور کم سے کم یہ کیا کم بات تھی کہ ان کی آغوش تربیت میں ان کی گود میں شاہ عبد القادرؒ پیدا ہوئے، شاہ رفیع الدین پیدا ہوئے، شاہ عبد العزیزؒ پیدا ہوئے یہ کن کی گودوں میں پیدا ہوئے تھے اور پھر ہمارے یہاں اودھ میں دیکھئے یہاں کیسی کیسی بیبیاں پیدا ہوئیں، میں ایک چھوٹی سی مثال دیتا ہوں کہ حضرت سید احمد شہیدؒ رائے بریلی میں پیدا ہوئے، وہاں کے خاندان میں ہی نہیں بلکہ ان کا فیض سارے ہندوستان میں پہونچا ان کے ہاتھ پر ۲۵، ۳۰ ہزار آدمی مسلمان ہوئے اور ۳۰ لاکھ کے قریب لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت اور توبہ کی، ان کے حالات میں لکھا ہوا ہے دیکھنے اور سننے میں تو بہت معمولی بات معلوم ہوگی لیکن دیکھئے کس درجہ کی کتنی اونچی بات ہے کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ان کی

والدہ صاحبہ نماز پڑھ رہی تھیں اور ان کی دائی بیٹھی تھیں کہ ایک دم سے کوئی آدمی گھر میں آیا گھر میں اس آدمی نے کہا کہ دو فرقوں میں فساد ہو گیا اور لڑائی ہو رہی ہے اور آپ کو جہاد کے لئے دعوت دی، آپ تیار ہو گئے، ماشاء اللہ آپ جوان تھے اور بہت ورزشیں کئے ہوئے اور بڑے پھرتیلے تھے، دائی نے کہا نہیں نہیں، یہ نہیں جاسکتے، عمر بھی اس وقت شاید ۱۳، ۱۴ برس کی رہی ہوگی والدہ خوب سمجھتی اور جانتی تھیں کہ وہاں جاکر شہادت کی خبر آسکتی ہے، ہم یہیں بیٹھے ہیں کہ معلوم ہوا کہ شہید ہو گئے یا زخمی ہو کر وہاں سے واپس لائے جاسکتے ہیں، تو دائی نے روک دیا، اور والدہ صاحبہ نے جب سلام پھیرا حیرت کی بات ہے انہوں نے کہا بی بی تم نے کیوں روکا، تم نے اس سعادت سے کیوں محروم رکھا، ہمارے بیٹے کو جانے دینا چاہئے تھا یہ جہاد کا معاملہ تھا، اب آپ بتایئے کہ کس درجہ کا کیسا یقین وایمان ہو گا اس خاتون کے اندر اور وہ علم دین سے کتنی واقف ہوں گی، اور پھر کتنا اس کے اندر ایثار و قربانی کا جذبہ ہو گا کہ اپنے بیٹے کو اس خطرے میں ڈالنے کے لئے تیار اور دائی جس کا ایک عارضی خادمانہ رشتہ ہوتا ہے وہ روکے مگر دودھ پلانے والی اور اس کو وجود میں لانے والی شفیق ماں کہے کہ نہیں، ان کو جانا چاہئے تھا، ایسی سیکڑوں ہزاروں مثالیں آپ کو ملیں گی یہ سب کے بیان کرنے کا موقع نہیں، آپ کو بہت سے ایسے انشاء اللہ ملیں گے، علماء فضلاء اور دین کے داعی و خدمت کرنے والے کہ ان سے آپ اگر یہ پوچھیں کہ آپ کی یہ حالت کیسے ہوئی؟ آپ اس درجہ تک کیسے پہونچے؟ آپ کی یہ سیرت کیسے بنی؟ تو ان میں سے بہت سے یہ کہیں گے کہ ہماری ماں نے ایسی ہی تربیت کی تھی اور امید ہے کہ اس مجمع میں بھی ایسے لوگ بیٹھے ہوں گے جو اپنی ماں کے ممنون احسان ہوں گے، اور ہم شہادت دے سکتے ہیں کہ ہمیں ہماری ماں نے جھوٹ بولنے سے روکا، ہماری ماں نے ہم کو حق تلفی کرنے سے، کسی پر زیادتی کرنے

سے، کسی پر ہاتھ بڑھانے سے روکا، ہم اپنی ماں کو دیکھتے تھے، ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے تو جب سے ہوش سنبھالا ہے اور ہمیں یاد ہے کہ ہم نے اپنی والدہ صاحبہ کو تہجد پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، معلوم ہوا کہ نماز تہجد نہیں چھوٹتی ہے اور ہم فخریہ نہیں کہتے لیکن عرض کرتے ہیں کہ ہمارے بچپن میں ہمارے چھوٹے سے خاندان میں چار گھر رہے ہوں گے تکیہ پر یہ سوال کیا گیا کہ کیا عورتیں تراویح پڑھ سکتی ہیں؟ اور کیا عورتوں کی تراویح باجماعت ہو سکتی ہے؟ تو علماء فرنگی محل نے یہ فتویٰ دیا کہ اگر عورت امام ہو اور عورتیں ہی اس کی مقتدی ہوں تو جماعت کرنے میں کوئی حرج نہیں، چنانچہ ہماری والدہ صاحبہ مرحومہ اور ہماری خالہ زاد بہن اور ہماری پھوپھی یہ سب قرآن مجید پڑھتی تھیں اور تراویح میں ایک قرآن مجید ہمارے گھر میں ختم ہو جاتا۔

اس کے علاوہ عورتوں میں مصنفات گزری ہیں اور ایسی بڑی بڑی بعض مصنفات ہیں کہ ان کی کتابیں علمی خانے کی زینت ہیں اور بعض تو اس میں مردوں سے بھی بازی لے گئیں ہیں۔

اس ملک میں مسلمان بن کر رہنے کی آدھی ذمہ داری عورتوں پر ہے

ہم صاف کہتے کہ مسلمانوں کا اس ملک میں مسلمان بن کر رہنا، قرآن شریف پڑھنے کے قابل ہونا، اردو کتابوں سے فائدہ اٹھانا، اسلامی شعائر و احکام سے واقف ہونا، اسلامی تہذیب اختیار کرنا اور اس پر قائم رہنا اور توحید کے عقیدے پر مضبوطی سے جمنا، اس میں آدھی سے زیادہ ذمہ داری ہماری بیبیوں اور عورتوں پر ہے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہماری دینی تعلیمی کونسل کو اور قاضی جلیل عباسی صاحب مرحوم کو اور ہمارے ڈاکٹر اشتیاق صاحب کو اور ان کی عمر میں، صحت میں ترقی ہو کہ انہوں نے یہ بات گھر گھر پہونچانے کی کوشش کی ہے کہ اس وقت کچھ کوشش کر لی جائے، کہ ہمارے بچے قرآن مجید پڑھنے کے قابل بن جائیں، قرآن مجید تو عربی میں لکھا ہے اسے پڑھ سکیں اور اردو پڑھ سکیں، دینیات کی کتابوں سے فائدہ اٹھائیں اور شرک و توحید کا فرق سمجھیں، سنت و بدعت کا فرق سمجھیں اور گناہوں کو سمجھیں کہ کون کون سی چیزیں گناہ ہیں۔

ہماری پڑھی لکھی بہنوں کی ذمہ داری

اگر یہ نہ ہوا اور اس میں ہماری خواتین اور ہمارے گھر کی پڑھی لکھی دیندار بیبیوں نے اس کی طرف توجہ نہ کی اور نہ ہی دلچسپی لی تو میں آپ سے صاف کہتا ہوں اور دل پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہوں کہ اس ملک میں مسلمان کا مسلمان رہنا مشکل ہو گا بلکہ یہ ملک اسپین بن جائے گا، اور آج بتاتا ہوں آپ کو کہ یہ نقشہ اور منصوبہ تیار ہے کہ اس ملک کو اسپین بنا دیا جائے اور اسپین کیا ہے بہت سی بڑی بڑی بیبیاں نہیں جانتی ہوں گی کہ اسپین یورپ کا ایک ایسا ٹکڑا تھا جو کہ خالصۃً مسلمان ملک ہو گیا تھا، وہاں بڑی اسلامی شان و شوکت کی سلطنتیں قائم ہوئیں اور وہاں بڑے بڑے اولیاء اللہ پیدا ہوئے، شیخ اکبر کہ جن کا نام ہر شخص کی زبان پر ہے یہ وہیں کے رہنے والے تھے، مالکی مذہب کا ایک مسئلہ ہے کہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ مدینہ میں ایسا ہوا کرتا تھا تو اب کسی دلیل کی ضرورت نہیں، ان کا عمل حجت اور دلیل ہے۔

تاریخ میں لکھا ہے ایک زمانہ ایسا تھا کہ مالکیوں میں ایک یہ اصول بھی تھا کہ اہل قرطبہ کا عمل حجت ہے، اہل قرطبہ ایسا کرتے ہیں، اس کی اہمیت ایسی ہے کہ قرطبہ کے متعلق یہ کہہ دینا کافی تھا کہ وہاں ایسا ہوتا ہے، وہ اسپین کہ جہاں اولیاء اللہ پیدا ہوئے چوٹی کے علماء، مؤطا کے شارحین پیدا ہوئے اور بڑے بڑے مجاہدین پیدا ہوئے اور پورے اسپین پر اسلامی حکومت تھی اور جامع قرطبہ اور جامع اشبیلیہ اور جامع غرناطہ کیسی کیسی مسجدیں ہیں جن کی مثال ملنی مشکل ہے۔

اس ملک کو وہاں کے غیر مسلم باشندوں نے منصوبہ بنا کر اور اس میں کچھ ہمارے مسلمانوں کی کوتاہی تھی انہوں نے ان کو مانوس نہیں کیا تھا اس طرح وہاں غیر مسلموں نے اسلام کو خارج کر دیا، جو بچے کھچے مسلمان تھے وہ غرناطہ سے مراکش پہونچ گئے اور آج پورا اسپین خالی ہے نہ کہیں سے اذان کی آواز آتی ہے اور نہ کہیں کوئی مدرسہ ہے۔

ویسے لوگوں نے کہا ہے کہ ہم نے فضا سے آوازیں سنی ہیں اذان کی، قرآن کی، یہ نہیں پتہ چلتا ہے کہ کہاں سے آوازیں آرہی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ روحانی فضا سے آوازیں آرہی ہیں کہ کچھ اللہ کے مقبول بندوں نے قرآن پڑھا تھا، اللہ کے بندے جب ریکارڈ کر سکتے ہیں تو اللہ کیوں نہیں کر سکتا ہے تو اللہ نے اس کو ریکارڈ رکھا ہے، اور ان کی آوازیں سب سن رہے ہیں اور آپ سے کہتے ہیں کہ آج ساری کوشش جو ہو رہی ہے یہ ندوۃ العلماء ہو یا جو بھی ہمارا خاص مدرسہ اور ادارہ یا دارالعلوم دیوبند ہو، یا جامعہ ملیہ ہو یا مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ہو، اور بھی کوئی بڑا مدرسہ یا کالج ہو، یونیورسٹی ہو، وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

---

(۱) تعمیر حیات ۱۰؍اکتوبر ۱۹۹۶ء

ہماری مستورات نے توجہ نہ کی تو ملک خطرہ میں ہے

مسلمان آئندہ مسلمان نسل کو مسلمان رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک ہمارے گھر کی مستورات، بیگمات، ہماری مائیں اور بہنیں اس کا ارادہ نہ کرلیں اور یہ طے نہ کرلیں کہ ہم اپنے بچوں کو دین سے واقف کرائیں گے، پرائمری اسکول میں جانا ضروری ہے جائیں لیکن ہم مغرب بعد انتظام کریں گے، کس کو بلائیں گے یا صبح جانے سے پہلے کوئی انتظام کریں گے ان کو اردو پڑھائیے، ان کو اردو لکھنے کی مشق کرائیے، ان کا کلمہ سن لیجئے یہ معلوم کرلیجئے کہ اتنی سورتیں ان کو یاد ہیں کہ نماز میں پڑھ سکیں؟ اگر اس کی طرف ہماری مستورات نے توجہ نہ کی تو یہ ملک خطرہ میں ہے بس اس جلسہ کا ہم بھی بڑا فائدہ سمجھتے ہیں، اصل بات جو یہاں کہنے کی ہے اور میں اسے امانت کے طور پر چھوڑ کر جاتا ہوں وہ یہ ہے کہ اپنے بچوں کی خود فکر کیجئے، اپنے ہی گھروں کے نہیں اپنے محلے اور بہنوں، سہیلیوں اور رشتہ داروں بیبیوں کو بھی توجہ دلائیے کہ دیکھو بی بی، دیکھو بہن، اپنے بچے کو جہاں چاہو بھیجو لیکن اس کو اللہ کا نام سکھا دو، کہ اللہ ایک ہے وحدہ لاشریک ہے اور اللہ کے پیغمبر حضورؐ آخری پیغمبر تھے ورنہ آج تو ایسی ترکیبیں کی جاتی ہیں، لوگوں نے بتایا، کہا جاتا ہے اگر تمہاری کوئی چیز گم ہو جائے یا کوئی کام ہو، یا تکلیف ہو تو راستہ میں مندر آئے گا اس سے گزرتے ہوئے اس سے مانگ لینا، اور یہاں تک سازشیں ہوتی ہیں کہ کوئی چیز چھپا دی جاتی ہے، ایک طالب علم نے ایک طالب علم سے، کہ میری کتاب یا کاپی کہاں ہے؟ اس نے کہا رام کا نام لو، رام کا نام لو تو مل جائے گی، اس نے جو رام کا نام لیا تو اس نے چپکے سے نکال کر سامنے کر دیا اس طرح اس کے دل میں یہ عقیدہ ڈال دیا کہ

رام کا نام لینے سے مسئلہ حل ہوتا ہے کام ہو جاتا ہے، کھوئی چیز مل جاتی ہے یہ بڑی گہری اور بڑی وسیع سازش چل رہی ہے۔

ہندوستان کے اندر جو اولیاء اللہ کی سرزمین ہے، یہ مجاہدین کی سرزمین ہے، مجددین کی سرزمین ہے، جہاں پر مجدد الف ثانیؒ پیدا ہوئے یا خواجہ معین الدین چشتیؒ آئے یا شاہ ولی اللہ دہلوی صاحبؒ جیسا امام وقت پیدا ہوا، اور وہاں مولانا قاسم نانوتویؒ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد علی صاحب مونگیریؒ اور کیسے کیسے عالم، کیسے کیسے فاضل پیدا ہوئے اس ملک کے بارے میں یہ نقشہ بنایا جارہا ہے، نقشہ بنا ہوا موجود ہے، نام تھوڑے دن مسلمان رہے، باقی کوئی امتیاز نہیں ہونا چاہئے، آئندہ نسل جو ہو اس کو بالکل اسلام سے ناواقف کر دیا جائے چاہے منکر نہ بنیں لیکن اسلام سے ان کو ناواقف کر دیا جائے، بس یہ پیغام لے کر جائیے کہ اپنے گھروں میں پہلے اور پھر محلہ میں اور پھر برادری میں کہیں اگر شادی بیاہ میں جانا ہو تو وہاں کہیں، تقریب ہو تو وہاں جا کر کہیئے، وہاں بھی توجہ دلائیے۔

بہنو! سن لو:- بہنو! بیٹیوں! سن لو! اپنے بچوں کو مسلمان بناؤ، مسلمان رکھو، اور اُردو پڑھنا سکھاؤ قرآن مجید پڑھنے کے قابل بناؤ، توحید ان کے دل میں بٹھاؤ، شرک وبدعت سے، بت پرستی سے ان سب چیزوں سے روکو، اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کو توفیق دے اگر یہ کام ہو گیا تو اس میں بہت کچھ ضمانت ہے اسلام کے بقا کی اور تحفظ کی، ورنہ محض خارجی اور تنظیمی کوششیں اور محض اخبارات ورسائل اور محض کانفرنسیں یہ مفید ہوں، لیکن کافی نہیں ہیں (۱)۔

---

(۱) ماخوذ: تعمیر حیات ۱۰/۱ اکتوبر ۱۹۹٦ء

جہاد میں عورتوں کی خدمات

جہاد میں عورتوں کی خدمات

حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ کی بہادری

عورتوں کی شجاعت اور ہمت کی ایک مثال دینا چاہتا ہوں آپ سب نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا نام سنا ہوگا حضرت زبیرؓ بن عوام جو صحابی جلیل ہیں اور عشرہ مبشرہ میں ہیں، ان دس خوش قسمت افراد میں ہیں جن کا نام لے کر رسول ﷺ نے بشارت دی، زبیر بن العوام فی الجنۃ، سعد بن ابی وقاص فی الجنۃ، فلاں فی الجنۃ، اور خلفاء راشدین کا پوچھنا کیا، ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن زبیر بڑے عالم، بڑے فقیہ، بڑے بہادر، بڑے شجاع تھے، انھوں نے عبدالملک بن مروان کا مقابلہ کیا، اس کی حکومت نہج نبوت سے ہٹ گئی تھی تو آپ نے کوشش کی کہ اس کو منہاج نبوت پر لے آئیں اور عبدالملک بن مروان کے گورنر حجاج بن یوسف ثقفی سے سخت مقابلہ ہوا اور وہ شہید ہوئے، اس نے عبداللہ بن زبیر کو پھانسی پر لٹکا دیا اور کہا جب تک ان کی ماں سفارش نہیں کرے گی، انھیں نہیں اتاروں گا، عبداللہ بن زبیر صحابی ہیں، صحابی ابن الصحابی ابن الصحابیہ ہیں ان کی والدہ حضرت اسماء بنت ابی بکر ذات النطاقین حضرت ابو بکر کی صاحبزادی ہیں، لوگوں سے یہ منظر دیکھا نہیں جاتا تھا، آنکھوں میں آنسو آجائے تو کیا معنی، لوگ تڑپ تڑپ کر روتے تھے مجبور ہو کر ان کی والدہ صاحبہ کے پاس آئے اور

کہا خدا کے لئے ہم پر رحم کھایئے آپ کی ہمت میں تو کوئی فرق نہیں، کوئی فقرہ تو ایسا کہہ دیجئے جس سے ہم یہ منظر دیکھنے سے محفوظ ہو جائیں، تو آپ جانتے ہیں اللہ کی اس شیرنی نے اللہ کی اس بندی نے کیا فقرہ کہا، أَلَمْ يَأْنِ لِهٰذَا الْفَارِسِ أَنْ يَتَرَجَّلَ کیا اس شہ سوار کے لئے ابھی وقت نہیں آیا ہے کہ وہ پیدل ہو جائے، کن لفظوں میں کہا، اس وقت بھی ان کی فردسیت، بہادری اور شجاعت کہ أَلَمْ يَأْنِ لِهٰذَا الرَّاكِبِ أَنْ يَنْزِلَ کہا، کیا ابھی اس شہسوار کے لئے وقت نہیں آیا ہے کہ گھوڑے سے اترے، حجاج بھی انتظار میں تھا اس کو بھی لعنت پڑ رہی تھی اور اس نے اس کو بہانہ بنالیا، اور اتارنے کا حکم دیا۔

حضرت خنساءؓ کا صبر و استقامت

آپ میں سے پڑھے لکھے لوگوں نے حضرت خنساء کا نام سنا ہو گا وہ عربی زبان کی لازوال اور غیر فانی شاعرات میں سے ہیں ان کے دو بھائیوں کا انتقال ہو گیا تھا ان کے لئے ایسے دل دوز مرثیے کہے کہ ان کی نظیر صرف عربی مراثی ہی میں نہیں بلکہ عالمی مراثی میں یعنی دنیا کی مختلف زبانوں کے مرثیے کے ذخیرہ میں ان کی مثال ملنی مشکل ہے، میں عربی ادب کا طالب علم ہوں، اس کو پڑھا ہے یاد کیا ہے کیا شعر تھے ان کا یہ واقعہ اسلام سے پہلے کا ہے۔ یہی حضرت خنساء جب اسلام لے آئیں تو دیکھئے کہ اسلام نے نفسیات میں کیا انقلاب برپا کر دیا جس اللہ کی بندی نے اپنے بھائیوں پر رونا شعار بنالیا تھا اور ایسے ایسے مرثیے کہے کہ آدمی رونے لگتا تھا اور ان کی شاعری اسی پر مرکوز ہو گئی تھی لیکن بہر حال بھائی اور بیٹے میں فرق ہوتا ہے، بیٹا جگر کا ٹکڑا ہوتا ہے جگر کا گوشہ ہوتا ہے۔ ہزار بھائی سے محبت لیکن بیٹا تو جسم کا ایک جز ہوتا ہے ایک ٹکڑا ہوتا ہے۔ ایک غزوہ کے موقع پر

اپنے بیٹوں کو بلایااور ایک کو رخصت کیااور کہا بیٹا پیٹھ نہ دکھانا میں نے اس دن کے لئے تم کو دودھ نہیں پلایا تھااس کے بعد ایک ایک کی شہادت کی خبر سنتی رہیں اور جب آخری بیٹے کی شہادت کی خبر سنی تو ان کی زبان سے یہ لفظ نکلے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَکْرَمَنِیْ بِشَهَادَتِهِمْ، اے خدا تیرا شکر ہے کہ تو نے ان کو شہادت سے سرفراز فرمایا اور اس کی عزت بخشی (۱)۔

حضرت صفیہؓ کا دلیرانہ اقدام

مستورات جس قلعہ میں تھیں، بنو قریظہ کی آبادی سے متصل تھا، یہودیوں نے یہ دیکھ کر کہ تمام جمعیت آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہے قلعہ پر حملہ کیا، ایک یہودی قلعہ کے پھاٹک تک پہونچ گیا اور قلعہ پر حملہ کرنے کا موقع ڈھونڈ رہا تھا، حضرت صفیہؓ (آنحضرت ﷺ کی پھوپھی) نے دیکھ لیا، مستورات کی حفاظت کے لئے حضرت حسان (شاعر) متعین کردئے گئے تھے، حضرت صفیہؓ نے ان سے کہا کہ اتر کر اس کو قتل کردو، ورنہ یہ جا کر دشمنوں کو پتہ کرے گا، حضرت حسان کو ایک عارضہ ہو گیا تھا جس نے ان میں اس قدر جبن پیدا کر دیا تھا کہ وہ لڑائی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے تھے، اسی بنا پر اپنی معذوری ظاہر کی اور کہا کہ میں اس کام کا ہوتا تو یہاں کیوں ہوتا، حضرت صفیہؓ نے خیمہ کی ایک چوب اکھاڑلی اور اتر کر یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ سر پھٹ گیا، حضرت صفیہؓ چلی آئیں اور حسانؓ سے کہا کہ ہتھیار اور کپڑے چھین لاؤ، حسان نے کہا جانے دیجئے مجھ کو اس کی ضرورت نہیں، حضرت صفیہ نے کہا اچھا جاؤ اس کا

---

(۱) تعمیر حیات ۱۰ر فروری ۱۹۸۱ء۔

سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دو کہ یہودی مرعوب ہو جائیں، لیکن یہ خدمت بھی حضرت صفیہ ہی کو انجام دینی پڑی، یہودیوں کو یقین ہوا کہ قلعہ میں بھی کچھ فوج متعین ہے، اس خیال سے انھوں نے حملہ کی جرأت نہ کی (۱)۔

ماں اپنے جگر کے ٹکڑے کو جہاد اور شہادت پر آمادہ کرتی ہے

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ بنی حارثہ کے جس قلعہ میں مسلمان عورتوں کے ساتھ پناہ گزیں تھیں، اور اس وقت تک پردہ کا حکم نازل نہ ہوا تھا، سعد بن معاذ کی ماں بھی وہیں ان کے ساتھ تھیں، حضرت عائشہ کا بیان ہے، کہ میں قلعہ سے باہر نکل کر پھر رہی تھی عقب سے پاؤں کی آہٹ ہوئی، مڑ کر دیکھا تو سعد ہاتھ میں حربہ لئے جوش کی حالت میں بڑی تیزی سے بڑھے جارہے ہیں اور یہ شعر زبان پر ہے۔

لَبِّثْ قَلِيلاً يُدْرِكِ الْهَيْجَاءَ جَمَلْ　　لَابَأْسَ بِالْمَوْتِ إِذَا الْمَوْتُ نَزَلْ

ذرا ٹھہر جاناکہ لڑائی میں ایک شخص اور پہونچ جائے، جب وقت آگیا تو موت سے کیا ڈر ہے۔

حضرت سعد کی ماں نے سنا تو آواز دی بیٹا دوڑ کر جا، تو نے دیر لگادی سعد کی زرہ اس قدر چھوٹی تھی کہ ان کے دونوں ہاتھ باہر تھے، حضرت عائشہ نے سعد کی ماں سے کہا کہ کاش سعد کی لمبی زرہ ہوتی، اتفاق یہ کہ ابن العرقہ نے تاک کر کھلے ہوئے ہاتھ پر تیر مارا جس سے اکحل کی رگ کٹ گئی، خندق کا معرکہ ہو چکا تو آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے مسجد کے صحن میں ایک خیمہ کھڑا کرایا اور ان کی تیمارداری شروع کی اس لڑائی میں

---

(۱) ماخوذ سیرت رسول اکرم ﷺ ص ۸۱-۱۶۷۔

زبیدہ ایک خاتون شریک تھیں جو اپنے پاس دوائیں رکھتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں یہ خیمہ ان ہی کا تھا اور وہ علاج کی نگراں تھیں آنحضرت ﷺ نے خود دست مبارک میں مشقص لے کر داغا لیکن وہ پھر ورم کر آیا دوبارہ داغا لیکن پھر فائدہ نہ ہوا کئی دن کے بعد یعنی بنو قریظہ کی ہلاکت کے بعد زخم کھل گیا اور انھوں نے وفات پائی (۱)۔

خاتونان اسلام کی خدمت گذاری وجاں نثاری

غزوۂ احد میں اکثر خاتونان اسلام نے بھی شرکت کی، حضرت عائشہؓ اور ام سلیم جو حضرت انس کی ماں تھیں زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں، صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ میں نے عائشہ اور ام سلیمؓ کو دیکھا کہ پائنچے چڑھائے ہوئے مشک بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں، مشک خالی ہو جاتی تھی تو پھر جاکر بھر لاتی تھیں ایک روایت میں ہے کہ ام سلیط نے بھی جو حضرت ابو سعید خدری کی ماں تھیں یہی خدمت انجام دی، عین اس وقت جبکہ کافروں نے عام حملہ کر دیا تھا اور آپ کے ساتھ چند جاں نثار رہ گئے تھے، انصار میں سے ایک عفیفہ کے باپ، بھائی، شوہر سب اس معرکہ میں مارے گئے تھے، باری باری تین سخت حادثوں کی صدا اس کے کانوں میں پڑتی تھیں، لیکن وہ ہر بار صرف یہ پوچھتی تھی کہ رسول ﷺ کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا بخیر ہیں، اس نے پاس آکر چہرۂ مبارک دیکھا اور بے اختیار پکار اٹھی، **کل مصیبة بعدك جلل**، تیرے ہوتے ہوئے (آپؐ کے ہوتے) سب مصیبتیں ہیچ ہیں ؎

میں بھی اور آپ بھی، شوہر بھی برادر بھی فدا   اے شہ دیں تیرے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

---

(۱) ماخوذ سیرت رسول اکرم ﷺ ص ۱۹۰-۱۹۱

مسلمانوں کی طرف ستر آدمی مارے گئے، جن میں زیادہ تر انصار تھے لیکن مسلمانوں کے افلاس کا یہ حال تھا کہ اتنا کپڑا بھی نہ تھا کہ شہداء کی پردہ پوشی ہو سکتی، شہداء بے غسل اسی طرح خون میں لتھڑے ہوئے دو دو ملا کر ایک قبر میں دفن کئے گئے جس کو قرآن زیادہ یاد ہوتا اس کو مقدم کیا جاتا، ان شہداء پر نماز جنازہ بھی اس وقت نہیں پڑھی گئی آٹھ برس کے بعد وفات سے ایک دو برس پہلے جب آپ ادھر سے گذرے تو بے اختیار آپ پر رقت طاری ہوئی اور اس طرح آپ نے پردرد کلمات فرمائے جیسا کوئی زندہ کسی مردہ سے رخصت ہو رہا ہو، اور اس کے بعد آپ نے ایک خطبہ دیا کہ "مسلمانو! تم سے یہ خوف نہیں کہ تم پھر مشرک بن جاؤ گے، لیکن یہ ڈر ہے کہ دنیا میں نہ پھنس جاؤ(۱)۔

♦ ♦ ♦

---

(۱) ماخوذ: سیرت رسول اکرم ﷺ ص: ۱۶۸-۱۶۷۔

•••

يَاأَيُّهَاالنَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْراً وَّنِسَاءً وَاتَّقُوااللّٰهَ الَّذِىْ تَسَاءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْأَرْحَامَ، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْباً.

"لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی اوّل) اس سے اس کا جوڑا بنایا پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیئے، اور خدا سے جس کے نام تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو۔ ڈرو، اور (قطع مودّت) ارحام سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ یہ خدا تمھیں دیکھ رہا ہے۔

•••

ازدواجی زندگی
اور مرد و عورت کے باہمی تعلقات

ازدواجی زندگی اور مرد و عورت کے باہمی تعلقات

نکاح ایک عبادت، ایک ذمہ داری

نکاح زندگی کی اہم ضرورت ہے، اس ضرورت کے پورا کرنے میں سب ایک دوسرے کے محتاج ہیں، نکاح ایک اہم ترین عبادت بھی ہے، حضور علیہ السلام کی سنت بھی ہے، آپ نے فرمایا: النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی (نکاح میری سنت ہے جس نے میری سنت سے روگردانی کی وہ مجھ سے نہیں) بیوی سے اچھے تعلقات رکھنے، اس سے ہنسنے، بولنے، اس کے حقوق ادا کرنے میں بڑا ثواب ہے، حضورؐ نے فرمایا کہ میں قیامت میں اپنی امت کی زیادتی پر فخر کروں گا۔

کھانا پینا بھی زندگی کی اہم ترین ضرورت ہے اور عبادت بھی ہے، اگر آدمی سنت کے مطابق کھائے اور نیت یہ ہو کہ اس کے کھانے سے جو قوت آئے گی، اللہ کی مرضیات پر صرف ہوگی، نیز ذہن اس طرف بھی جائے کہ اللہ تعالیٰ یہ روزی ہمارے لئے کن کن حکمتوں سے پیدا فرماتا ہے، تو یہی کھانا کھانا جو بظاہر عبادت نہیں معلوم ہوتا، ثواب رکھتا ہے، کھانے کو اللہ تعالیٰ نے بقائے زندگی کا ذریعہ بنایا ہے اسی طرح نکاح اور بیوی کے

حقوق کی ادائیگی کو نسل انسانی کا ذریعہ بتایا ہے ایک بار صحابہ کرامؓ کے اس اشکال و سوال پر کہ کیا یہ بیوی سے ملنا جلنا بھی عبادت ہے؟ آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں، اگر انسان اپنی خواہشات غلط جگہ پوری کرے تو گناہ ہے کہ نہیں؟ صحابہ کرامؓ نے جواب دیا، ضرور ہے۔

حضورؐ نے سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ جو چیز گناہ سے بچائے اس میں ثواب کیوں نہیں ہے؟

مسلمانوں کی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جو شریعت سے خالی ہو اور شریعت کی پابندی میں بہر حال ثواب ہے اور مخالفت یا ترک میں گناہ ہے۔

لیکن افسوس جس طرح کھانے کی سنت و عبادت سے غفلت ہی غفلت ہے اسی طرح نکاح کی عبادت سے بھی غفلت ہی غفلت ہے، نکاح ہوتا ہے پورا خاندان شادی مناتا ہے، سارے اعزا خوشی مناتے ہیں لیکن بقول ایک بزرگ کے کہ نکاح کے موقع پر سارے روٹھے منائے جاتے ہیں، نائی، دھوبی، بھشتی حتی کہ بھنگی کو بھی خوش کر لیا جاتا ہے، مگر معاذ اللہ، اللہ و رسول کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی اور کہا جاتا ہے کہ یہ تو ارمان نکلنے کا وقت ہے سارے منہیات کئے جاتے ہیں، کھانوں میں بے جا تکلفات، جہیز کے دکھاوے، جہیز کے مطالبات، حیثیت سے زیادہ مہر، باجا گاجا اور نہ جانے کیا کیا، یاد رکھو وہ ارمان ارمان نہیں جس سے اللہ و رسول کی ناراضگی ملے۔

یہ نکاح یہی نہیں کہ اس سے دو بچھڑے مل جاتے ہیں یہی نہیں کہ یہ اعزا واقربا کی ملاقات اور ان کی خدمت کا ذریعہ ہے، یہی نہیں کہ دعوتیں کھانے کھلانے اور دوست واحباب کو پوچھنے کا بہانہ ہے، بلکہ یہ اللہ کی روٹھی ہوئی رحمت کو منا لینے کا بھی ذریعہ ہے بشرطیکہ یہ نکاح، یہ شادی، یہ ولیمہ حدود شریعت اور سنت کے مطابق ہو اس شادی سے لڑکے کے گھر میں کوئی کمی نہیں آتی بلکہ فرد کا اضافہ ہوتا ہے، لیکن بعض

نوجوان اپنی ناعاقبت اندیشی سے ایک کا اضافہ کر کے بہنوں کو نکال دیتے ہیں، یعنی ماں، باپ، بھائی بہنوں وغیرہ کو بھول کر صرف بیوی کے ہو رہتے ہیں، یاد رکھو جس اللہ کے نام سے دو غیر ایک ہوئے ہیں اسی کا حکم ہے وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَاءَ لُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ، جس اللہ کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہو تم بھی اس اللہ سے ڈرو اور قرابتوں کا لحاظ رکھو، ماں کا خیال رکھو، باپ کا خیال رکھو، بھائی بہنوں کی محبت باقی رکھو اور تمام عزیزوں کے حقوق ادا کرو اور بیوی سے بھی محبت والفت سے پیش آو، اس کے حقوق بھی ادا کرو (۱)۔

شادی کا پیام

شادی کا پیام یا منگنی کی رسموں کے بارے میں غالبًا ہندو اور مسلمانوں میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے، اس میں خاندانی حیثیت، اقتصادی حالت، اور رسم ورواج کی پابندی اور عدم پابندی کو بہت دخل ہے، جدید تعلیم اور تمدن ان سب چیزوں پر یکساں اثرانداز ہوا ہے (۲)۔

شادی محض ایک ضرورت کی تکمیل ہی نہیں ہے بلکہ یہ بہت بڑی عبادت ہے اللہ تعالٰی سے قرب کا ذریعہ ہے جیسے نماز، کوئی اور فرق نہیں ہے، صرف صورت کا فرق ہے۔ یہ نکاح محض رسم نہیں ہے، اسلام میں رسمی اور رواجی چیزوں کا تصور ہی نہیں، یہاں آکر یہ تصور پیدا ہو گیا ہے مگر ہے عبادت، عبادت ہی کے ذہن سے نکاح کیا جائے اور عبادت ہی کے ذہن سے اس میں شریک ہوا جائے۔

---

(۱) رضوان فروری ۱۹۷۶ء۔

(۲) ہندوستانی مسلمان ایک نظر میں ص ۳۲۔

نکاح میں اسلاف کا طریقۂ کار

اسلام میں نکاح کا فریضہ اور شادی کی تقریب بہت سادہ اور مختصر تھی، اس کو زندگی کے ایک فریضہ، ایک فطری تقاضہ اور ایک عبادت کی حیثیت سے ادا کیا جاتا تھا صرف ایجاب وقبول کے دو لفظ اور دو گواہ اس کے لئے ضروری ہیں، اس کا مقصد یہ ضمانت ہے کہ یہ تعلق مجرمانہ اور رازدارانہ طریقہ پر اور چوری چھپے نہیں ہے، اسی لئے کسی قدر اعلان اور تشہیر کے ساتھ اس کا ہونا ضروری ہے، اور اس کے لئے گواہ لازمی ہیں، مرد مہر کا ادا کرنا ضروری سمجھے، اور عورت کی حفاظت وعزت، اور اس کے نان ونفقہ کی ذمہ داری لے، اس کے سوا کوئی اور چیز ضروری نہ تھی، اسلام کی تاریخ میں اس کی بھی مثالیں ملتی ہیں کہ باوجود اس کے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم اور مدینہ کی آبادی محدود تھی، بعض ایسے صحابیوں نے جو مکہ سے ہجرت کر کے آئے تھے، اور جن کے رسول ﷺ سے نہایت گہرے خاندانی اور وطنی تعلقات تھے، مدینہ میں شادی کی اور خود پیغمبر اسلام کو (جن کی شرکت باعث برکت بھی اور موجب عزت بھی تھی) محفل نکاح میں شرکت کی دعوت کی ضرورت نہیں سمجھی، اور آپ کو اس پر مسرت واقعہ کا علم واقعہ کے انجام پائے جانے کے بعد کسی قرینہ سے ہوا(۱)۔

---

(۱) ایک جلیل القدر صحابی عبدالرحمٰن بن عوف نے مدینہ آکر شادی کی، اگلے دن جب رسول ﷺ نے ان کے کپڑوں میں خوشبو کا اثر محسوس کیا تو دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کل ان کا نکاح تھا، اس پر آپ نے فرمایا ولیمہ ضرور کرنا، چاہے ایک بکری کا (حدیث صحیح)۔

نکاح کے وقت مختصر تقریر اور حقوق زوجین کا ذکر

اب کچھ عرصہ سے بہت سے علماء خطبہ کا عربی حصہ اور آیات پڑھنے کے بعد اردو میں مختصر تقریر کرنے لگے ہیں، جس میں نکاح کی حقیقت اور اس کے فرائض اور ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی جاتی ہے، اور کوشش کی جاتی ہے کہ محض رسمی اور تفریحی ہو کر نہ رہ جائے بلکہ اس میں نوشہ اور حاضرین مجلس کو دینی اور اخلاقی پیام ملے اور ان کے اندر احساس ذمہ داری بیدار ہو۔

ایک تقریر کا نمونہ

یہاں اس تقریر کا ایک نمونہ درج کیا جاتا ہے، جو ایک محفل نکاح میں ریکارڈ کرلی گئی تھی، اور جو اس اصلاحی طرز کی بہت حد تک نمائندگی کرتی ہے۔

(خطبہ مسنونہ کے بعد)

"اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم
یٰاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا (۱)

---

(۱) النساء ۱- ترجمہ: لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی اول) اس سے اس کا جوڑا بنایا، پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیئے، اور خدا سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو، ڈرو، اور (قطع مودت) ارحام سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (۱)

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا (۲)

حضرات! یہ نکاح محض رسم ورواج کی پابندی اور محض نفس کے تقاضے کی تکمیل نہیں، نکاح کی سنت ایک عبادت نہیں بلکہ متعدد عبادتوں کا مجموعہ ہے، اس سے ایک حکم شرعی نہیں، درجنوں اور بیسیوں شرعی احکام متعلق اور وابستہ ہیں، اس کا مقام قرآن شریف میں بھی، اور حدیث میں بھی ہے، اور فقہ کی کتابوں میں تو اس کا مستقل باب ہے، لیکن اس سنت سے غفلت اتنی عام ہے جتنی کسی اور سنت اور فریضہ سے نہیں، بلکہ اس کو اللہ کی نافرمانی، نفس کی رعونت، شیطان کی اطاعت، رسم ورواج کی پابندی کا میدان بنالیا گیا ہے۔ اس میں ہماری زندگی کے لئے پورا پیام ہے، اس کا اندازہ آپ قرآن شریف کی ان آیات ہی سے کرسکتے ہیں جن کا پڑھنا خطبۂ نکاح

---

(۱) آل عمران، ۱۰۲- ترجمہ: مومنو خدا سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔

(۲) الاحزاب، ۷۰-۷۱، ترجمہ: مومنو! خدا سے ڈرا کرو، اور بات سیدھی کہا کرو، وہ تمہارے اعمال درست کردے گا، اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور جو شخص خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا، تو بیشک بڑی مراد پائے گا۔

میں رسول ﷺ سے ثابت ہے، جو شروع میں پڑھی گئی ہیں، پہلی آیت میں نسل انسانی کے آغاز کا تذکرہ ہے جو اس مبارک موقع پر نہایت مناسب اور فال نیک ہے کہ حضرت آدمؑ کی ایک اکیلی ہستی تھی، اور ایک رفیقۂ حیات جن سے اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کی تخلیق کی جس نے روئے زمین کو بھر دیا، اللہ تعالیٰ نے ان دو ہستیوں میں ایسی محبت والفت اور ان کی رفاقت میں ایسی برکت عطا فرمائی کہ آج دنیا اس کی گواہی دے رہی ہے، تو خدا کے لئے یہ کیا مشکل ہے کہ ان دو ہستیوں سے جو آج مل رہی ہیں ایک کنبہ کو آباد اور ایک خاندان کو شاد و بامراد کردے۔

پھر فرماتا ہے، اپنے اس پروردگار سے شرم کرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو۔

حضرات! ساری زندگی مسلسل اور مکمل سوال ہے، تجارت، حکومت، تعلیم، سب ایک طرح کے سوالات ہیں، ان میں ایک فریق سائل ہے دوسرا فریق مسئول، پھر ہر سائل مسئول ہے، اور ہر مسئول سائل ہے، ہم اپنے معاشرہ میں پست سے پست انسان کے سائل ہیں، اس لئے کہ ایک کی ضرورت دوسرے سے وابستہ ہے، اس سے کوئی فرد بشر بچ نہیں سکتا، یہی متمدن زندگی کا خاصہ ہے، یہ عقد اور یہ نکاح کیا ہے؟ یہ بھی ایک مہذب اور مبارک سوال ہے، ایک شریف خاندان نے ایک دوسرے شریف خاندان سے سوال کیا کہ ہمارے نور عین اور لختِ جگر کو رفیقۂ حیات کی ضرورت ہے، اس

کی زندگی نامکمل ہے، اس کی تکمیل کیجئے، دوسرے شریف خاندان نے اس سوال کو خوشی سے قبول کیا پھر وہ دونوں اللہ کا نام بیچ میں لاکر ایک دوسرے سے مل گئے، اور دو ہستیاں جو کل تک ایک دوسرے سے سب سے زیادہ بیگانہ، سب سے زیادہ اجنبی اور سب سے زیادہ دور تھیں وہ ایسی قریب اور یگانہ بن گئیں کہ ان سے بڑھ کر یگانگت اور قرب کا تصور بھی نہیں ہو سکتا، ایک کی قسمت دوسرے سے وابستہ اور ایک کا لطف وانبساط دوسرے پر منحصر ہو گیا، یہ سب اللہ کے نام کا کرشمہ ہے، جس نے حرام کو حلال، ناجائز کو جائز، غفلت اور معصیت کو طاعت وعبادت بنادیا اور زندگیوں میں انقلاب عظیم برپا کر دیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اب اس نام کی لاج رکھنا، بڑی خود غرضی کی بات ہوگی کہ تم یہ نام درمیان میں لاکر اپنی غرض پوری کرلو اور کام نکالو، پھر اس پر عظمت نام کو صاف بھول جاؤ اور زندگی میں اس کے مطالبات پورے نہ کرو، آئندہ بھی اس نام کو یاد اور اس کی لاج رکھنا، پھر فرمایا کہ ہاں رشتوں کا بھی خیال رکھنا "وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ" (اور خدا سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو، ڈرو، اور (قطع مودّت) ارحام سے (بچو) آج ایک نیا رشتہ ہو رہا ہے، اس لئے ضرورت پڑی کہ قدیم رشتوں کا بھی ذکر کر دیا جائے کہ اس رشتہ سے قدیم رشتوں کا دور اور ان کے حقوق ختم نہیں ہو جاتے، ایسا نہ ہو کہ بیوی کے رشتہ کو یاد رکھو اور ماں کے رشتہ کو بھول جاؤ، خسر کی خدمت ضروری سمجھو اور اپنے

حقیقی اور فطری باپ سے منہ موڑلو، اگر کسی کے دل میں یہ خیال آئے کہ ایسی باتوں کی کون نگرانی کرے گا اور کون ہمیشہ ساتھ رہے گا تو فرمایا "اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡباً" (کچھ شک نہیں کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے) اللہ اس پر نگراں ہے، یہ وہ گواہ ہے جو ہر وقت ساتھ رہے گا "نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ" (اور ہم اس کی رگ جاں سے بھی اس سے زیادہ قریب ہیں)۔

دوسری آیت میں ایک تلخ مگر ناگزیر حقیقت کو یاد دلایا گیا ہے کہ خدا کے پیغمبر ہی کی شان ہے کہ ایسی محفل مسرت وشادمانی میں ایسی تلخ حقیقت کا ذکر کرے، جس سے آدمی اپنے انجام سے غافل نہ ہونے پائے اور اس دولت پر نظر رکھے جو ساتھ جانے والی اور ہمیشہ ساتھ رہنے والی ہے، یعنی دولتِ ایمان، فرمایا کہ زندگی کتنی ہی پر مسرت، اقبال مند، اور طویل ہو، اس کی فکر رکھنا کہ اس کا اختتام خدا کی فرمانبرداری، اور ایمان ویقین پر ہو، یہی وہ حقیقت ہے جس کو دنیا کے ایک ایک کامیاب ترین انسان، جس کو اللہ نے فضل وکمال، دولت واقبال، جاہ وجلال اور حسن وجمال سب کی دولت سے مالا مال کیا تھا، نقطۂ عروج پر پہونچنے کے بعد بھی نہ بھولنے پایا، حضرت یوسف کی وہ دعا یاد کیجئے، جو انھوں نے اپنے زمانہ کے انتہائی عروج اور عزت حاصل کرنے کی حالت میں کی، ان کے الفاظ تھے:-

رَبِّ قَدْ آتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَأْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ (یوسف-۱۰۱)

اے میرے پروردگار! تونے مجھے حکومت بخشی اور مجھکو باتوں کی تہ تک پہونچنا سکھایا، زمین و آسمان کے بنانے والے تو ہی دنیا و آخرت میں میرا سر پرست ہے، میرا خاتمہ اسلام پر کر اور انجام کار مجھے صالحین کے ساتھ ملا۔

"اب آخر میں قبل اس کے کہ نوشہ کی زبان سے وہ مبارک الفاظ "میں نے قبول کیا" کے نکلیں، جس کے سننے کے لئے سب لوگ گوش بر آواز ہیں، قرآن شریف پیغام دیتا ہے کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچی اور پکی بات زبان سے نکالو، گویا نوشہ کو ہدایت کی جارہی ہے کہ وہ اپنی زبان سے نکلنے والے الفاظ کی ذمہ داری اور دور رس نتائج کو محسوس کرے، وہ جب کہے کہ "میں نے قبول کیا" تو سمجھے کہ اس نے کتنا بڑا اقرار کیا ہے اور اس سے اس پر کتنی بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، پھر فرمایا کہ اگر کوئی ایسے ہی جانچ تول کر بات کہنے کا عادی بن جائے، اور اس کے اندر مستقل طور پر احساس ذمہ داری پیدا ہو جائے تو اس کی پوری زندگی اور اس کے اقوال و اعمال صداقت اور راستی کے سانچہ میں ڈھل جائیں گے، وہ ایک مثالی کردار بن جائے گا اور خدا کی مغفرت اور رضامندی کا مستحق ہوگا، اور پھر اس پیغام کو اس پر ختم کیا کہ حقیقی کامیابی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں ہے، نہ نفس کی پیروی میں نہ رسم ورواج کی پابندی میں"۔

خطبۂ نکاح اور ایجاب و قبول کے بعد چھوارے جو اسی موقع کے لئے مہیا کئے جاتے ہیں لٹائے یا تقسیم کئے جاتے ہیں اور یہ محفلِ نکاح کی قدیم سنت ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا عقد

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جو حضور ﷺ کی سب سے کم سن صاحبزادی تھیں، اب ان کی عمر ۱۸ سال کی ہو چکی تھی اور شادی کے پیغام آنے لگے تھے، حضرت علی نے جب درخواست کی تو آپ نے حضرت فاطمہ کی مرضی دریافت کی، اور وہ چپ رہیں، یہ ایک طرح کا اظہار تھا، آپ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر میں دینے کے لئے کیا ہے؟ بولے کچھ نہیں، آپ نے فرمایا، وہ حطیہ کی ذرہ کیا ہوئی (جنگ بدر میں ہاتھ آئی تھی) عرض کی وہ تو موجود ہے، آپ نے فرمایا بس تو کافی ہے۔

ناظرین کو خیال ہو گیا کہ بڑی قیمتی چیز ہو گی، لیکن اگر وہ اس کی مقدار جاننا چاہتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ صرف سوا سو روپے، ذرہ کے سوا اور کچھ حضرت علیؓ کا جو سرمایہ تھا وہ ایک بھیڑ کی کھال اور ایک بوسیدہ یمنی چادر تھی، حضرت علیؓ نے یہ سب سرمایہ حضرت فاطمہ زہرا کے نذر کیا، حضرت علیؓ اب تک آنحضرت ﷺ کے ہی پاس رہتے تھے، شادی کے بعد ضرورت ہوئی الگ گھر لیں حارثہ بن نعمان انصاری کے متعدد مکانات تھے، جن میں سے وہ کئی آنحضرت ﷺ کو نذر کر چکے تھے، حضرت فاطمہؓ نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ انہی سے اور مکان دلوا دیجئے، آپ نے فرمایا کہاں تک، اب ان سے کہتے کہتے شرم آتی ہے، حارثہ نے سنا تو دوڑے آئے کہ حضور، میں اور میرے پاس جو کچھ ہے سب آپ کا ہے، خدا کی قسم جو مکان لے لیتے ہیں، مجھ کو اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ وہ میرے پاس رہ جائے، غرض انہوں نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا، حضرت فاطمہؓ اس میں ٹھہر گئیں۔

شہنشاہ کونینؐ نے سیدۂ عالم کو جو جہیز دیا وہ بان کی چارپائی، چمڑے کا گدا جس کے اندر روئی کے بجائے کھجور کے پتے تھے، ایک چھاگل، ایک مشک، دو چکیاں، دو مٹی کے گھڑے۔

حضرت فاطمہؓ جب نئے گھر میں جالیں تو آنحضرت ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے دروازے پر کھڑے ہو کر اذن مانگا، پھر اندر آئے ایک برتن میں پانی منگوایا، دونوں ہاتھ اس میں ڈالے اور حضرت علی کے سینہ اور بازوؤں پر چھڑکا، پھر حضرت فاطمہؓ کو بلایا، وہ شرم سے لڑکھڑاتی آئیں ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا کہ میں نے اپنے خاندان میں سب سے افضل تر شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے (۱)۔

سیدنا علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی معاشی حالت

علی و فاطمہ (جو رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھے) اور رسولؐ (جو اللہ کو سب سے زیادہ محبوب تھے) کی معیشت انتہائی سادہ، سخت کوشی، صبر و مشقت کی معیشت تھی، ہناد عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ:

"مجھے بتایا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسے بہتیرے دن گزر گئے کہ ہمارے گھر میں کوئی چیز کھانے کی نہ تھی، اور نہ نبی ﷺ کے پاس کچھ تھا، اسی زمانہ میں ایک بار باہر نکلا تو راستہ میں ایک دینار پڑا ہوا دیکھا، میں ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا، اور پھر دل میں سوچتا رہا کہ اس کو اٹھاؤں یا چھوڑ دوں، لیکن افلاس کی یہ شدت تھی کہ یہی طے کیا

(۱) ماخوذ: سیرت رسول اکرم ﷺ ص: ۱۴۴-۱۴۵

کہ اس کو اٹھالوں، چنانچہ اس کو لے لیااور ان شتر بانوں کو دیا جو باہر سے غلہ لے کر آئے تھے، اور اس سے آٹا خرید لیا، فاطمہ کو دیا کہ اس کو گوندھ کر روٹیاں پکالو، وہ گوندھنے لگیں مگر فاقہ کی وجہ سے اتنی کمزور تھیں کہ آٹا گوندھنے میں ہاتھ بار بار برتن پر گر جاتا اور چوٹ لگتی، بہر حال کسی طرح انھوں نے آٹا گوندھ کر روٹی پکائی، اور میں نے رسول علیہ کی خدمت میں آکر یہ واقعہ بتایا، فرمایا، اس کو کھالو، اللہ نے تمہیں یہ رزق بہم پہونچایا ہے"(۱)۔

اور ہناد الدینوری الشعبی نے ایک حدیث نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا: میں نے فاطمہ بنت محمد علیہ سے نکاح کیا تو میرے یا ان کے پاس ایک مینڈھے کی کھال کے سوا کوئی بستر نہ تھا، اسی پر رات کو سوتے اور اسی میں دن کو اپنی بکری کو چارہ دیتے، اس کے علاوہ ہمارے یہاں کوئی خادم نہ تھا(۲)۔

طبرانی نے معتبر اسناد (اسناد حسن) سے نقل کیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ایک روز رسول اللہ علیہ ان کے پاس آئے اور فرمایا میرے بچے کہاں ہیں؟ یعنی حسن اور حسین رضی اللہ عنہما حضرت فاطمہؓ نے کہا، آج ہم لوگ صبح اٹھے تو گھر میں ایک چیز بھی ایسی نہ تھی جس کو کوئی چکھ سکے، ان کے والد نے کہا میں ان دونوں کو لے کر باہر جاتا ہوں، اگر گھر پر رہیں گے تو تمہارے سامنے روئیں گے

---

(۱) کنز العمال للعلامۃ علی المتقی برہانپوری، ج ۷- ص: ۳۲۸۔

(۲) کنز العمال ج ۷- ص: ۱۳۳۔

اور تمہارے پاس کچھ ہے نہیں کہ کھلا کر خاموش کرو، چنانچہ وہ فلاں یہودی کی طرف گئے ہیں، رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لے گئے، دیکھا یہ دونوں بچے ایک صراحی سے کھیل رہے ہیں، اور ان کے سامنے بچا کھچا ادھ کٹا قسم کا کھجور ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علیؓ! اب بچوں کو گھر لے چلو، دھوپ بڑھ رہی ہے، انھوں نے کہا کہ یارسول اللہ آج صبح سے ہمارے گھر میں ایک دانہ نہیں ہے، تو اگر آپؐ یارسول اللہ تھوڑی دیر تشریف رکھیں تو میں فاطمہؓ کے لئے کچھ بچے کھچے کھجور جمع کرلوں، یہ سن کر رسول ﷺ بیٹھ گئے، یہاں تک کہ فاطمہؓ کے لئے کچھ بچے کھجور جمع ہوگئے، حضرت علیؓ نے کھجور ایک کپڑے میں باندھ لئے، اور بڑھ کر دونوں کو گود لیا، اور اٹھا کر لے آئے (۱)۔

امام بخاری حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ چکی پیستے پیستے پریشان ہوگئی تھیں ان کو اطلاع ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس کچھ قیدی غلام آئے ہیں، حضرت فاطمہؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں مگر آپ تشریف نہیں رکھتے تھے، انہوں نے حضرت عائشہؓ سے یہ بات کہہ دی، حضرت عائشہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، آنحضرت ﷺ ہمارے یہاں تشریف لائے، اور ہم لوگوں کے سونے کی جگہ تک آگئے، ہم لوگ اٹھنے لگے تو فرمایا اپنی جگہ پر رہو، اس وقت میں نے آنحضرت ﷺ کے قدم مبارک کی ٹھنڈک اپنے سینہ پر محسوس کی پھر

---

(۱) الترغیب والترہیب للمنذری، ج:۵، ص:۱۷، مصطفیٰ البابی مصر - طبع دوم ۱۹۵۴ء۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تم دونوں نے جس چیز کی خواہش کی ہے کیا اس سے بہتر چیز تم کو بتادوں؟ جب تم سونے کو جانے لگو تو ۳۴ بار اللہ اکبر ۳۳ بار الحمد اللہ اور ۳۳ بار سبحان اللہ پڑھ لیا کرو، یہ چیز تم دونوں کے لئے اس سے زیادہ کار آمد ہوگی، جس کا تم نے سوال کیا ہے (۱)"۔

اور ایک روایت میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اہل صفہ کو چھوڑ کر جن کے بھوک سے پیٹ میں بل پڑ رہے ہیں تمہیں نہیں دوں گا، میرے پاس ان کے اخراجات کے لئے کچھ نہیں ہے، لیکن ان غلاموں کو فروخت کر کے ان کی قیمت ان اہل صفہ پر خرچ کروں گا (۲)"۔

---

(۱) بخاری کتاب الجہاد، باب الدلیل علی ان الخمس لنوائب رسول اللہ ﷺ وآلہ وسلم۔

(۲) ماخوذ: المرتضی ص ۶۵ تا ۶۷۔

ازواج مطہرات
اور تعدد ازدواج پر ایک نظر

ازواج مطہرات
اور تعدد ازدواج پر ایک نظر

ازواج مطہراتؓ

آپ ﷺ کی ازواج مطہرات میں سب سے پہلا نام حضرت خدیجہؓ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کا ہے، یہ آپ کی نبوت سے قبل جب ان کی عمر چالیس سال تھی، آپ ﷺ کی زوجیت میں آئیں، حضرت خدیجہؓ نے آپ کی نبوت کے بعد پیش آنے والی مشکلات میں آپ ﷺ کی پوری مدد کی اور جہاد و قربانی میں آپ کی رفاقت و شرکت فرمائی، اور اپنی ہمدردی و محبت اور اپنے مال و دولت ہر طریقہ سے آپ ﷺ کی تسلی و تسکین کا سامان فراہم کیا، ان کی وفات ہجرت سے تین سال قبل ہوئی، رسول اللہ ﷺ کی تمام اولاد (سیدنا ابراہیمؑ کو چھوڑ کر) حضرت خدیجہؓ سے ہے، آپ ﷺ تعریف اور احسان شناسی کے ساتھ ان کا ہمیشہ ذکر فرماتے رہے، کبھی ایسا ہوتا کہ کوئی بکری ذبح کی جاتی تو آپ ﷺ اس کے مختلف حصے علیحدہ کر کے حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کے پاس بھجواتے (۱)

---

(۱) متفق علیہ، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات میں سے کسی پر اتنا رشک نہیں آیا جتنا خدیجہؓ پر، حالانکہ میں نے ان کو دیکھا بھی نہیں۔

ان کی وفات کے کچھ دن بعد سودہؓ بنت زمعہ کو آپ کی رفیقۂ حیات بننے کا شرف حاصل ہوا، اس کے بعد آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا جو آپؐ کی بہت عزیز ومحبوب بیوی تھیں، امت کی خواتین میں فقہ وعلم دین میں کوئی ان کا ہم پایہ نہ تھا، اکابر صحابہ مختلف مسائل میں ان سے رجوع فرماتے تھے، اور ان کا فتویٰ اور رائے چاہتے تھے، اس کے بعد آپؐ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا، اس کے بعد زینب بنت خزیمہ سے شادی ہوئی جو شادی کے دوماہ بعد وفات پاگئیں، پھر ام سلمہ رضی اللہ عنہا آپؐ کی زوجیت میں آئیں، ان کی وفات ازواج مطہرات میں سب کے بعد ہوئی، پھر آپؐ نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کی یہ آپ کی پھوپھی امیمہ کی صاحبزادی تھیں، اس کے بعد آپؐ نے جویریہ بنت الحارثؓ سے شادی کی جو قبیلۂ بنی المصطلق سے تعلق رکھتی تھیں، پھر ابوسفیانؓ کی صاحبزادی ام حبیبہ سے اور اس کے بعد قبیلۂ بنی النضیر کے سردار حیی بن اخطب کی صاحبزادی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی، حیی بن اخطب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون بن عمرانؑ کی اولاد میں تھے، اس کے بعد میمونہؓ بنت الحارث الہلالیہ سے شادی ہوئی، ازواج مطہرات میں سب سے آخر میں انھیں کو یہ شرف حاصل ہوا۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ رسول ﷺ کی وفات کے وقت آپؐ کی ازواج مطہرات میں سے نو موجود تھیں، حضرت خدیجہؓ اور زینب بنت خزیمہ کا آپؐ کی حیات مبارکہ ہی میں انتقال ہو گیا تھا، یہ سب حضرت عائشہ کو مستثنیٰ کرکے شادی شدہ تھیں۔

آپ کی وفات کے وقت آپ کی دو باندیاں موجود تھیں، ایک ماریہؓ بنت شمعون جو مصر کے قبطی خاندان کی فرد تھیں جن کو مصر کے حاکم مقوقس نے آپؐ کی خدمت

میں پیش کیا تھا، اور جو آپؐ کے صاحبزادے سیدنا ابراہیمؓ کی والدہ تھیں، دوسری قبیلہَ بنی النضیر کی خاتون ریحانہ بنت زید تھیں (۱)، اسلام قبول کرنے کے بعد آپؐ نے ان کو آزاد فرمادیا، اور پھر ان کو اپنی زوجیت میں قبول کیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی وفات کے بعد ان ازواج مطہرات سے شادی مسلمانوں پر حرام قرار دے دی، اس لئے کہ وہ امہات المومنین کا درجہ رکھتی تھیں، اس تعلق (زوجیت کے ساتھ) اس مقدس اور نازک رشتہ کی پوری حفاظت ورعایت نہیں ہوسکتی تھی، جو امت کو اپنے نبی سے (دائمی طور پر) ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا. (احزاب: ۵۳)	اور تم کو یہ شایاں نہیں کہ پیغبر خدا کو تکلیف دو اور نہ یہ کہ ان کی بیویوں سے کبھی ان کے بعد نکاح کرو، بے شک یہ خدا کے نزدیک بڑے گناہ کا کام ہے۔

ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:-

علماء کا اس بات پر کلی اتفاق ہے کہ آپؐ کی وفات کے بعد کسی دوسرے کے لئے آپؐ کی ازواج مطہرات سے نکاح کرنا حرام ہے، اس لئے کہ دنیا وآخرت دونوں جگہ وہ آپؐ کی بیبیاں اور اہل ایمان کی مائیں ہیں۔

تعدد ازدواج پر ایک نظر

رسول اللہ ﷺ نے اپنی عمر مبارک کا ایک حصہ تجرد میں گذارا، یہ پچیس سال کی وہ مدت ہے، جو جوانی کا خاص زمانہ ہوتا ہے، آپ کامل الفطرت انسانی وعربی جوانمردی اور جسمانی صحت کا بہترین واعلیٰ پیکر تھے، بادیہَ عرب میں آپؐ کی پرورش ہوئی تھی،

---

(۱) ایک روایت یہ ہے کہ وہ بنی قریظہ میں سے تھیں۔

تہذیب وتمدن کے امراض اور عیوب سے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی حفاظت فرمائی تھی، شہسواری اور مردانگی کی اعلیٰ صفات سے آپ کو حصہ وافر ملا تھا، جن کی عربوں کی نگاہ میں بڑی اہمیت تھی، اور جن کو علم النفس اور اخلاقیات کے ماہرین بھی تسلیم کرتے ہیں۔

آپؐ کے بدترین دشمنوں کو بھی اس زمانہ میں (جو نبوت سے قبل آپ کا بہت اہم اور نازک دور تھا) آپؐ پر حرف گیری اور انگشت نمائی کا کوئی موقع نہ ملا نہ آپؐ کی نبوت کے بعد آج تک کسی نے اس سلسلہ میں آپؐ پر نکتہ چینی کی، آپؐ طہارت وعفت، پاکیزگیٔ قلب ونظر، معصومیت وطہارت کی اعلیٰ مثال تھے، اور ہر اس کمزوری سے بہت دور تھے، جو آپؐ کے شایان شان نہ تھی۔

پچیس سال کی اس عمر میں آپؐ نے سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا جو بیوہ تھیں، چالیس سال کی ان کی عمر تھی، اس سے قبل ان کی دو شادیاں ہو چکی تھیں، صاحب اولاد تھیں، پھر مشہور قول کے مطابق آپؐ کے اور ان کے سن میں پندرہ سال کا فرق تھا...... اس کے بعد دوسری شادی آپؐ نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت کی جبکہ آپؐ کی عمر مبارک پچاس سال سے زیادہ ہو چکی تھی، ان کے شوہر کا حبشہ میں ایک مہاجر مسلمان کی حیثیت سے انتقال ہو گیا تھا، آپؐ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی دوشیزہ اور غیر شادی شدہ خاتون سے نکاح نہیں فرمایا، اس کے علاوہ جتنی شادیاں آپؐ نے فرمائیں، اس میں دین اور دعوت دین کی کوئی مصلحت، فراخ قلبی وعالی ظرفی، مکارم اخلاق، مسلمانوں کا کوئی مفادِ عام، یا کسی بڑے اجتماعی خطرہ اور مفسدہ کا سد باب آپؐ کے پیش نظر تھا، رشتوں اور ازواجی قرابتوں کی عربوں کی قبائلی اور سماجی زندگی میں جس قدر اہمیت ہے، اتنی کسی اور سوسائٹی اور سماج میں نہیں ہے، اس لئے یہ شادیاں اور نئی قرابتیں، اسلامی دعوت اور اسلام کے مثالی معاشرہ کی تاریخ، خون

بہانے سے حفاظت اور عربی قبائلی کے ضرر سے بچاؤ کا ایک بڑا ذریعہ تھیں۔

مزید یہ کہ ان ازواج مطہرات کے ساتھ آپ کی زندگی کوئی عیش و آرام، مرفہ الحالی یا لذت کام و دہن کی زندگی نہ تھی، جو تعدد ازدواج میں بہت سے لوگوں کے پیش نظر رہتا ہے، وہ اس درجہ زہد و تقشف اور ایثار و قناعت کی زندگی تھی، جس کی استطاعت قدیم و جدید دور کے بڑے بڑے حوصلہ مند اور اولوالعزم افراد او رنامور زہاد میں بھی نہیں ہے، اس کی کچھ جھلکیاں اور نمونے اخلاق و شمائل کے حصے میں پیش کئے جائیں گے تاہم ایک انصاف پسند شخص کے لئے قرآن مجید کے یہ ایک آیت کافی ہے:-

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا.

(سورۃ احزاب: ۲۸-۲۹)

اے پیغمبر اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت و آرائش کی خواستگار ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دوں اور اچھی طرح سے رخصت کردوں اور اگر تم خدا اور اس کے پیغمبر اور عاقبت کے گھر (یعنی بہشت) کی طلب گار ہو تو تم میں جو نیکو کاری کرنے والی ہیں، ان کے لئے خدا نے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اس عالی مقصد، پاکیزہ جذبہ، پاک و صاف ذہن اور عمیق و حکیمانہ تربیت کا اثر یہ تھا کہ ان سب ازواج مطہرات نے بغیر کسی ہچکچاہٹ او رادنیٰ درجہ کے تردد کے اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کو ترجیح دی، مثال اور نمونہ کے طور پر حضرت عائشہؓ کا وہ جواب کافی ہے، جو اس سلسلہ میں انھوں نے دیا" آپؐ نے یہ آیت ان کے سامنے تلاوت کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ دیکھو جلدی نہ کرنا اپنے والدین سے مشورہ ضرور کرلینا،

انھوں نے جواب دیا، بھلا اس معاملہ میں بھی والدین سے مشورہ کی ضرورت ہے؟ مجھے تو اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کا گھر مطلوب ہے (۱)، وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی سب بیویوں نے ایسا ہی کیا (۲)۔

تعدد ازدواج اور اس کے نفسیاتی، اقتصادی اور اجتماعی اثرات اور تقاضوں نے رسول اللہ ﷺ کو دعوت کی عظیم ذمہ داری، جہد و مجاہدہ کی زندگی، اور مسلمانوں کے اہم ترین امور سے ایک لحہ کے لئے غافل نہیں کیا، بلکہ اس سے آپؐ کی سرگرمی واولوالعزمی اور قوت و نشاط میں کچھ اور اضافہ ہو گیا، ازواج مطہرات تبلیغ اسلام اور تعلیم دین کے مقصد عظیم میں آپؐ کی معاون و مددگار تھیں، وہ غزوات میں آپؐ کے ہمراہ رہتی تھیں، زخمیوں کا علاج معالجہ اور مریضوں کی تیمارداری کرتی تھیں، آپ کی گھریلو اور معاشرتی زندگی کا ایک تہائی حصہ اور اس کے علاوہ اور بہت سے احکام و تعلیمات ازواج مطہرات ہی کی رہینِ منت ہیں، اور مسلمانوں نے ان کو باقاعدہ ان سے سیکھا، یاد کیا اور دوسروں کو بتایا اور سکھایا (۳)۔

اس سلسلہ میں صرف حضرت عائشہؓ کا نام لے لینا کافی ہے، جن کے متعلق فن علم الرجال اور طبقات کے امام ذہبی (م ۷۴۸ھ) نے اپنی مشہور کتاب "تذکرۃ الحفاظ" میں لکھا ہے کہ:-

"وہ فقہائے صحابہ میں بھی سب سے ممتاز تھیں، فقہائے

---

(۱) صحیح بخاری بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ (۲) صحیح بخاری ابن حاتم واحمد۔
(۳) تعدد ازدواج اور اس کی حکمتوں اور مصلحتوں اور اس کے متعلقہ حالات اور تقاضوں پر مولانا قاضی محمد سلیمانِ منصور پوریؒ نے اپنی نفیس کتاب "رحمۃ للعالمین" کی دوسری جلد میں بہت اچھی طرح روشنی ڈالی ہے، (دیکھئے ص: ۱۴۱-۱۴۴) مصر کے مشہور فاضل عباس محمود العقاد نے اپنی کتاب "عبقریۃ محمد" میں "تعدد ازدواج" اور "اسباب تعدد زوجاتہ" کے عنوان کے تحت اچھا کلام کیا ہے۔

صحابہ مسائل میں ان سے رجوع کرتے تھے، قبیصہ بنت ذویبؓ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ مسائل سے سب سے زیادہ واقف تھیں، اکابر صحابہ ان سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے، ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ ہم صحابہ رسول اللہ ﷺ کو کسی حدیث کے سمجھنے میں دشواری ہوتی تو عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کرتے اور ان کے پاس اس کا علم ضرور ہوتا، حسان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے قرآن مجید، حلال و حرام، فرائض و احکام، اشعار تاریخ عرب اور انساب سے ان سے زیادہ کسی کو واقف نہیں پایا(۱)۔

جہاں تک مکارم اخلاق، عالی ہمتی، جود و سخا، ہمدردی و غمخواری اور شفقت و دلداری کا تعلق ہے، اس کے متعلق جتنا بھی کہا جائے کم ہی ہوگا، اس سلسلہ میں وہ روایت کافی ہوگی جو ہشام نے اپنے والد سے نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہؓ کو ایک لاکھ درہم بھیجے بخدا ایک مہینہ بھی نہیں گذرا تھا کہ حضرت عائشہؓ اہل حاجت پر اس کو تقسیم کرکے فارغ ہو گئیں، ان کی باندی نے کہا کہ اگر آپ اس میں سے ایک درہم کا گوشت خرید لیتیں تو اچھا تھا، کہنے لگیں کہ تم نے اس وقت یاد نہ دلایا(۲)؟ اس وقت حضرت عائشہؓ روزہ سے تھیں۔

اس مسئلہ نے مغرب کے بہت سے اہل فکر اور مستشرقین کے ذہن و دماغ کو الجھا رکھا ہے، اور اس کا سبب صرف یہ ہے کہ انھوں نے ممالک عرب میں اور اسلامی شریعت میں ازدواجی زندگی کے مخصوص نظام کو مغربی تصورات اور حالات و عادات اور رسم ورواج کا

(۱-۲) تذکرۃ الحفاظ ج:۱ص:۲۷-۲۸ شائع کردہ دار احیاء التراث العربی۔

پابند بنانا چاہا ہے، انھوں نے مغرب کے پیمانوں کو (جو ایک خاص تہذیب اور سوسائٹی کی پیداوار ہیں) اس صورت حال پر مسلط کرنے کی کوشش کی ہے، جو فطرت سلیم اور عربی ماحول کے عین مطابق تھی، اور جس کے پیچھے مختلف اخلاقی اور سماجی مصالح کار فرما تھے، اور جس کی خدا کی طرف سے اجازت بھی تھی، یہ در اصل مغربی طرز فکر اور مغربی مصنفین کی کتابوں کا ایک بہت کمزور پہلو ہے کہ وہ پہلے مغرب کو میزان قرار دیتے ہیں، پھر ہر اس چیز کے خلاف جو اس کے خلاف ہو، بے رحمی سے فیصلے صادر کرتے ہیں، وہ خود ایک مسئلہ کھڑا کرتے ہیں، جس کی کوئی جڑ بنیاد نہیں ہوتی پھر اس کو حل کرنے کے در پے ہوتے ہیں، یہ ان کے قومی تکبر اور مغرب کے دل پسند افکار و تصورات کی حد سے بڑھتی ہوئی تقدیس کا نتیجہ ہے۔

انگریز مصنف مسٹر بوڈلے (R.V.C.BODLEY) نے رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے مسئلہ میں اس مغربی احساس اور طرز فکر پر بہت جرأت وانصاف سے تنقید کی ہے، وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔

> "محمد (ﷺ) کی ازدواجی زندگی کو نہ تو مغرب کے پیمانہ سے جانچنے کی ضرورت ہے، اور نہ ان رسوم و قوانین کے نقطۂ نظر سے جنہیں عیسائیت نے جنم دیا ہے، یہ لوگ نہ مغربی تھے نہ عیسائی، بلکہ وہ ایک ایسے ملک میں اور ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے، جبکہ ان کے اپنے ضابطۂ اخلاق کا ہی چلن تھا، اس کے باوجود امریکہ اور یورپ کے ضابطۂ اخلاق کو عربوں کے ضابطۂ اخلاق سے بہتر سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، مغرب کے پاس مشرق کو دینے کے لئے بہت کچھ ہے، لیکن اپنے طریقۂ زندگی کو بہتر اور اپنے ضابطۂ اخلاق کو اعلیٰ ثابت کرنے کے

لئے تو انھیں ابھی بہت چھان بین کرنے کی ضرورت ہے، لہٰذا انھیں دوسروں کے مذہب و تمدن پر نکتہ چینی کرنے سے احتراز کرنا چاہیے(۱)"

اس کے علاوہ تعدد ازدواج کی وہ قباحت جو آج مغرب میں ایک بدیہی حقیقت بن گئی ہے، اور اہل مغرب نے اس کو آنکھ بند کر کے تسلیم کرلیا ہے، کوئی ایسی قباحت نہیں جو صدیوں اور نسلوں تک قائم رہے، یہ نہ طے شدہ علمی اصولوں پر قائم ہے، نہ انسان کی فطرت سلیم کے مطابق ہے، یہ دراصل ایک خیالی اور جذباتی قباحت ہے، جو پرجوش اور طاقتور پروپیگنڈہ اور تشہیر کے بل پر قائم ہے، اور اس کا پورا امکان ہے کہ زمانہ کی رفتار اور اقتصادی، سماجی اور تربیتی رجحانات اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ نہ صرف اس کا زور کم ہو جائے بلکہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔

ایک مغربی مصنف (ALWIN TOFFLER) نے اپنی نئی کتاب (FUTURE SHOCK) میں جس نے مغرب کے علمی حلقوں میں ایک ہلچل مچادی ہے، اس ذہنی و سماجی تبدیلی کی طرف اشارے بھی کئے ہیں، جس کا مستقبل قریب میں امکان ہے۔(۲)

◆ ◆ ◆

---

(۱) R.V.C. BODLEY:- THE MESSENGER. THE LIFE OF MOHAMMAD. (LONDON, 1946) P.P. 202- 203.

(۲) ماخوذ: نبی رحمت ص ۱۵۵ تا ۱۶۰

الٰہی! ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کو دینداری دے
الٰہی! نئی پود کو فضل بہاری دے
بچالے مؤمنہ کو اے خدا مغرب پرستی سے
بچا اس شمع کو بادِ فنا کی چیرہ دستی سے

خواتینِ اسلام کی خدمت میں

اسلامی معاشرت

خواتین اور برادران! میں اس عزت افزائی کے لئے بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے اس مجلس میں یاد کیا اور ایک اہم اور نازک موضوع پر جو پوری زندگی سے تعلق رکھتا ہے، اظہار کا موقع دیا، میں اس کے لئے بھی شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری خاطر اس پروگرام میں ترمیم گوارا کرلی، یہ آپ کی شرافت اور خوش اخلاقی ہے، میں قرآن مجید کی ایک آیت پڑھوں گا اور بتاؤں گا کہ اسلام، معاشرت کو کس نگاہ سے دیکھتا ہے؟ اور اس کا تصور کیا ہے؟ اور وہ اس بارے میں کتنا حقیقت پسند واقع ہوا ہے۔

یہ آیت سورہ نساء کی ہے، سورہ نساء کا نام ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام نے طبقۂ اناث کو اور جنس لطیف کو کیا مقام دیا، سورہ نساء کی پہلی آیت ہے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ	لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے
خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ	تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی
مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا	آدم) اس سے اس کا جوڑا بنایا، پھر ان
كَثِیْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ	دونوں سے کثرت سے مرد وعورت
تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ	(پیدا کرکے روئے زمین پر)
كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا. (النساء:۱)	پھیلادے اور خدا سے جس کے نام کو

تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو

ڈرو اور (قطع مودت) ارحام سے (بچو)

کچھ شک نہیں کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ طبقۂ اناث کے متعلق اسلام کے تصور اور مرد و عورت کی باہمی ذمہ داری اور تعلقات کی نوعیت پر یہ آیت پوری روشنی ڈالتی ہے، پہلے تو اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے، کہ ان دو طبقوں کی خلقت ایک ہی طرح ہوئی ہے، اور ان دونوں کی قسمت ایک دوسرے سے ایسی وابستہ ہے گویا ایک جسم کے دو حصے ہوں، مرد و عورت کی جسمانی ساخت میں معمولی تبدیلی اس وجہ سے ہے کہ دونوں زندگی کا سفر خوشگواری سے طے کر سکیں۔

پہلے تو ان دونوں طبقوں کا وجود نفس واحدہ سے ہے پھر اس نفس واحدہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا، اس تقسیم کے باوجود ان میں کوئی تضاد، کوئی بیر نہیں بلکہ وہ جا کر ایک ہی نقطہ پر جمع ہو جاتے ہیں، اس دنیا میں سفر کرنے والے انسان کو ہم سفر اس کی جنس سے دیا گیا ہے، اور وہ اسی کے جسم کا حصہ ہے، پھر اس کے بعد ان دونوں سے نسل انسانی کی آفرینش اور افزائش ہوئی، اللہ تعالیٰ نے دونوں کی رفاقت و محبت اور ہم سفری میں بڑی برکت عطا فرمائی کہ جو دو تھے ان سے ہزاروں ہوئے اور ہزاروں سے لاکھوں، کروڑوں ہوئے، یہاں تک کہ صحیح تعداد کا شمار کمپیوٹر بھی نہیں لگا سکتا کہ کتنے انسان پیدا ہوئے؟ اس کو صرف خدا جانتا ہے، "کَثِيرًا" کے لفظ سے خدا نے ان کی کثرت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

سائل بھی اور مسئول بھی

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "تم اس خدا سے ڈرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے

سے سوال کرتے ہو" قرآن مجید میں انقلابی طور پر یہ تصور پہلی مرتبہ پیش کیا گیا ہے کہ انسانی سوسائٹی کا ہر فرد ایک دوسرے کا محتاج ہے ہر ایک سائل ہے اور ہر ایک مسئول ہے، پھر تقسیم اس طرح نہیں کہ سائلین ایک طرف ہیں اور مسئولین دوسری طرف، بلکہ جو سائل ہے وہ مسئول بھی ہے، اور جو مسئول ہے وہ سائل بھی ہے، "تساؤل" (مشترک سوال وجواب) ایک ایسی زنجیر ہے، جس میں ہر ایک بندھا ہوا ہے، ہماری تمدنی زندگی ایک جال ہے، جس میں ہر ایک دوسرے کا ضرورت مند ہے۔

مرد عورت کے بغیر اپنا قدرتی اور فطری سفر خوشگوار طریقہ سے طے نہیں کر سکتا اور کوئی شریف خاتون رفیق حیات کے بغیر خوشگوار طریقہ سے زندگی نہیں گزار سکتی، اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو دوسرے کا ایسا سائل اور محتاج بنا دیا ہے کہ اس کے بغیر زندگی نہیں گذر سکتی۔

خدا کا نام بیگانوں کو یگانہ بناتا ہے

پھر یہ بھی فرمایا گیا کہ سوال جس کے نام پر تم کرتے ہو وہ خدا ہے، اسلامی معاشرہ خدا کے عقیدے خدا کی عظمت، خدا کی قدرت اور خدا کی وحدت کے عقیدے پر وجود میں آتا ہے، ایک مسلمان مرد کی مسلمان خاتون سے ہم سفری اور رفاقت جب جائز ہوتی ہے جب وہ خدا کا نام بیچ میں لائیں، خدا کا نام ہی بیگانوں کا یگانہ بناتا ہے، دور کو نزدیک کرتا ہے، غیروں کو اپنا بناتا ہے، اور جن کی پرچھائیں بھی پڑنا گوارا نہ تھی، ان کو ایسا قریب اور عزیز بنا دیا جاتا ہے کہ ان کے بغیر زندگی کا صحیح تصور بھی نہیں ہو سکتا، وہ ایک دوسرے کے رفیق حیات اور ذمہ دار بن جاتے ہیں، شوہر اور بیوی کا تعلق ایسی محبت واعتماد کا تعلق ہے کہ بعض اوقات وہ والدین کے تعلق سے بھی بڑھ جاتا ہے، جو بے تکلفی، جو

اعتماد، جو الفت، جو سادگی، جو قطریت ان کے درمیان ہوتی ہے، کسی اور رشتہ میں اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا، یہ سب اللہ کے نام کا کرشمہ ہے، خدا کا نام بیچ میں آتا ہے تو ایک نئی دنیا وجود میں آجاتی ہے، کل تک جو غیر تھا، یا غیر تھی، وہ اپنوں سے بھی زیادہ بڑھ کر اپنا بن جاتی ہے، ایک مسلمان مرد، ایک مسلمان عورت، ایک دوسرے کے ساتھ بے تکلف نہیں ہو سکتے، ایک دوسرے کے ساتھ بعض اوقات سفر بھی نہیں کر سکتے، ایک دوسرے کے لئے نامحرم ہیں، لیکن جب خدا کا نام بیچ میں آجاتا ہے، تو ایک مقدس رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔

یہ قرآنی معجزہ ہے کہ "تساء لون بہ" کہہ کر معاشرہ انسانی کا باہمی ارتباط، پیوستگی، وابستگی اور ہر ایک کا ایک دوسرے کے ساتھ جڑا ہوا ہونا ایسا بیان کر دیا کہ کوئی بڑے سے بڑا منشور اور بڑے سے بڑا چارٹر بھی اس کو بیان نہیں کر سکتا، فلسفہ اجتماعی وعمرانیات (سوشیالوجی) کی بڑی ضخیم کتاب بھی اسکو نہیں بیان کر سکتی۔

پھر یہ فرمایا کہ جس کا نام بیچ میں لا کر حرام کو حلال کرتے ہو، ناجائز کو جائز کرتے ہو اور اپنی زندگی میں انقلاب عظیم لاتے ہو، اس پاک اور بڑے نام کی لاج بھی رکھنی چاہئے، زوجین کے گہرے اور محکم تعلق کو قرآن مجید نے ایک دوسرے انداز میں بھی بیان کیا ہے، فرمایا "هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ" تم ایک دوسرے کا لباس بن جاتے ہو یہ بھی قرآن مجید کا ایک معجزہ ہے، کہ اس کے لئے لباس کا لفظ استعمال کیا، جو ستر پوشی اور زینتِ زندگی کی اہم ضرورت ہے، لباس کے لفظ میں وہ سب کچھ آگیا جو زوجین کے باہمی تعلق واعتماد کے متعلق زیادہ سے زیادہ کہا جاسکتا ہے، تم ان کے لئے لباس ہو اور وہ تمہارے لئے لباس ہیں، لباس کے بغیر جس طرح انسان حیوانیت سے قریب تر نظر آتا ہے، ایک صحرائی مخلوق نظر آتا ہے، ویسے ہی ازدواجی زندگی کے بغیر انسان غیر متمدن نظر آتا ہے، اس کو غیر متمدن اور غیر مہذب سمجھنا چاہئے۔

ازدواجی زندگی ایک عبادت

اسلام میں ازدواجی تعلق کو زندگی کی ایک ضرورت کی حیثیت سے نہیں دیکھا گیا، بلکہ اس کو ایک عبادت کا درجہ دیا گیا، جس سے آدمی خدا کے قریب ہوتا ہے، یعنی ہمارے یہاں ازدواجی تعلق کا، عقد نکاح کا تصور یہ نہیں کہ زندگی کی ضرورت کے تحت یہ کرنا ہی تھا، اور اس کے بغیر زندگی کا تلذذ حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اسکو دینی رنگ دیا گیا، اس کو عبادت قرار دیا گیا، اور اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں اس کا سب سے بڑا نمونہ پیش کیا، اور آپؐ نے فرمایا کہ "تم میں سب سے زیادہ بہتر وہ ہے جو، اپنے گھر والوں کے لئے سب سے زیادہ بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لئے تم سب سے بہتر ہوں"، چنانچہ آپ اگر سیرت نبوی کا مطالعہ کریں تو آپ کو یہ نظر آئے گا کہ آپ کے اندر صنف نازک کا جو احترام، اس کے جذبات اور لطیف احساسات کا شعور اور ان کا لحاظ تھا وہ طبقۂ نسواں کے بڑے بڑے وکیل اور عورت کے احترام کے بڑے بڑے مدعی کے یہاں نہیں ملتا، اسی طرح وہ بڑے بڑے مقدس لوگوں، رشیوں، منیوں یہاں تک کہ دوسرے پیغمبروں کی زندگی میں ملنا مشکل ہے، ازواج مطہرات کی دلجوئی، ان کی جائز تفریحات میں شرکت ان کے جذبات کا خیال اور ان کے درمیان جو عدل فرماتے تھے، اس کی نظیر نہیں ملتی۔

انھیں کے ساتھ نہیں بلکہ بچوں کے ساتھ بھی آپؐ اس طرح پیش آتے تھے کہ نماز جیسی محبوب ترین چیز میں بھی آپؐ محض اس وجہ سے اختصار فرمادیتے تھے کہ کسی ماں کو تکلیف نہ ہو اگر کوئی بچہ روتا تھا تو آپؐ نماز میں اختصار فرماتے تھے، یہ انتہائی قربانی ہے، رسول ﷺ کے لئے تو نماز سے بڑھ کر کوئی چیز تھی ہی نہیں، اس سے بڑھ کر کوئی

قربانی نہیں ہو سکتی تھی، آپؐ فرماتے تھے، بعض مرتبہ میں چاہتا ہوں کہ لمبی نماز پڑھوں لیکن جب کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو مجھے خیال ہوتا کہ کہیں اس کی ماں کا دل نہ لگا ہو اس کی ماں کا دل نہ گھبرائے اس لئے نماز کو مختصر کر دیتا ہوں۔

مغربی تہذیب کا زوال شروع ہو گیا

ہمارے سامنے یہ نمونے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نام کو تم بیچ میں لائے اس کی شرم بھی رکھنا، یہ نہیں کہ اس سے فائدہ ہی فائدہ اٹھاؤ یہ حکم عورتوں اور مردوں دونوں کے لئے ہے، آپ یہاں امریکن سوسائٹی میں ہیں، یہاں ہمیں صرف اسلام کے عقائد ہی پیش کرنا نہیں ہیں بلکہ اسلام کا خاندانی نظامِ معاشرت بھی پیش کرنا ہے، مغربی تہذیب آج تیزی کے ساتھ زوال کی طرف جا رہی ہے آپ کو بھی احساس ہوگا کہ مغربی تہذیب کا زوال شروع ہو گیا ہے، یہ کوئی ڈھکی چھپی حقیقت نہیں ہے، اس کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ یہاں کے خاندانی نظام میں ایک ابتری پیدا ہو گئی ہے، خاندانی نظام ٹوٹ رہا ہے، اس میں انتشار ہے، شوہر بیوی میں جو اعتماد اور جو محبت ہونی چاہئے، روز بروز اس میں کمی آ رہی ہے، اور اس وقت کے مفکر و فلاسفر پریشان ہیں اور کتابیں لکھی جا رہی ہیں کہ مغرب کے معاشرتی نظام کو ٹوٹنے سے، بکھرنے سے کس طرح بچایا جائے، طرفین میں محبت و الفت ہونی چاہئے جو زندگی کی حقیقی لذت ہے، اس میں فقر و فاقہ بھی ہوتا ہے، تو وہ خوش دلی کے ساتھ برداشت کر لیا جاتا ہے، ابھی ہمارے مشرقی ممالک میں بہت سے ایسے خاندان ہیں کہ وہاں کھانے کو مشکل سے ملتا ہے، لیکن ان کو جنت کا مزہ آتا ہے، کیوں کہ آپس میں محبت ہے، وہ ایک دوسرے کا منھ دیکھ کر اپنا فقر و فاقہ اور اپنی تکلیف بھول جاتے ہیں، یہاں سب کچھ ہے، تمام وسائل کا قدموں پر ڈھیر لگ گیا

ہے، اور کائنات کی بہت سی طاقتوں کو انھوں نے مسخر کرلیا ہے، لیکن وہ اپنے دل کی دنیا کو اور اپنے گھر کو جنت میں تبدیل نہیں کرسکتے جیسا کہ اقبالؔ نے کہا ہے کہ

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا　　اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

سکون کی تلاش

جس نے سورج کی شعاعوں کو اپنی مٹھی میں لے لیا ہے زندگی کی تاریک رات کو صبح میں تبدیل نہیں کرسکا، اور ستاروں کی گذرگاہوں کا تلاش کرنے والا، اگر اقبالؔ ہوتے تو کہتے کہ چاند تک پہونچنے والا مغربی انسان اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا، اپنے گھر کو گلدستہ اور جنت کا نمونہ نہ بنا سکا، جس نے دنیا کو جنت کا نمونہ بنانے کی کوشش کی اس کا گھر جہنم بنا ہوا ہے، بہت سے امریکی اور یورپین خاندان ایسے ہیں کہ ان کے گھر میں سکون کا کوئی سامان نہیں، اسی لئے ہم آج دیکھ رہے ہیں کہ وہ باہر کی تفریحات اور کلب میں سکون تلاش کرتے ہیں، کیونکہ سکون ان کے گھروں میں میسر نہیں ہے، گھر آکر ان کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ وہ دنیاوی جنت میں پہونچ گئے، بلکہ وہ گھر کی زندگی سے بھاگتے ہیں۔

احتیاج اور احترام

میں سمجھتا ہوں، جو یہاں دس دس برس، بیس بیس برس سے زندگی گذار رہے ہیں، وہ مجھ سے زائد اس المیہ سے اور اس کمزور پہلو سے واقف ہیں مجھے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں، بہرحال اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسلامی معاشرت کا ایک بنیادی تصور دیا ہے کہ معاشرہ ایک دوسرے کی احتیاج اور احترام پر قائم ہے، ضرورت تو سب کو ہوتی ہے، لیکن ضرورت کا محسوس کرنا اور جس سے وہ ضرورت پوری ہو اسکا احسان ماننا، یہ الگ ذہنی

کیفیت ہے، یہ ذہنی کیفیت اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے کہ ہم میں ہر فرد اپنے کو دوسرے کا محتاج سمجھے اور اپنی اس احتیاج کو تسلیم کرے اور دوسرے کا احترام کرے، اگر یہ تصور پورے طور سے تسلیم کرلیا جائے اور ذہن میں اتر جائے تو اسکے بعد کوئی گرہ باقی نہیں رہتی۔

میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ خدا آپ کی صحیح رہنمائی فرمائے اور آپ اس ملک میں اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرت کا ایسا نمونہ پیش کریں جو یہاں کی سوسائٹی کے لئے جو زندگی سے عاجز آچکی ہے، دل کش ثابت ہو اور وہ اسلام کے معاشرتی احکام اور اس کے باہمی تعلقات کا بھی سنجیدگی سے مطالعہ کریں اور اپنے لئے اس کو ترجیح دیں اور ان میں اس کا جذبہ پیدا ہو کہ کاش ہم کو بھی یہ نعمت حاصل ہوتی۔

اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ نہ صرف اس ملک کی بہت بڑی خدمت انجام دیں گی بلکہ اسلام کی بھی بہت بڑی خدمت انجام دیں گی اور یہ اسلام کی ایک عظیم تبلیغ ودعوت ہوگی(۱)۔

---

(۱) نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں ص: ۱۱۷ تا ۱۲۴۔

زندگی کے کرشمے اور حقیقی مسرت

زندگی کے کرشمے اور حقیقی مسرت

زندگی کے کرشمے اور حقیقی مسرت

حیات طیبہ کیا ہے؟

حمد وثنا کے بعد مولانا نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی "من عمل صالحاً من ذکر أو انثی، الایۃ" جو کوئی نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت بشر طیکہ وہ مومن ہو تو اس کو ہم اچھی زندگی گذروائیں گے، ہم اس کو حیات طیبہ عطا کریں گے اور بہترین اجر آخرت میں دیں گے، یہ خدا کا ایک بہت بڑا اعلان ہے، بہت چونکا دینے والا وعدہ ہے، بڑی ضمانت ہے، مرد اور عورت کی اس میں تخصیص نہیں، یہ اس لئے کہ ہر آدمی کو اچھی زندگی کی خواہش ہے، زندگی سب سے زیادہ محبوب چیز ہے، زندگی کی ہر چیز میں مزہ ہے کھانے میں مزہ ہے تو زندگی کی بدولت، صحت کا مزہ ہے تو زندگی کی بدولت، اولاد کا مزہ ہے تو زندگی کی بدولت یہ سب زندگی کے کرشمے، زندگی کے کھیل ہیں، اگر ہم نہیں ہیں تو ہماری بلا سے ہمیں ان سے کیا فائدہ۔

زندگی کی بے ثباتی

اگر دنیا میں نعمتیں لٹ رہی ہیں، لذتیں برس رہی ہیں، آسمان سے برکتیں

اتر رہی ہیں، زمین سونا اگل رہی ہے، اولاد سے گھر بھرا ہوا ہے، ہر وقت گھر میں، محلہ میں، شہر میں جشن ہو اور ہماری آنکھ بند ہو گئی تو عید ہو یا بارات، رنج ہو یا خوشی، ہمارے گھروں میں محلہ میں دستر خوان بچھے ہوں تو ہمیں کیا حاصل، تمام خوشیاں و مسرتیں تو زندگی کے دم سے ہیں، جہاں آنکھ بند ہوئی تمام چیزیں بے کار و بے معنی ہیں، زندگی تمام دلچسپیوں کا مرکز ہے، ہر چیز میں شیرینی زندگی کی بدولت ہے، لیکن ہم ناقص العقل، کم فہم، کم علم، بے تجربہ نہیں جانتے کہ اچھی زندگی کیا ہے، ہماری مثال تو بچہ کی سی ہے، کہ مٹھائی کھانے کو ملے اور من مانی کرنے دی جائے، پڑھنے نہ دیا جائے، اگر وہ گھر کی چھت سے گرنے کو کہے تو کوئی نہ روکے، کوئی ناز بردار باپ ایسا نہ ہو گا کہ وہ ایسا کرنے دے، ہمارے نقشہ پر تو زندگی ایسی ہے کہ بچے سے جوان ہوئے تو بڑھیا کپڑے ملیں، کھیلنے کو ملے، امیر گھرانوں میں گڈے کی شادیاں بڑے دھوم دھام سے ہوتی ہیں، تمام محلہ والوں کو دعوت دی جاتی ہے۔

عمر اور عقل کا فرق

یہ تو بچوں کا کھیل ہے، خرافات ہے، بچوں کو آپ سمجھائیں لیکن ان کی سمجھ میں نہیں آئے گا جس طرح عمر کا فرق ہوتا ہے اسی طرح عقل کا فرق ہوتا ہے، ایمانی عقل دوسری ہی چیز ہے، ایک کی زندگی دوسرے کو حماقت معلوم ہوتی ہے، ایک کا بگڑنا دوسرے کو سنورنا معلوم ہوتا ہے، یہ تجربہ کار سے پوچھئے یہ ان کے نزدیک خواب و خیال ہے بچوں کا کھیل ہے، جن کو اللہ چشم بصیرت عطا فرما دیتا ہے، اصل زندگی کی بہار جن کو نظر آجاتی ہے، ان کو یہ بچوں کا کھیل ہی نظر آتا ہے، حیاتِ طیبہ، اگر کوئی کہے کہ یہ

آخرت کی زندگی سے متعلق ہے تو کہیں گے کہ وہ تو ابدی زندگی ہے مگر یہ بات کہاں ہے کہ دنیا میں ٹھوکریں کھلوائیں گے، میرے نزدیک مطلب یہ ہے کہ دنیا و آخرت کی زندگی سدھروادیں گے، آخرت میں تو بے شک ان کو آرام ملے گا، دنیا میں بھی اچھی زندگی اور آخرت میں بھی حیاتِ طیبہ عطا فرمائیں گے ارشاد ربانی ہے "جن لوگوں نے معصیت کی ان کو اس کا مزہ یہیں چکھادیں گے۔"

دل کو ہلا دینے والا اعلان

دوسری جگہ ارشاد ہے: "فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ" جن لوگوں نے اللہ کو بھلادیا، آخرت کو فراموش کردیا، ان کے لئے یہ سخت ترین نوٹس ہے، سخت ترین اعلان ہے بدن کے رونگٹے اس اعلان سے کھڑے ہو جانا چاہئیں، خدا فرماتا ہے اسی دنیا کی زندگی میں ہم ان کو مزہ چکھادیں گے ہم ان کو پیس پیس کر ماریں گے، ایسے کوڑے ماریں گے کہ تمام نشہ اتر جائے گا، اسی اولاد سے جو بڑے ارمانوں سے ملی، خون جگر پلا پلا کر، لخت جگر کھلا کھلا کر پالا گیا جس اولاد کے لئے نافرمانی کی، خدا کو بھلادیا تو یہ اولاد تمہارے گلوں کا طوق بن جائے گی۔

ماں کیا ہے اور کیا ہوگئی

عورتوں کو بچے پالنے میں جن مصائب سے گذرنا پڑتا ہے اس کا تھوڑا حصہ اگر کوئی برداشت کرے تو میں اس کی ولایت کی قسم کھاتا ہوں، بچہ کی بیماری میں جو ماں کے دل پر گذرتی ہے، مائیں روتی ہیں، بلکتی ہیں، تڑپتی ہیں، اس کو عورتوں سے زیادہ کون جانتا

ہے، یہ لاڈوں سے پالی ہوئی اولاد جب بڑی ہوئی تو ماں باپ نے اچھا انتخاب کیا، شادی کی، مال وزر خرچ کیا، نذرانے پیش کئے، اس کے بعد لڑکے کا دل ماں سے بھر گیا، بیوی کے تمام عزیزوں سے ملاقات اور تعلقات قائم، لیکن وہی ماں جس نے اس کو بڑے ناز وانداز سے پالا تھا، وہ ڈائن، قاتل دشمن، پھوہڑ ہو جاتی ہے، یہ ذلت کتنی بڑی ہے کہ دل پر آرے چلتے ہیں اور یہ بیٹے چلاتے ہیں، شادی کے بعد معلوم ہوتا ہے رشک جنت گھر جہنم کا نمونہ بن گیا۔

ماں اور بیوی کا فرق

بعض زن مریدی میں ایسے دیوانے ہوئے کہ انھوں نے بیوی کی خاطر شہر چھوڑ دیا، شہر ہی نہیں ہندوستان چھوڑ دیا۔ یہ سب دنیا میں ہوتا ہے اور گھر گھر میں ہو رہا ہے، اولاد اور دکھ یہ ایسی بات ہوئی کہ ٹھنڈک میں گرمی، آگ میں پانی، پانی میں آگ، اندھیرے میں اجالا، ماں اپنے بیٹے کو کیسے بھول سکتی ہے، نہ تعلق رکھ سکتی ہے اگر وہ گھر میں داخل ہوا تو بحث وتکرار شروع ہو گئی، ماں کا کام ہے خاموش سنتی رہے، اپنی زبان میں قفل ڈالے، اس کو بولنے کا کوئی حق نہیں اور بیوی کو پیغمبر کی طرح بے قصور سمجھ لیا، اس کے متعلق کوئی سنی نہیں جا سکتی، یہ وہی اولاد ہے جس کی خاطر ماں اپنی رات آنکھوں میں کاٹ دیتی ہے، ذرا اس بچہ کو تکلیف ہو جائے تو بیکل ہو جاتی ہے، کہاں کا آرام، کہاں کا سکون سراپا اضطراب بن جاتی ہے یہ ہو اولاد سے سخت ترین عذاب۔

مال ایک عذاب

مال آیا تو قانون کی مصیبت آئی طرح طرح کی مصیبتیں لاحق ہوئیں، کچھ نہیں تو ۹۹ کے پھیر میں پڑ گئے، کوٹھی، موٹر کا روگ لگ گیا، میں تو کہتا ہوں کہ تپ دق لگ گیا، اولاد اور مال تو سکھ کے لیے ہیں نہ کہ دکھ کے لیے، مال میں کوئی کمی نہیں لیکن بیماری لگ گئی، ڈاکٹروں کی فیس میں پیسے لگ رہے ہیں آب وہوا کی تبدیلی میں پیسے لگ رہے ہیں، یہ سزائیں کس نے تجویز کی تھیں کہ مال ان چیزوں میں گھس رہا ہے اور مہلک بیماریاں لگ رہی ہیں۔ امیروں کی بیماریاں بھی امیر ہوتی ہیں بیماریوں کی وجہ سے نہ دن کو آرام نہ رات کو، حقیقی آرام ان کو حاصل ہی نہیں ویسے مال بھی ہے اور بنگلے بھی، چوبیس گھنٹے جان ہتھیلی پر رہتی ہے، نہ تعلیم سے کچھ ہوتا ہے نہ دولت سے، سکھ کا تعلق کسی اور چیز سے ہے، حقیقی مسرت کسی اور چیز میں ہے، روحانی سکون کسی اور چیز میں ہے۔

حقیقی راحت

دنیا کی زندگی میں حقیقی راحت واقعی انھیں کو ہوتی ہے جن گھروں میں عقائد کی یکسانی ہو، معیاروں میں یکسانی ہو، معاشرت میں یکسانی ہو، اولاد کی معیت ہوگی تو کوئی فکر نہ معلوم ہوگی۔ موت موت معلوم نہ ہوگی اس کا شوق بڑھے گا اس سے گھبراہٹ نہیں ہوگی۔ جنت کی تعریف سب سے بڑی یہ ہے کہ وہاں خوف و غم نہ ہوگا جن گھروں میں عقائد میں یکسانی ہو، معیاروں میں یکسانی ہو، اس دنیا میں ان کو جنت کا مزہ آجاتا ہے، اس کے بعد موٹا جھوٹا کھانا اور دال کھانے کو ملے تو اس میں جو مزہ ہے دنیا کی کسی بڑی سے بڑی نعمتوں میں نہیں ہوگا

ایک مثال

ایک بادشاہ نے اعلان کیا کہ میں ایک ایک دن تمام لوگوں کے یہاں کھانا کھاؤں گا لوگوں نے جس کی باری آئی خوب اہتمام کیا ایک حکیم جی کی باری آئی تو انھوں نے بیوی سے کہاوہ جوار کی روٹیاں اور دال بگھار کرر کھ دے۔ بیوی نے کہا کہ شاید ان کا دماغ خراب ہو گیا، حکیم صاحب بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ جنگل میں ہرن بہت ہو گئے ہیں ان کا شکار کیا جائے بادشاہ شکار کے لیے نکل پڑے، دن بھر گھومتے گھومتے تھک گئے لیکن ایک ہرن بھی ہاتھ نہیں آیا، شام کو حکیم صاحب نے کہا کہ چلئے کھانا کھایا جائے، بادشاہ بھوک سے بے حال تھے، دال اور جو کی روٹی پیش کی گئی تو بادشاہ نے بڑے شوق سے کھائی۔

کھلی جو کتاب

اگر بھوک اور حقیقی مسرت ہو تو دال روٹی بھی ایک بڑی نعمت معلوم ہوتی ہے، جن گھروں میں خدا نے سکون عطا فرمایا ہے، جو گھر باہمی مناقشوں سے خالی ہیں وہاں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ چہرے کھلے پڑتے ہیں، ہر ایک دوسرے کے لیے قربانی پر آمادہ نظر آتا ہے، ماں چاہتی ہے کہ پہلے بچے کھائیں اور بچے یہ چاہتے ہیں کہ ماں کھائے، نہ کسی کے دل میں کینہ، نہ کسی سے شکوہ نہ کسی سے شکایت، ہر شخص خوش و خرم نظر آئے گا، یہ خدا کی بڑی نعمت ہے جن گھروں میں یہ چیز ہے یہ جنت کا مزہ نہیں تو کیا ہے، جنت کی روح ہر وقت کی خوشی ہے، جنت دل کی خوشی اور غم و خوف سے نجات سے عبارت ہے۔

فیشن ایبل بیوی

ہمارے دوستوں نے ہمیں بتایا کہ آج کل تعلیم یافتہ لڑکیوں میں شادی نہ کرنے کا رجحان عام ہے، شوہر دن بھر کا تھکا ہارا گھر آئے تو سیاست پر بحث شروع ہو گئی کہ آپ نے آج ٹائمز آف انڈیا میں فلاں خبر پڑھی ہوگی، سوشلزم سے میں اسی لیے گھبراتی ہوں، شوہر نے کوئی بات کہی تو بیوی نے کہا کہ آپ ٹھیک نہیں کہہ رہے ہیں، میں نے تو فلاں کتاب میں یہ پڑھا تھا۔

آرام اور تعیش کی پیداوار

بڑے گھروں میں صوفے ہیں، بلڈنگیں ہیں، باتھ روم ہیں لیکن دل کی خوشی نہیں، دل کا سکون نہیں، شوہر عورت سے بدگمان ہے، عورت شوہر سے بدگمان ہے، کہاں کی موٹر کہاں کا سونا، آدمی کہے گا یہ سب لے جاؤ لیکن دل کا سکون دے دو ایک بزرگ کہتے تھے کہ جنت میں تو اپنے سینہ میں لیے پھرتا ہوں، اس کو کوئی مجھ سے چھین نہیں سکتا۔ چھوٹے گھروں میں روٹی دال ہے ہفتوں گذر جاتے ہیں منھ کا مزہ بدلنے کے لیے کوئی چیز نہیں ملتی۔ اگر دلی سکون ہے تو دال روٹی ہی ان کو بڑی نعمت معلوم ہوتی ہے۔ کسی عورت کا بچہ بیمار ہے اور عورت کو دعوت میں بلالیا جائے، اگر وہ دعوت میں گئی تو اس کو ہر چیز بُری معلوم ہوگی، اس کو یہ معلوم ہوگا کہ ہر چیز اس کا مذاق اڑا رہی ہے۔ یاد رکھئے دل چین سے ہے تو بدن چین سے ہے، دل چین سے نہ ہو تو بدن چین سے ہرگز نہیں ہو سکتا، گدے گدے معلوم نہیں ہوں گے کانٹوں کا بستر معلوم ہوں گے، ہمیں

اس حیات طیبہ کے لیے جان قربان کرنا چاہئے حیات طیبہ فقر سے ملے تو مبارک، کم تعلیم سے ملے تو مبارک، میلے کپڑوں سے ملے تو مبارک، مصیبتوں کے ساتھ ملے تو مبارک، ہفت اقلیم کے ساتھ ملے تو مبارک، حجاج بدنام بہت ہے، وہ ایک دن بیٹھا کھانا کھا رہا تھا، ایک بدو پاس سے گذرا تو اس سے کہا کہ آؤ کھانا کھالو جب کھانا کھا چکا تو حجاج نے کہا کہ کیا ہے، بدو نے کہا، اس میں نہ باورچی کی مہارت کو دخل ہے نہ مصالحہ کو دخل ہے بلکہ آپ بے فکر رہیں کہ دشمن آپ کے پیچھے نہیں، کسی قسم کا خطرہ آپ محسوس نہیں کر رہے ہیں، اگر آپ کے پیچھے دشمن ہوتے اس میں کیا خاک مزہ ہے۔

طلب صادق

معدہ میں اگر طلب ہے تو کھانا مزہ دار، اگر دل میں سلامتی ہے تو زندگی مزہ دار ہے، جب تعلقات درست ہوں گھر پر اللہ کی رحمت نازل ہو تو پانی میں بھی وہ مزہ ہے جو شربت میں نہیں، موٹے اناج میں جو مزہ ہے وہ من و سلویٰ میں نہیں، جہاں احکام شریعت کا پاس ہو، جہاں شریعت نے کہا رک جاؤ رک گئے، شریعت نے کہا کہ کسی پر ظلم نہ کرنا، سودی قرض نہ لینا، خیانت نہ کرنا، جھوٹ نہ بولنا، چھوٹے کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، والدین کا ادب کرنا، اگر احکام کی پابندی ہوگی تو ہر چیز باعث برکت ہوگی اور کامیابی ہی کامیابی ہوگی۔ ضرورت ہے کہ خدا کے سامنے اپنے خالی ہاتھ ہونے کا، بے بس ہونے کا، اظہار کیا جائے، نماز کے ذریعہ، اخلاص کے ذریعہ، اللہ تعالیٰ حیات طیبہ کی توفیق اور اس کی عقل ہم کو نصیب فرمائے(۱)۔ آمین

---

(۱) ماخوذ: تعمیر حیات ۲۵/ اکتوبر ۱۹۸۸ء

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ

اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ

يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ

وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْراً.

اور جو کوئی نیکیوں پر عمل کریگا خواہ مرد ہو یا عورت

اور صاحب ایمان ہو تو ایسے سب لوگ

جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر

ذرا بھی ظلم نہیں ہو گا۔

آزادیٔ نسواں
اور شرعی و غیر شرعی پردہ

آزادیٔ نسواں اور شرعی و غیر شرعی پردہ

مصر میں آزادیٔ نسواں کی تحریک اور اسکے اثرات

مغربی تہذیب و معاشرت سے گہرے تاثر کی ایک واضح مثال آزادیٔ نسواں کے مشہور مصری نقیب قاسم امین کی کتاب تحریر المراۃ (عورت کی آزادی) نیز ان کی دوسری کتاب المراۃ الجدیدۃ(۱) (خاتون جدید) ہے پہلی کتاب میں مصنف نے دعویٰ کیا ہے کہ بے پردگی کی دعوت میں دین میں کوئی مخالفت نہیں پائی جاتی، ان کا بیان ہے کہ شریعت اسلامی چند کلیات اور عمومی حدود کا نام ہے، اگر جزئیات احکام بیان کرنا اس کا وظیفہ ہوتا تو اس میں عالم گیر قانون بننے کی صلاحیت نہ رہتی جو ہر زمانہ اور ہر قوم کے مناسب ہے شریعت کے وہ احکام جو مروجہ عادات و معاملات پر مبنی ہیں، ان میں حالات اور زمانہ کے مطابق تغیر و تبدل کیا جاسکتا ہے، شریعت کا مطالبہ صرف اس قدر ہے کہ یہ تغیر و تبدل کوئی ایسا نہ ہو جس سے اس کی عام بنیادوں میں سے کوئی بنیاد متاثر و مجروح ہو۔

اس کتاب میں مصنف نے چار مسائل سے بحث کی ہے (۱) پردہ (۲) عورت کا عام زندگی میں حصہ لینا (۳) تعدد ازدواج (۴) طلاق، ان چاروں مباحث میں انھوں

---

(۱) سن اشاعت ۱۹۰۰ء اس کتاب کا جواب مشہور مصری فاضل فریدی وجدی مرحوم نے دیا جو المراۃ المسلمۃ کے نام سے شائع ہوئی جس کا ترجمہ ابوالکلام آزاد مرحوم نے اپنے ابتدائی دور میں اردو میں کیا تھا۔

نے اہل مغرب کے مسلک کو اختیار کیا ہے اور یہ دعوی کیا ہے کہ یہی اسلام کا مسلک ہے۔
مغربی تعلیم، مغربی تہذیب اور اس کے اقدار سے مصنف کا گہرا تاثر ان کی دوسری کتاب "خاتون جدید" میں زیادہ نمایاں ہے، اس کتاب میں مصنف نے جدید مغربی طریقۂ بحث واستدلال کو اختیار کیا ہے جو ان تمام مسلمات و عقائد کو مسترد کرتا ہے، جن کا تجربہ یا حقیقت تائید نہیں کرتی خواہ وہ مسلمات و عقائد دین کے راستہ سے پہونچے ہوں یا کسی اور راستہ سے، یہی وہ طریقہ ہے جس کو اہل مغرب واحد علمی طریقہ (سائنٹیفک) کہتے ہیں، اس کتاب کے آخر میں مصنف نے مغربی تہذیب و معاشرت کے طریقوں کو اختیار کرنے کی کھلی دعوت دی ہے، مسلمانوں اور مصریوں کو اپنی تہذیب و معاشرت اور ماضی پر جو ناز ہے اس پر نکتہ چینی کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے:

> "یہی ہماری وہ بیماری ہے جس کے علاج کی سب سے پہلے ضرورت ہے اس کا صرف ایک علاج ہے وہ یہ کہ ہم اپنی نئی نسل کو مغربی تمدن کے حالات سے آشنا بنائیں اور وہ اس کے اصول و فروع سے واقف ہوں جب وہ وقت آئے گا (جو کچھ زیادہ دور نہیں ہے) تو حقیقت آفتاب کی طرح روشن ہو جائے گی اس وقت ہم کو مغرب کے تمدن کی قدر و قیمت معلوم ہوگی اور ہم کو یقین آجائے گا کہ کوئی اصلاح اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ جدید مغربی علوم کی بنیاد پر قائم نہ ہو اور یہ کہ انسانوں کے حالات خواہ مادی ہوں یا اخلاقی، علم کے تابع فرمان ہونے چاہئیں اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ موجودہ متمدن قومیں قومیت، زبان، وطن اور مذہب میں کتنا ہی اختلاف رکھتی ہوں، حکومت کی شکل، انتظام، عدالت، خاندانی نظام، طریقۂ تربیت

زبان، رسم الخط اور طرز تعمیر یہاں تک کہ معمولی عادات، لباس، سلام، اور خورد ونوش میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں، اسی بنا پر ہم اہل مغرب کو بطور مثال اور نمونے پیش کرتے ہیں ان کی تقلید پر زور دیتے ہیں، اور اسی بنا پر ہم اپنے اہل ملک کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ مغربی خاتون کے حالات کا مطالعہ کریں(۱)۔

یہ دونوں کتابیں مصر کے جدید حلقہ میں بڑی مقبول ہوئیں، ان کی اشاعت اور آزادیٔ نسواں کی تحریک میں تجدد پسندوں نے جو سرگرمی دکھائی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عورتوں میں آزادی و بے پردگی کی ایک شدید لہر پیدا ہو گئی، مردوں عورتوں کے مخلوط اجتماعات کا رواج ہو چلا اور تعلیم حاصل کرنے کے لئے مصری لڑکیاں اور طالبات یورپ اور امریکہ کا سفر کرنے لگیں اسکندریہ یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر محمد حسین اپنی تازہ فاضلانہ کتاب "الاتجاهات الوطنية فى الادب المعاصر" میں لکھتے ہیں:

"اس دعوت و تحریک کے نتیجہ میں عورتوں میں بے پردگی اور بے حجابی آزادی و بے قیدی کا جو رجحان پیدا ہوا اس سے اسلامی خیال کے لوگ گھبرا گئے عورتوں کے حالات میں جو انقلاب آرہا تھا، قدیم آداب ورسوم باپ اور شوہر کے اقتدار کے خلاف بغاوت کا جو جذبہ پیدا ہو رہا تھا اس کو انھوں نے شدت سے ناپسند کیا، وہ استعجاب اور پریشانی کے عالم میں لباس کی تبدیلیوں اور تیزی کے ساتھ ڈھیلے ڈھالے اور ساتر مصری لباس کے مقابلہ میں چست و کوتاہ مغربی لباس کو دیکھ رہے تھے جو اس تیزی کے ساتھ عورتوں میں مقبول

---

(۱) المرأة الجديدة ص: ۱۸۶-۱۸۵۔

ہو رہا تھا کہ جس کا ان کو پہلے سے کوئی اندازہ نہ تھا(۱)۔

ان مصری خواتین کا ذکر کرتے ہوئے جنہوں نے اس تحریک میں خاص دلچسپی لی اور اس سلسلہ میں یورپ و امریکہ تک کا سفر کیا وہ لکھتے ہیں:

"آزادیٔ نسواں کی اس تحریک کی علم برداری خاص طور پر علی باشا شعراوی کی بیگم ہدی شعراوی نے کی ...... انھوں نے ایسی جرأت وجدت سے کام لیا جس کی اب تک کسی مسلمان خاتون نے ہمت نہیں کی تھی، انھوں نے مغربی عورت کے حالات کا مطالعہ کرنے کے لئے پیرس اور امریکہ کا سفر کیا وہ اخباری نمائندوں کو بے تکلف بیان دیتیں اور اپنے تاثرات اور خیالات کا آزادانہ اظہار کرتیں (۲-۳)۔

امریکہ میں مسلمان عورتوں کے لباس کا مسئلہ

امریکہ میں نعمان زید کی اہلیہ ہندوستانی طرز کے حجاب میں نہ تھیں لیکن لباس ایسا ساتر تھا کہ جو شرعی حجاب کہا جاسکتا ہے، چہرہ اور گٹے تک ہاتھ کھلے ہوئے تھے، پورے امریکہ میں حجاب کی پابندی کرنے والی عورتیں اسی حجاب کی پابند ہیں اور وہاں کی زندگی میں اس سے زائد کو مشکل سمجھتی ہیں وہاں کی تمدنی دشواریوں کے باعث ان کا یہ

---

(۱) الاتجاہات الوطنیۃ فی الادب المعاصر ج: ۲-ص: ۲۳۵۔

(۲) ایضاً

(۳) ماخوذ: مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش ص: ۱۴۴ تا ۱۴۸۔

احساس سراسر غلط بھی نہیں قرار دیا جاسکتا، البتہ اسلامی ذہن سے قربت رکھنے والی متعدد ہندوستانی یا پاکستانی عورتوں میں ساڑی کا رواج محتاط عرب عورتوں اور مردوں کے نزدیک سخت قابل اعتراض ہے، ان کی تنقید یہ ہے کہ یہ عورتیں اپنے ساڑی کے اس لباس میں ضروری احتیاط کرنے سے قاصر رہتی ہیں جو کم از کم نماز کی صحت کے لئے تو مشروط ہے، بلاؤز عموماً ساتر نہیں ہوتا، امریکہ میں کئی جگہ اس امر کی طرف توجہ دلائی گئی کہ ہندوپاک کی عورتوں کو اس غیر ساتر لباس سے روکا جائے اور بعض نو مسلم امریکی عورتوں نے تو مسلم اجتماعات میں شرکت سے یہ کہہ کر کنارہ کشی اختیار کرلی کہ ایسے ماحول میں جس میں عورتوں کا لباس حیا سوز ہے شرکت کو جی نہیں چاہتا، کاش یہ غیر محتاط لباس پہننے والی خواتین اس امر کی طرف توجہ کرتیں۔

نعمان زیدؔ کی اہلیہ نے جن کا نام غالباً زینب ہے اپنے شوہر کے توسط سے پردہ اور مردوں سے بصورت مجبوری ضروری خلاء ملاء رکھنے کے سلسلہ میں کچھ سوالات کئے جن کی حیثیت مسئلہ پوچھنے کی سی تھی، مولانا مدظلہٗ نے مناسب جواب دیا تھا۔ نعمان زید اور ان کی اہلیہ ان عربوں میں معلوم ہوئے جن کے خیالات بہت متوازن اور خالص اسلامی ہیں، وہ عربوں میں غلط آزادی اور قومیت کے نظریات سے سخت اختلاف رکھتے ہیں، یہاں مع اہلیہ کے تعلیم مکمل کررہے ہیں اور اپنی صلاحیت کے مطابق اسلامی خیالات کے فروغ میں پورا حصہ لیتے ہیں(۱)۔

مغربی تہذیب کی پیروی کے نتائج

اجتماعی و معاشرت اور سوشل زندگی میں مغربی طریقوں کی پیروی اور ان کے

---

(۱) دو مہینہ امریکہ میں ص: ۲۱۱-۲۱۲۔

اصول زندگی اور طرز معاشرت کو قبول کرلینا اسلامی معاشرہ میں بڑے دوررس نتائج رکھتا ہے، اس وقت مغرب ایک اخلاقی جذام میں مبتلا ہے، جس سے اس کا جسم برابر کٹتا اور گلتا چلا جارہا ہے اور اب اس کی عفونت پورے ماحول میں پھیلی ہوئی ہے اس مرضِ جذام کا سبب (جو تقریباً لاعلاج ہے) اس کی جنسی بے راہ روی اور اخلاقی انارکی ہے جو بہیمیت وحیوانیت کے حدود تک پہونچ گئی ہے، لیکن اس کیفیت کا بھی حقیقی واولین سبب عورتوں کی حد سے بڑھی ہوئی آزادی، مکمل بے پردگی، مردوزن کا غیر محدود اختلاط، اور شراب نوشی تھی، کسی اسلامی ملک میں اگر عورتوں کو ایسی ہی آزادی دی گئی، پردہ یکسر اٹھادیا گیا، دونوں صنفوں کے اختلاط کے آزادانہ مواقع فراہم کیے گئے، مخلوط تعلیم جاری کی گئی تو اس کا نتیجہ اخلاقی انتشار اور جنسی انارکی، سول میرج تمام اخلاقی ودینی حدود واصول سے بغاوت، اور بالاختصار اس اخلاقی جذام کے سوا کچھ نہیں جو مغرب کو ٹھیک انھیں اسباب کی بناپر لاحق ہوچکا ہے، ان اسلامی ملکوں میں جہاں مغربی تہذیب کی پرجوش نقل کی جارہی ہے، اور جہاں پردہ بالکل اٹھ گیا ہے اور مردوزن کو اختلاط کے آزادانہ مواقع حاصل ہیں، پھر صحافت، سینما، ٹیلی ویژن، لٹریچر اور حکمراں طبقہ کی زندگی اس کی ہمت افزائی بلکہ رہنمائی کررہی ہے، وہاں اس جذام کے آثار وعلامات پوری طرح ظاہر ہونے لگے ہیں، اور یہ قانونِ قدرت ہے جس سے کہیں مفر نہیں (۱)۔

گھریلو زندگی سے فرار اور اس کا دردناک انجام

میں نے قوموں اور تہذیب وتمدن کی تاریخ کا مطالعہ بڑی توجہ اور انہماک سے کیا ہے اور میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ قوموں اور ملتوں کے زوال، ان کی تباہی

---

(۱) مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش ص: ۲۱۵-۲۱۶۔

وبربادی اور انتہائی ترقی یافتہ اور مسحور کن تمدنوں اور تہذیبوں کے زوال اور دنیا کا سب سے اہم اور بنیادی سبب ہے ان کے عائلی نظام کا انتشار، گھریلو زندگی میں اعتدال وتوازن کا فقدان، مردوزن کے ارتباط باہمی میں فسادو اختلال، گھریلو زندگی سے عورتوں کی بے توجہی اور اس کی ذمہ داریوں سے فرار تاریخ میں جتنی بھی زوال پزیر تہذیبیں اور پستی وانحطاط اور تباہی وبربادی کی طرف تیز قدموں سے بھاگتی ہوئی قومیں نظر آتی ہیں، وہاں یہ بیماری ضرور پھیلی ہوئی دکھائی دیتی ہے کہ عورتوں نے گھریلو زندگی سے فرار اور اس کی ذمہ داریوں سے پہلو تہی شروع کردی، وہ ماتا کے جذبہ سے محروم ہوگئیں، اولاد کی پرورش وپرداخت اور نئی نسل کی تربیت اور اس کی ذمہ داریوں سے گریز کرنے لگیں اور اپنے گھر کو سکون واطمینان کا گھر بنانے سے غافل ہوگئیں جہاں مرد کو امن وعافیت اور سکون وراحت کی دولت میسر آسکے وہ گھر میں داخل ہو تو محسوس کرے جیسے جنت میں آگیا ہو بلکہ اس کے بجائے وہ مردوں کی ذمہ داریوں اور ان کی کارگذاری کے میدانوں میں برابر کی شرکت، ان کی ہم سفری اور ہم صفیری، ہر میدان میں ان کے دوش بدوش کھڑے ہونے، بلکہ زندگی کے تمام شعبوں میں ان کا مقابلہ کرنے کے شوق میں پاگل ہوگئیں اور اس کے نتیجے میں ان معاشروں میں ذہنی وفکری انتشار، عام لاقانونیت، انارکی اور اخلاقی بحران پیدا ہوگیا، نتیجہ یہ ہوا کہ ہلاکت کے غار کی طرف ان کے بڑھتے ہوئے قدم اور تیز ہوگئے یہی قدیم یونانیوں کی کہانی ہے اور یہی قدیم رومیوں اور ایرانیوں کے زوال کے داستان ہے اور مجھے خطرہ ہے کہ کہیں مشرقی قومیں بھی اس دردناک انجام سے دوچار نہ ہوں، رنج وفکر کی بات ہے کہ ہمارے مشرقی اسلامی معاشرہ میں اس کے آثار ظاہر بھی ہوچکے ہیں (۱)۔

---

(۱) ماخوذ: "رضوان" نومبر ۱۹۷۷ء

شرعی اور غیر شرعی پردہ کا رواج

مسلمان گھرانوں میں (خاص طو پر کھاتے پیتے گھرانوں میں اور جو اپنے کو اشراف کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں) پردہ کا اب بھی بہت کچھ رواج ہے یہاں اس سے بحث نہیں کہ وہ کتنا شرعی ہے، اور کتنا رواجی اور وہ کن مصالح پر مبنی ہے، کس حد تک ضروری اور کہاں تک قابل عمل ہے، پہلے اس میں بہت غلو تھا اب تعلیم کے اثر اور تمدنی، معاشی تبدیلیوں سے اس میں بہت ڈھیلا پن آگیا ہے، اور بعض "ترقی یافتہ" خاندانوں سے وہ بالکل رخصت ہو گیا ہے، پہلے مسلمان خواتین اور شریف بیبیاں ڈولی، فینس یا محافے کے بغیر نہیں نکلتی تھیں، بگھیوں اور فینسوں میں بھی چلمنیں پڑی ہوتی تھیں، اب تانگوں، رکشوں اور موٹروں نے ان "احتیاطوں" کو ختم کر دیا ہے، اور اسکولوں اور کالجوں کی تعلیم کی ضرورت نے تو اس میں مزید وسعت پیدا کر دی ہے۔

لیکن باہر کے اس پردہ کے باوجود گھروں میں پردہ شرعی احکام کے مطابق نہیں، اور ہندوستان میں مسلمانوں نے اس بارہ میں بڑی وسعت اور "فراخ دلی" سے کام لیا ہے، اور ان رشتہ داروں سے پردہ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی جن سے پردہ کرنے کی شریعت میں ہدایت یا تاکید آئی ہے، اور جن سے پردہ نہ ہونے کی حالت اور بے تکلفی میں بہت سے اخلاقی مفاسد کا خطرہ رہتا ہے (۱)۔

لڑکی کی نسبت کے بعد سسرالی عورتوں سے پردہ

لڑکی کی نسبت ہو جانے کے بعد سسرال والوں سے یہاں تک کہ اس گھر کی

---

(۱) ماخوذ: ہندوستانی مسلمان ایک نظر میں ص: ۵۴-۵۵۔

خواتین سے پردہ کرنے کی رسم بھی خالص ہندوستانی ہے، جو دوسرے ملکوں میں معروف نہیں، ایسی حالت میں قدیم خاندانوں میں لڑکیاں اپنی خالاؤں، پھوپھیوں، ممانیوں اور چچیوں سے بھی پردہ کرنے لگتی ہیں، جن کے لڑکے سے ان کی شادی طے ہو گئی ہے یا ان کے یہاں بات چیت کا سلسلہ جاری ہے (۱)۔

بے پردگی کا انسداد

شیخ امام بخش نے جو کلکتے کے بہت بڑے دولت مند تاجر تھے سید احمد شہیدؒ کی دعوت کی، کھانے کے بعد سید صاحبؒ سے عرض کی کہ "آپ میرے زنانہ مکان میں تشریف لے چلیں" ہمراہیوں نے کہا کہ آپ اندر جا کر پردہ کرا آئیں، وہ اندر گئے، اور باہر آکر کہا کہ پردہ ہو گیا، سید صاحبؒ آپ کے ساتھ مکان کے اندر گئے، وہاں تمام عورتیں لباس فاخرہ پہنے فرش پر بے پردہ بیٹھی تھیں، آپ یکایک ان کو دیکھ کر گھبرائے اور دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ کر لاحول پڑھتے ہوئے باہر آگئے، عورتوں نے شیخ امام بخش سے کہا کہ "حضرت دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ کر باہر کیوں تشریف لے گئے؟ خیر تو ہے؟" یہ سن کر وہ باہر آئے، سید صاحبؒ نے مولوی یوسف صاحب سے فرمایا کہ "یہ لوگ جانوروں کی مانند ہیں" انھوں نے پوچھا کہ ...... "حضرت خیر تو ہے؟" فرمایا کہ "شیخ صاحب مجھ کو اپنے مکان میں لے گئے اور کہا کہ پردہ ہو گیا ہے، وہاں جو میں گیا تو دیکھا کہ تمام عورتیں ایک فرش پر بے پردہ بیٹھی ہیں، میں وہیں سے لوٹ آیا"۔

باہر مکان میں بہت سی کرسیاں بچھی ہوئی تھیں، ایک کرسی پر سید صاحبؒ بیٹھ

---

(۱) ماخوذ: ہندوستانی مسلمان ایک نظر میں ص: ۵۴-۵۵۔

گئے، شیخ امام بخش بھی آپ کے پاس ایک کرسی آکر بیٹھ گئے، اور کرسیوں پر اور لوگ بیٹھ گئے، آپ نے شیخ امام بخش کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ "آپ کے اس ملک میں پردے کا دستور نہیں ہے، اور یہاں کے لوگ اس کی برائی بھلائی کچھ نہیں سمجھتے ہیں، انھوں نے عرض کی کہ "اس وقت آپ کے لوگوں کے کہنے کے موافق میں اندر گیا، وہاں کوئی غیر مرد نہ تھا، میں نے فرش بچھوا لیا اور عورتوں کو اس پر بٹھا کر باہر چلا آیا، میں نے جانا آپ اسی کو پردہ فرماتے ہیں"۔

آپ نے ان سے فرمایا کہ "اندر جایئے اور عورتوں کو ایک طرف دالان میں بٹھا کر دروں کے پردے چھوڑ دیجئے، پھر یہاں ہم باہر آکر پردے کا حال آپ کو بتائیں گے"۔

اس ملک کا یہ بھی دستور تھا کہ نوکر، خدمت گار بے تکلف زنانہ مکان میں چلے جاتے تھے، اور جو چیز دینی ہوتی تھی، ان کو دے آتے تھے، جو لینی ہوتی تھی، مانگ لاتے تھے، عورتیں ان سے پردہ نہیں کرتی تھیں۔

شیخ امام بخش مکان کے اندر گئے اور پردہ کرا کر باہر آئے، آپ نے جاتے ہوئے اپنے لوگوں سے فرمایا کہ مولانا عبدالحی صاحب کو بلا کر بٹھانا ہم تھوڑی دیر میں آتے ہیں، یہ فرما کر اندر چلے گئے، لوگوں نے مولانا عبدالحی صاحب کو بلا کر بٹھایا، کچھ عرصے میں آپ اندر سے تشریف لائے اور شیخ امام بخش سے پردہ کرنے کی خوبی اور نہ کرنے کی برائی بیان کرنے لگے اور فرمایا کہ:

> "پردہ نہ کرنا کفار کی رسم ہے، اور اس میں بڑے بڑے فساد اور قباحتیں ہیں، اور خدا اور رسول کی نافرمانی ہے، یہ سب بڑا گناہ ہے" اسی طور کے کلمات فرمائے، شیخ امام بخش نے عرض کی کہ "ہمارے اس پورے ملک میں کسی کے یہاں شرعی پردہ نہیں ہوتا ہے، تمام

شرفاء، غرباء کے گھروں کا یہی حال ہے، اب یکایک اس کا بندوبست
کرنا دشوار کام ہے، آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں سے اس
بے دینی کو دفع کرے، اس کے بغیر خیال میں نہیں آتا کہ عورتیں
مانیں گی"۔

سید صاحبؒ نے مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا"کہ آپ ان لوگوں کو دوروز تک یہاں اس امر کے متعلق وعظ ونصیحت سنائیں" مولانا نے فرمایا" میں حاضر ہوں، جو ارشاد ہو بجالاؤں گا، مگر یہاں کی عورتیں تو طرح طرح کی بلاؤں میں مبتلا ہیں، فقط ایک پردہ نہ کرنا ہی تو نہیں ہے، شرک وبدعت کیا کم کرتی ہیں؟ آپ ان کے لئے دعا کریں، اور ہدایت تو اللہ کے اختیار میں ہے"۔

سید صاحبؒ نے ننگے سر ہو کر بڑی عاجزی اور زاری کے ساتھ دعا کی اور فرمایا کہ "انشاء اللہ شیخ بھائی تم سب دیکھو گے کہ جو اپنے یہاں پردہ کروانے سے گھبراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم سے اس کا بندوبست کرنا مشکل ہے، وہ آپ ہی خوشی خوشی پردہ کریں گی، اور جو شرک وبدعت میں مبتلا ہیں، وہ توحید اور سنت پر قائم ہوجائیں گی جب اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو مع الخیر حرمین شریفین سے پھر یہاں لائے گا تب تم ہی لوگ ہم سے بیان کرو گے کہ اللہ نے ان لوگوں کو ایسی ہدایت کی، اسی طرح آپ نے بہت سی باتیں فرمائیں(۱)۔

خواتین اور مستورات سے خطاب

یکم اپریل ۱۹۹۵ء کو دوحہ (قطر) میں وزارت اوقاف نے ایک پروگرام خواتین

(۱) ماخوذ: سیرت سید احمد شہیدؒ ج:۱-ص:۳۳۰

سے خطاب کا بھی رکھا تھا، جس میں پردہ کا پورا اہتمام کیا گیا تھا، بلکہ بجائے چادر کے آڑ ہونے کے ہماری نشست پس دیوار تھی اور مائک کے ذریعہ آواز پس دیوار پہنچ رہی تھی۔

ہم نے اسلامی معاشرت اور اسلامی طرز زندگی کے موضوع پر تقریر کی، اور کہا کہ جس وقت عربوں نے جو ایک صحرایا تمدنی واقتصادی لحاظ سے نہایت غریب و پسماندہ شہروں میں زندگی گزار رہے تھے، بہت سے خیموں میں رہتے تھے اور کھجور اور اونٹ کے گوشت اور دودھ پر بسر کرتے تھے، جب ایک طرف بازنطینی سلطنت (جو رومن امپائر کی جانشین تھی اور تمدن میں نقطۂ عروج پر پہنچی ہوئی تھی) اور دوسری طرف ساسانی سلطنت کو فتح کیا، جو تہذیب و تکلفات، لوازم زندگی اور تعیش کے آخری نقطہ پر تھی، تو اس وقت فاتح عربوں کو اور ان سے زائد ان کی مستورات اور خواتین کو یہ آزمائش پیش آئی کہ انھوں نے ان کے معیار زندگی، لوازم حیات اور حد سے بڑھے ہوئے تجمل و تعیش کا مشاہدہ کیا، اس کے قصے وروایات سنیں اور نمونے بھی دیکھے، اس وقت یہ بڑی آزمائش کا موقع تھا کہ خواتین کے منہ میں بھی پانی بھر آتا، ان کی نگاہیں خیرہ ہو جاتیں اور وہ اپنے مردوں سے فرمائش کرتیں کہ ہمیں بھی یہی پہناؤ، ہمارے گھروں کو بھی اسی طرح سجاؤ اور ہمیں بھی زندگی کا لطف اٹھانے اور اپنی شان دکھانے کا موقع دو، لیکن ان باایمان خواتین کا بڑا کارنامہ اور احسان ہے، جس کو اسلامی دنیا اور اس وقت کی نسل بھی نہیں بھول سکتی، کہ انھوں نے اس کی طرف طمع اور رشک کی نظر نہیں اٹھائی، ان کو اپنے لئے نمونہ اور قابل تقلید نہیں سمجھا، انھوں نے اپنی اسی سادہ زندگی پر قناعت کی اور پردہ، حیات کفاف و قناعت اور اسلامی معاشرت کو دانتوں سے مضبوط پکڑا اور اس پر وہ قائم و مستقیم رہیں، آج بھی اسی کی ضرورت ہے اور آج بھی وہی امتحان درپیش ہے، جس میں ہماری عرب بہنوں کو سارے عالم اسلام کے لئے نمونہ بننا چاہئے۔

ایک لطیفہ

تقریر کے بعد خواتین کی طرف سے لکھے ہوئے سوالات عربی میں آنے شروع ہوئے، ناظم جلسہ ان میں سے انتخاب کر کے دیتے تھے اور راقم ان کا جواب دیتا تھا، اسی اثناء میں ایک خاتون نے (غالباً زبانی طور پر) پوچھا کہ شیخ! آپ تو ہم کو نہیں دیکھ سکتے کہ ہم نامحرم ہیں، کیا ہم آپ کو دیکھ سکتے ہیں؟ راقم نے جواب میں کہا کہ ہماری تصویر یہاں کئی پرچوں اور اخبارات میں شائع ہو چکی ہے اس کو دیکھ لیجئے (۱)۔

نبوت محمدی کا عطیہ

انسان کبھی ترنگ میں آتا ہے اور طفلانہ معصومیت کے ساتھ اپنے مالک سے کچھ کہنے لگتا ہے، ایسی ہی ترنگ میں اقبالؒ نے انسانوں کی طرف سے اپنے مالک کی بارگاہ میں عرض کیا تھا۔

ترا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آباد!

اگر آج محمد رسول اللہ ﷺ کا ایک ادنیٰ غلام عرض کرے تو کیا بے جا ہے کہ خدایا تیری خدائی برحق! تو محمد رسول اللہ کا خالق اور اس ساری دنیا کا خالق و مالک اور ہر شئے پر قادر ہے، لیکن کیا تیرے بندوں اور تیری مخلوقات میں سے کسی نے ترا نام اس طرح پھیلایا اور دنیا کے کونے کونے میں پہنچایا جس طرح تیرے بندے اور پیغمبر رسول اللہ ﷺ نے؟ یہ کوئی بے ادبی اور سرکشی نہیں، اس میں بھی تعریف اس خدا کی ہے جس نے محمد رسول اللہ ﷺ جیسا پیغمبر اور ان کو اپنا نام پھیلانے اور اپنا دین چمکانے کی یہ طاقت اور

---

(۱) ماخوذ: کاروان زندگی ج:۶، ص: ۸۳-۸۲۔

توفیق عطا فرمائی۔

آنحضرت ﷺ نے بدر کے میدان میں جب اپنی چودہ پندرہ سال کی کمائی اللہ کے دین کی مدد کے لئے سامنے رکھ دی اور ۳۱۳ کو ایک ہزار کے مقابلہ میں لاکر کھڑا کردیا تو زمین پر سر رکھ کر اپنے مالک سے یہی کہا تھا کہ اے اللہ اگر تو اس مٹھی بھر جماعت کو آج ہلاک کردینے کا فیصلہ فرماتا ہے تو قیامت تک تیری عبادت نہ ہوسکے گی۔

آنحضرت ﷺ نے توحید کی جو صدا لگائی تھی اس سے دنیا کا کوئی مذہب، کوئی فلسفہ اور کوئی دماغ غیر متاثر نہیں رہا، جب سے دنیا نے سنا کہ انسان کے لئے خدا کے سوا کسی اور کے سامنے جھکنا ذلت اور عار ہے خدا نے فرشتوں کو آدمؑ کے سامنے اس لئے جھکایا تاکہ سب سجدے اس کی اولاد پر حرام ہوجائیں، وہ سمجھ لے کہ جب اس کارخانہ قدرت کے کارندے ہمارے سامنے جھکادیئے گئے تو ہم کو اس دنیا کی کسی چیز کے سامنے جھکنا کب زیب دیتا ہے، جب سے دنیا نے توحید کی یہ حقیقت اور انسان نے اپنی یہ حیثیت سنی اس وقت سے شرک خود اپنی نگاہ میں ذلیل ہوگیا، اس کو احساس کمتری نے گھیر لیا، آپ کو بعثت محمدی کے بعد اس کے لہجہ میں فرق محسوس ہوگا، اب وہ اپنے عمل پر نازاں نہیں وہ اس کی تاویل اور فلسفیانہ تعبیر کرتا ہے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ توحید کی آواز نے دل میں گھر کرلیا ہے۔

پھر محمد رسول اللہ ﷺ نے اس علم ویقین کے ساتھ وہ طاقت بھی پیدا کر کے دکھادی جس میں ہزار پولیس، سینکڑوں عدالتوں اور بیسیوں حکومتوں سے زیادہ طاقت ہے یعنی ضمیر کی طاقت، نیکی کی رغبت، گناہ سے نفرت اور نفس کا خود احتساب۔

یہ اسی طاقت کا کرشمہ تھا کہ ایک صحابی جن سے ایک بڑا گناہ سرزد ہوجاتا ہے وہ بیتاب ہوجاتے ہیں، ضمیر چٹکیاں لینے لگتا ہے اور وہ حضورؐ کی خدمت میں آتے ہیں، اور

عرض کرتے ہیں حضور! مجھ کو پاک کر دیجئے، آپ رخ انور پھیر لیتے ہیں، وہ اسی طرف آ کے کھڑے ہو جاتے ہیں، آپؐ دوسری طرف رخ کر لیتے ہیں، وہ اس طرف آ کے کھڑے ہو جاتے ہیں، آپؐ تحقیق کرواتے ہیں کہ ان کی دماغی حالت خراب تو نہیں؟ جب معلوم ہوتا ہے کہ وہ صحیح الدماغ آدمی ہیں تو آپ ان کو سزا دلواتے ہیں، کس چیز نے ان کو سزا پر آمادہ کیا اور کونسی چیز ان کو خود کھینچ کر لائی؟

آگے چلئے غامدیہ ایک ان پڑھ عورت تھیں کسی دیہات کی رہنے والی، وہ ایک بار بڑے گناہ میں مبتلا ہو جاتی ہیں، نہ کوئی دیکھنے والا تھا نہ سننے والا مگر ان کے دل میں ایک پھانس تھی جو ان کو چین نہ لینے دیتی تھی، ان کو کھانے پینے میں مزہ نہ آتا تھا، وہ کھانا کھاتیں تو ان کا دل کہتا تھا کہ تم ناپاک ہو، پانی پیتیں تو دل کہتا تم ناپاک ہو، ناپاک کا کیا کھانا کیا پینا؟ تمہیں پہلے پاک ہونا چاہئے، اس گناہ کی پاکی سزا کے بغیر ممکن نہیں وہ خود آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں اور تقاضہ کرتی ہیں، کہ انکو پاک کر دیا جائے اور اس پر اصرار کرتی ہیں، یہ معلوم کر کے ان کے پیٹ میں بچہ ہے، آپ فرماتے ہیں کہ اس بچہ کا کیا قصور؟ اس کی جان تمہارے ساتھ کیوں جائے جب یہ ہو جائے تب آنا، خیال کیجئے ان کو ضرور اس میں کچھ عرصہ لگا ہوگا، کیا انھوں نے کھایا پیا نہ ہوگا، کیا زندگی نے ان سے خود تقاضا نہ کیا ہوگا، کیا خود کھانے پینے کی لذت نے زندگی کی رغبت نہ پیدا کی ہوگی اور ان کو یہ نہ سمجھایا ہوگا کہ اب وہ حضورؐ کے پاس جانے کا ارادہ فسخ کر دیں مگر وہ اللہ کی بندی پکی رہی اور کچھ عرصہ کے بعد بچہ کو لے کر آئی اور عرض کیا کہ حضورؐ میں اس سے فارغ ہو گئی اب میری طہارت میں کیوں دیر ہو؟ فرمایا نہیں نہیں، ابھی اس کو دودھ پلاؤ جب دودھ چھوٹے تب آنا، آپ کو معلوم ہے کہ اس کو دو برس تو ضرور لگے ہوں گے، یہ دو برس کیسی آزمائش کے تھے، نہ پولیس تھی نہ نگرانی نہ مچلکہ نہ ضمانت، کتنے خیال

اس کو آئے ہوں گے، بچہ کی معصوم صورت اس کو جینے کی دعوت دیتی ہو گی اس کی مسکراہٹ زندگی کی خواہش پیدا کرتی ہو گی اور بچہ اپنی زبان بے زبانی سے کہتا ہو گا کہ اماں میں تو تیری ہی گود میں پلوں گا اور تیری انگلی پکڑ کر چلوں گا مگر اس کا ضمیر کہتا تھا نہیں تیری ماں ناپاک ہے اس کو سب سے پہلے پاک ہونا ہے، دل کا یقین کہتا تھا کہ احکم الحاکمین کے یہاں جانا ہے وہاں کی سزا سخت ہے وہ پھر حاضر ہوئی، روٹی کا ٹکڑا بچہ کے منہ میں ہے، اور کہتی ہے یارسول اللہ دیکھئے اس بچہ کا دودھ بھی چھوٹ گیا اور وہ روٹی کھانے کے قابل ہو گیا ہے، اب میری پاکی میں کیا دیر ہے؟ آخر خدا کی اس سچی اور پکی بندی کو سزا دی جاتی ہے اور حضورؐ خوشنودی کا پروانہ عطا کرتے ہیں ...... اور فرماتے ہیں کہ اس نے ایسی سچی توبہ کی ہے کہ اس اکیلی کی توبہ اگر سارے مدینہ پر تقسیم کر دی جائے تو سب کے لئے کافی ہو رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضاھا۔

میں پوچھتا ہوں کہ وہ کیا چیز تھی جو بغیر ہتھکڑی، بیڑی کے بغیر مچلکہ وضمانت کے، بغیر پولیس کے اس کو کھینچ کر لاتی ہے اور سزا کے لئے اصرار کرواتی ہے، آج ہزارہا پڑھے لکھے قابل، فاضل مرد اور عورتیں ہیں جن کا علم اور نقصانات کا یقین ان کو غلط کام سے باز نہیں رکھ سکتا اور اچھے کام پر آمادہ نہیں کر سکتا۔

محمد رسول اللہ ﷺ نے دنیا کو یہی تینوں انمول موتی عطا کئے علم صحیح، یقین کامل اور نیکی کا تقاضائے قلبی، دنیا کو نہ اس سے زیادہ قیمتی سرمایہ ملا، نہ کسی نے اس پر آپؐ سے بڑھ کر احسان کیا۔

دنیا کے ہر انسان کو فخر کرنا چاہئے کہ ہماری نوع انسانی میں ایک ایسا انسان پیدا ہوا جس سے انسانیت کا سر اونچا اور نام روشن ہوا، اگر آپؐ نہ آتے تو دنیا کا نقشہ کیا ہوتا؟ اور ہم انسانیت کی شرافت وعظمت کے لئے کس کو پیش کرتے؟ محمد رسول اللہ ﷺ ہر

انسان کے لئے رحمت ہیں، محمد رسول اللہ ﷺ سے اس دنیا کی رونق اور نوع انسانی کی عظمت ہے وہ کسی قوم کی ملک نہیں، ان پر کسی ملک کا اجارہ نہیں، وہ پوری انسانیت کا سرمایۂ فخر ہیں، کیوں؟ آج کسی ملک کا انسان فخر و مسرت کے ساتھ یہ نہیں کہتا کہ میرا اس نوع سے تعلق ہے جس میں محمد رسول اللہ ﷺ جیسا انسان کامل پیدا ہوا۔

آج انسانوں کا کونسا طبقہ ہے جس پر آپ کا براہ راست بالواسطہ احسان نہیں؟ کیا عورتوں پر آپ کا احسان نہیں؟ کہ آپ نے ان کے حقوق بتلائے اور ان کے لئے ہدایتیں اور وصیتیں فرمائیں، آپؐ نے فرمایا "کہ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے" کیا کمزوروں پر آپ کا احسان نہیں؟ کہ آپؐ نے ان کی حمایت میں فرمایا کہ "مظلوم کی بددعا سے ڈرو کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں" خدا کہتا ہے کہ میں "شکستہ دلوں کے پاس ہوں" کیا طاقتوروں اور حکمرانوں پر آپ کا احسان نہیں؟ کہ آپؐ نے ان کے حقوق و فرائض بھی بتلائے اور حدود بھی بتلائے اور انصاف کرنے والوں اور خدا سے ڈرنے والوں کو بشارت سنائی کہ بادشاہ منصف رحمت کے سایہ میں ہوگا، کیا تاجروں پر آپ کا احسان نہیں؟ کہ آپؐ نے تجارت کی فضیلت اور اس پیشہ کی شرافت بتلائی اور خود تجارت کر کے اس گروہ کی عزت بڑھائی، کیا آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں اور راست گفتار اور دیانت دار تاجر جنت میں قریب ہوں گے، کیا آپؐ کا مزدوروں پر احسان نہیں؟ کہ آپؐ نے تاکید فرمائی کہ مزدور کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے دیدو" کیا جانوروں تک پر آپ کا احسان نہیں؟ کہ آپؐ نے فرمایا کہ ہر وہ مخلوق جو جگر رکھتی ہے اور جس میں احساس و زندگی ہے اس کو آرام پہنچانا اور رکھلانا، پلانا بھی صدقہ ہے...... **فی کل ذات کبد حری صدقة** کیا ساری انسانی برادری پر آپؐ کا احسان نہیں؟ کہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر آپؐ شہادت دیتے تھے کہ خدایا! تیرے سب بندے بھائی

بھائی ہیں...... **انا شھیدان العباد کلھم اخوۃ** کیا ساری دنیا پر آپ کا احسان نہیں کہ سب سے پہلے دنیا ہی کی زبان سے سنا کہ خدا کسی ملک، قوم نسل و برادری کا نہیں سارے جہانوں اور دنیا کے سب انسانوں کا ہے، جس دنیا میں آریوں کا خدا، یہودیوں کا خدا، مصریوں کا خدا، ایرانیوں کا خدا کہا جاتا تھا وہاں "الحمد للہ رب العالمین" کی حقیقت کا اعلان ہوا اور اس کو نماز کا جزو بنا دیا گیا۔

ہماری آپ کی دنیا میں حکماء و فلاسفہ بھی اور ادباء و شعراء بھی، فاتح و کشور کشا بھی "سیاسی قائد اور قومی رہنما بھی" موجدین و مکتشفین (سائنٹسٹ) بھی، مگر کس کے آنے سے دنیا میں وہ بہار آئی، جو پیغمبروں کے آنے سے، پھر سب سے آخر سب سے بڑے پیغمبر محمد رسول ﷺ کے آنے سے آئی، کون اپنے ساتھ وہ شادابی اور برکتیں، وہ رحمتیں، نوع انسانی کیلئے وہ دولتیں اور انسانیت کے لئے وہ نعمتیں لے کے آیا جو محمد ﷺ لے کر آئے، تیرہ سو برس کی انسانی تاریخ پورے وثوق کے ساتھ آپ کو خطاب کر کے کہتی ہے۔

سر سبز سبزہ ہو جو تیرا پائمال ہو
ٹھہرے تو جس شجر کے تلے وہ نہال ہو (۱)

---

(۱) ماخوذ: "رضوان" لکھنؤ مارچ ۱۹۷۶ء

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى
وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيٰوةً طَيِّبَةً
وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ
مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ.

نیک عمل جو کوئی بھی کرے گا مرد ہو یا عورت
بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اسے ضرور
ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے
اور اللہ انھیں ان کے اچھے کاموں
کے عوض میں ضرور
اجر دیں گے۔

عادات و رسومات
اور ان کی اصلاح

عادات ورسومات اور ان کی اصلاح

موجودہ دور میں شادی کو بڑی پیچیدہ اور پریشان کن رسم بنالیا گیا ہے

اس وقت دنیائے اسلام میں عام طور پر اور ہندوستان میں خاص طور پر شادی ایک بڑی پیچیدہ اور طویل رسم، نہایت پر مصارف کام، اور شان و شوکت، اور خاندان کی مالی وشہری حیثیت کے اظہار کا ذریعہ بن گئی ہے، اس کی سادگی اور سہولت تقریباً رخصت ہو گئی ہے، اور بعض حالات میں تو وہ ایک سخت مصیبت، پریشانی اور زیر باری کا ذریعہ اور دردسر بن کر رہ گئی ہے، جہاں تک ہمارا مطالعہ اور تجربہ ہے جدید تعلیم اور اقتصادی انقلاب اس پر زیادہ اثر انداز نہیں ہوا ہے، اس کی ادائیگی میں اس نے کوئی بڑی اصلاحی خدمت انجام نہیں دی، اچھے اچھے دیندار اور تعلیم یافتہ خاندانوں میں اب بھی شادیاں بڑی دھوم دھام اور تزک واحتشام کے ساتھ کی جاتی ہیں، باراتیں بڑی دھوم کے ساتھ جاتی ہیں، محفل نکاح میں بڑی شان وشوکت کا اظہار اور بڑی زینت و آراستگی کی جاتی ہے، اس سلسلہ میں شان وشوکت اور اپنے تعلقات کی وسعت کے اظہار کے لئے بہت سے ایسے نئے طریقے متعارف ہوئے ہیں، جو پہلے مروج نہیں تھے، ولیمہ بھی

بڑے پیمانہ پر کیا جاتا ہے، اس میں حسب حیثیت دل کھول کر خرچ کیا جاتا ہے، اور بہت جگہ مصارف ہزاروں کی تعداد سے لاکھوں کی رقموں تک پہونچ گئے ہیں، جن لوگوں کے پاس نقد نہیں ہوتا وہ اس کے لئے قرض اور بعض اوقات سودی قرض لیتے ہیں، نام ونمود، فخر و تعلّی اور مقابلہ اور مسابقت کے جذبات بھی اس میں خوب کام کرتے ہیں، اس میں ہندوستان کے مسلمانوں کا قدم دنیا کے مسلمانوں سے آگے ہے۔

رقص وسرور اور راگ راگنی کا رواج

جو اسلام کے سراسر خلاف ہے

ان گھرانوں کو چھوڑیئے جو سختی سے پابند شریعت ہیں، یا جو اصلاحی تحریکوں سے متاثر ہو چکے ہیں، محفل سرود اور راگ راگنی، شادی کی تقریبات کا ایک لازمہ اور خوشی کے اظہار کی ایک علامت ہے، بہت سے خاندانوں میں شادی سے کئی روز پہلے سے راگ اور گیتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، اس کے لئے نائنیں، ڈومنیاں کئی روز پہلے سے آکر مقیم ہو جاتی ہیں، اور خاندان کی لڑکیاں بھی اس میں حصہ لیتی ہیں، کئی روز پہلے سے لڑکی مایوں (مانجھے) بٹھائی جاتی ہے، اور اس کا پردہ کرادیا جاتا ہے، اب بہت جگہ گانے اور راگوں کی جگہ ریکارڈنگ نے لے لی ہے، قدیم زمانہ میں خاص طور پر رؤساء اور زمینداروں کے یہاں محفل رقص کا بھی انتظام ہوتا تھا، اور اس کے لئے پیشہ ور رقاصاؤں، اور گانے والوں کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں، اب کچھ اصلاحی کوششوں اور تعلیم کے اثر سے اور کچھ اقتصادی مشکلات کی وجہ سے اس میں بہت کمی آگئی ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں کی شادیوں کے کچھ مقامی اجزاء اور طور وطریق

ہندوستانی مسلمانوں کی شادیوں میں کچھ اجزاء مقامی ہیں، جو یہیں کے مسلمانوں کی خصوصیت بن گئے ہیں، اور دوسرے ملکوں کے مسلمان اس سے آشنا نہیں، مثلاً ہندوستان کے بعض صوبوں میں لڑکے کی طرف سے کچھ فرمائشیں اور مطالبات ہوتے ہیں، جن کا پورا کرنا بیٹی والے کے لئے ضروری ہوتا ہے، اور جن کو بعض مقامات میں ''تلک'' کی رسم سے یاد کرتے ہیں، خود ہندوستان میں ہر جگہ اس کا رواج نہیں، عرب یا ترکی کے مسلمانوں کو اس کا سمجھنا مشکل ہے کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس کا کوئی اخلاقی جواز ہو سکتا ہے؟ یہاں اس بحث کا موقع نہیں کہ اس سے اب لڑکیوں کو مناسب جوڑا ملنے اور ان کے والدین کے لئے ان کے فرض سے سبکدوش ہونے میں کیسی مشکلات پیدا ہو گئی ہیں، اور انھوں نے زندگی کو کتنا تلخ اور شادی کو کیسا عذاب بنادیا ہے (۱)، اسی طرح سے بیٹی والوں کی طرف سے دعوت کا رواج جو ایک اچھا خاصا ولیمہ معلوم ہوتا ہے، دوسرے ملکوں میں نہیں، بیٹی کی طرف سے دیئے ہوئے جہیز کی نمائش

---

(۱) ان سطروں کے لکھتے وقت اخبارات میں یہ افسوس ناک خبر پڑھنے میں آئی کہ بہار کے ایک شہر ''گیا'' کے ایک مسلمان مارکٹنگ افسر نے اس بنا پر خودکشی کرلی کہ وہ اپنی چار بیٹیوں کے لئے لڑکے والوں کے مطلوبہ جہیز (تلک) کی فرمائش پوری کرنے سے قاصر تھے (صدق جدید ۳/ مارچ ۱۹۷۲ء) جو لڑکیاں مطلوبہ جہیز نہیں لاتیں، ان کو جلادینے یا کسی طریقہ سے ماردینے کے بکثرت واقعات پیش آنے لگے ہیں ۱۹۸۴ء میں دہلی میں چھ سو دس عورتیں جل کر ہلاک ہو گئیں ایک معتبر قومی اخبار کے بیان کے مطابق دہلی میں اب جہیز کے لئے ہر بارہ گھنٹے پر ایک دلہن کو جلا کر مارڈالا جاتا ہے۔

اور بارات کے شہر میں گشت کرنے کا (جو بہت سی برادریوں کا معمول ہے) بھی دوسرے ملکوں میں پتہ نہیں، اس کے علاوہ شادیوں میں رونمائی، سلام کرائی، نیوتا، بہنوئی سالہ کا نازک رشتہ اور آپس کا ہنسی مزاق، چوتھی وغیرہ اور بیسیوں رسمیں ہیں، جو بہت سے ہندوستانی خاندانوں میں ابھی تک مروج ہیں، اور جو ہندوستان کے ساتھ مخصوص ہیں، اور غالباً اس عقیدے پر مبنی ہیں کہ شادی ایک جشن مسرت اور ایک عام تفریح، خوش باشی اور زندہ دلی کا موقعہ ہے جس میں افراد خاندان اور عزیز مہمان زندگی کے لگے بندھے نظام اور یکساں چکر سے تھوڑی دیر کے لئے رہائی پاکر اور کسی حد تک اخلاقی ضابطوں اور پابندیوں کو بالائے طاق رکھ کر زندگی کا لطف اٹھاتے ہیں، یہ تخیل ہندوستان کے مزاج سے خاص مناسبت رکھتا ہے، جو ہمیشہ سے رنگ و آہنگ کا دلدادہ اور تنوع وجدت، میل ملاپ اور لطف وانبساط کا شائق رہا ہے، اور جس کا اظہار یہاں کے میلوں، تہواروں اور رسموں میں کیا گیا ہے۔

نکاح خوانی کی رسم اور اس کا طریقہ

محفل نکاح کی کاروائی عام طور پر اس طرح عمل میں لائی جاتی ہے کہ نوشہ نیا جوڑا پہن کر (جو عام طور پر بیٹی والوں کے یہاں سے آتا ہے) محفل میں نمایاں جگہ بیٹھتا ہے ہندستان میں بہت جگہ سہرے اور کنگنے کی بھی رسم ہے، جس کو پابند شریعت مسلمان پسند نہیں کرتے، نکاح خوانی کی رسم کوئی بھی عالم یا پڑھا لکھا مسلمان ادا کر سکتا ہے، اس کے لئے قاضی کی شرط نہیں، جن کا مسلمان بادشاہوں کے زمانہ میں پورے ملک میں نظام تھا، اور جن کا ایک ضروری اور خوش گوار منصبی فریضہ نکاح پڑھانا بھی تھا، زیادہ مسنون

طریقہ یہ ہے کہ لڑکی کا باپ یا کوئی دوسرا ولی نکاح پڑھائے، اس لئے کہ حضرت فاطمہؓ کا نکاح خود آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے پڑھایا، اس وقت دو گواہ اور ایک وکیل لڑکی کے پاس جاکر اس کو اطلاع دیتے ہیں کہ اس کا نکاح فلاں مرد سے اتنے مہر پر کیا جارہا ہے، ہندوستان میں اس کا جواب عام طور پر خاموشی سے دیا جاتا ہے، اور اس کو رضامندی کی دلیل اور منظوری کا مرادف سمجھا جاتا ہے، یہ گواہ اور وکیل عام طور پر افراد خاندان اور لڑکی کے قریبی رشتہ دار ہوتے ہیں، نکاح خواں اسکے بعد بلند آواز سے قرآن شریف کی کچھ آیات چند احادیث اور دعائیہ کلمات عربی میں کہتا ہے، جس کو خطبۂ نکاح کہتے ہیں، اس کے بعد ایجاب و قبول کراتا ہے، جس کے عام الفاظ یہ ہوتے ہیں کہ "میں نے فلاں صاحب کی لڑکی جس کا نام یہ ہے کو ان کی طرف سے اتنے مہر پر تمہارے نکاح میں دیا، تم نے قبول کیا؟" اس پر نوشہ اتنی آواز میں جو قریب میں سن لی جائے کہتا ہے کہ "میں نے قبول کیا" پھر نکاح خواں اور شرکائے محفل دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں، اور دعا کرتے ہیں کہ زوجین میں محبت والفت ہو اور ان کی ازدواجی زندگی کامیاب اور پر مسرت گزرے، یہ خطبہ عام طور پر عربی میں پڑھا جاتا ہے(۱)۔

ایک جاہلی رسم کی اصلاح

احمد خاں کاکا نے سید احمد شہیدؒ صاحب سے عرض کیا کہ ہمارے اس ملک میں یہ رسم ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق لڑکے والوں سے زر نقد لئے بغیر کوئی اپنی بیٹی کا نکاح کسی کے بیٹے کے ساتھ نہیں کرتا، کوئی لڑکے والے سے سو روپے، کوئی چار پانچ

(۱) ماخوذ: ہندوستانی مسلمان ایک نظر میں ص: ۳۵ تا ۳۹

سو، کوئی ہزار لیتا ہے، لڑکے والے غریب روپے کی تلاش میں حیران سرگرداں رہتے ہیں، ان کی بیٹیاں بیچاری بیٹھی رہتی ہیں اور نکاح نہیں ہوتا، اس بستی کی عورتیں آپ سے داد خواہ اور انصاف طلب ہیں وہ کہتی ہیں کہ سید بادشاہ کو اللہ تعالیٰ نے ہمارا امام بنایا ہے وہ خدا کے لئے ہماری بیٹیوں کا انتظام کریں اور ہم کو عذاب سے نجات دیں۔

یہ سن کر سید صاحب بڑی دیر تک عالم سکوت میں رہے اس کے بعد فرمایا کہ تم نے بہت اچھا کیا، جو ہم سے کہا، انشاء اللہ تعالیٰ ضرور اس کا تدارک کریں گے، تم خاطر جمع رکھو اور یہ بہت ہی بری رسم تمہارے ملک میں ہے، اللہ تعالیٰ تم لوگوں سے اس کو چھڑادے اور تم سب لوگوں کو پورا پورا مسلمان اور متبع سنت بنادے!

سید صاحبؒ نے اسی دن اور اس کے اگلے دن بستی کے سب لوگوں کو بلوایا اور نرمی کے ساتھ وعظ و نصیحت فرمائی، اور نکاح کی ضرورت و فضیلت اور اس رسم کی قباحت بیان کی اور فرمایا کہ تم سب صاحبوں نے میرے ہاتھ پر بیعت ہدایت اور بیعت امامت کی ہے اور شریعت کے تمام احکام قبول کئے ہیں، اور ہر ایک گناہ اور برے کام سے توبہ کی ہے، تو خدا اور رسولؐ کا حکم مان کر اس گناہ سے بھی توبہ کرو اور دستور شریعت کے موافق برضاء رغبت اپنی بیٹیوں کا اپنی برادری میں نکاح کردو اور یہ خدا اور رسول کے حکم کے خلاف روپیہ لینے کا دستور ترک کرو، اگر تم نہ مانو گے، تو اپنے حق میں بہت برا کرو گے۔

آپ کی تقریر یہ سن کر سب نے جاہلیت کی اس رسم سے طوعاً و کرہاً توبہ کی اور اپنی بیٹیوں کے نکاح کردینے کا اقرار کیا۔

لڑکیوں کی رخصتی

جن لڑکیوں کا نکاح ہو جایا کرتا تھا، وہ بھی اس انتظار میں کہ پٹھانوں کی رسوم کے مطابق رخصتی کا سامان ہو، برسوں بیٹھی رہتی تھیں، یہاں تک کہ بعض سن رسیدہ ہو جاتیں اور اس سے بہت سی قباحتیں پیدا ہوتیں، منظورہ میں، ہے کہ اس زمانے میں تاکید ہوئی کہ جن لوگوں نے اپنی لڑکیوں کا نکاح کر دیا ہے اور وہ سن بلوغ کو پہونچ چکی ہیں ان کو ان کے شوہروں کے گھر رخصت کیا جائے، حکم جاری ہوا کہ جن بالغ لڑکیوں کو نکاح کے باوجود ان کے شوہروں کے گھر رخصت نہیں کیا جاتا، ان کی اطلاع کی جائے ان کے لئے کارندے مقرر ہوئے کہ جو والدین یا سرپرست ان جوان لڑکیوں کو رخصت نہیں کرتے، ان سے بزور حکومت رخصتی کرائی جائے، اور ان کے شوہروں کے حوالے کیا جائے، حافظ عبداللطیف صاحب او رخضر خاں کابلی اپنی جماعت کے ساتھ اس خدمت پر مامور ہوئے، دیہاتوں میں شوہروں کے اظہار و بیان کے مطابق ان لڑکیوں کو رخصت کرایا گیا، اس کی عملی صورت یہ تھی کہ جب شوہر حاکم (شرعی) کے یہاں نالش کرتا کہ فلاں دیہات یا موضع میں میری منکوحہ بالغہ ہے اور اس کو رخصت نہیں کیا جاتا تو لڑکی کے باپ کو دوسرے اولیاء (شرعی) کے ساتھ طلب کیا جاتا اور اس کو فہمائش بلیغ کی جاتی کہ اپنی لڑکی کو رخصت کرے، اگر وہ قبول کر لیتا، تو ایک دن اس کے لئے معین کر لیتا ورنہ حاکم کی طرف سے ایک دن اس کے لئے معین ہو جاتا اس روز اس کا شوہر حافظ عبداللطیف یا خضر خاں کو اپنے ساتھ لے جا کر اپنی بیوی کو رخصت کرا لاتا(۱)۔

---

(۱) ماخوذ: سیرت احمد شہید ج: ۲- ص: ۳۱۳۔

بیوہ کا عقد ثانی اور ہندوستانی مسلمانوں کا امتیازی معاملہ

بیوہ کا عقد ثانی شرعی نقطۂ نظر سے اور مسلمانوں کے عرف اور رواج میں کبھی معیوب اور قابلِ اعتراض فعل نہیں سمجھا جاتا تھا، یہ ان کے نبی کی سنت تھی اور ہر دور میں جلیل القدر علماء، خدا رسیدہ بزرگ، اور مشائخ اور باعظمت سلاطین بلا تامل بیوہ عورتوں سے خود شادی، کرتے تھے اور اپنی بیوہ بہنوں اور بیٹیوں کا عقد ثانی کراتے تھے، ہندوستان کی کئی تیموری خواتین اور مغلیہ خاندان کی متعدد بیگمات نے بیوہ ہونے کے بعد عقد ثانی کیا اور تاریخ میں ان کے نام عزت واحترام کے ساتھ لئے گئے ہیں، جہاں تک ہم کو علم ہے۔

محمد شاہی (۱۹ ۱۷-۷ ۴ ۱۷ء جیسا کہ خوانی خاں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے) سے ہندوستان کے شرفاء اور اونچے خاندانوں میں اس کو قبیح اور معیوب فعل اور عورت کی وفاداری اور عزت کے منافی سمجھا جانے لگا، یہاں تک کہ جو شخص اس کی جرأت کرتا تھا، اس کا خاندانی مقاطعہ کیا جاتا تھا اور اس کو سخت ذلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

بعض اوقات میاں بیوی دونوں کو ترک وطن پر مجبور ہونا پڑا ہے تیرہویں صدی ہجری کی پہلی چوتھائی اور انیسویں صدی کے اوائل میں ہندوستان کے مشہور مصلح اور دینی پیشوا حضرت سید احمد شہیدؒ رائے بریلوی نے اس خلاف اسلام ذہنیت کے خلاف اصلاحی مہم چلائی اور خود اس رسم کو توڑ کر اور ان کے دوسرے رفقاء ومعتقدین نے عملی اقدام کر کے اس مردہ سنت کو زندہ اور اس خیال کی عملی تردید کی کہ یہ فعل معیار شرافت اور جذبۂ عزت کے خلاف ہے، اس وقت سے مسلمان خاندانوں میں یہ عمل اتنا قبیح اور نامانوس نہیں رہا جتنا ایک دو صدی پہلے تھا، اب بھی اگرچہ بہت سی مسلمان بیوائیں اپنی مرضی یا کسی مجبوری سے عقد ثانی کے بغیر رہتی ہیں، لیکن عقد ثانی کا اچھا

خاصا رواج پایا جاتا ہے (۱)۔

بیوہ کا نکاح

بیوہ کا نکاح ثانی مسلمانوں کے اس دینی واخلاقی انحطاط کے دور میں جس میں مسلمان شرفاء ہندوانہ رسم ورواج سے پورے طور پر متأثر ہو چکے تھے، اور بہت جگہ شریعت کے بجائے نفس اور عرف وعادات کا دور دورہ تھا، بڑے ننگ وعار کی بات اور خلافِ دأبِ شرفا سمجھا جاتا تھا خافی خاں نے اپنے زمانہ عہد محمد شاہی کے متعلق شہادت دی ہے کہ "ہندوستان میانِ شرفاء اسلام کہ مراد از اصل مشائخ عرب است، ایں عمل (عقد بیوگان) در ہندوستان قبیح وعیب دانستہ ترک رویہ آباء واجداد کہ موافق حکم خدا مطابق شرع محمدی است نمودہ اند" تیرہویں صدی کی ابتدا تک یہ کراہت وحقارت قلوب میں اس طرح جاگزیں ہو چکی تھی کہ یہ مسلمانانِ ہند کا ایک عرف اور رواج بن چکا تھا۔

اس کا اندازہ کرنے کے لئے کہ اس مسئلے نے کتنی اہمیت اختیار کر لی تھی، اور اس کی مخالفت کتنی دشوار تھی، اور یہ کہ بعض علماء اس رواج کی حمایت میں تھے، اور اس کے ثبوت میں فقہی دلائل اور نظائر پیش کرتے تھے، یہاں نکاح بیوگان کے سلسلے میں ایک استفتا اور تیرہویں صدی کے ایک عالم کے قلم سے اس کا جواب نقل کیا جاتا ہے۔

> "سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ بعض امور ہندوستان میں اس دیار کے شرفاء اہل اسلام میں ابتدا سے آج تک برابر مروج ہیں، اور ظاہراً شرع کے خلاف

---

(۱) ماخوذ: ہندوستانی مسلمان ایک نظر میں ص: ۶۳۔

ہیں، مگر رسم ورواج کے موافق کہ ہر شہر کے لوگوں میں وہ امور بطور
رسم ورواج قرار پاگئے ہیں، لوگ اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں،
اور رسم ورواج کو شرع پر مقدم جانتے ہیں، چنانچہ منجملہ ان امور
کے ایک امر یہ ہے کہ بیوہ عورت کا نکاح ثانی کرنا قبیح جانتے ہیں،
اس کا نکاح ثانی کرنے سے پرہیز رکھتے ہیں، حتی کہ اگر بیوہ عورت
نکاح ثانی پر راضی ہو جائے تو اس کے ولی شرافت کی غیرت سے
ہرگز اس امر کو جائز نہ رکھیں گے "اَجِیْبُوْا، رَحِمَکُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی"۔

اس استفتا کا جواب خاصا طویل ہے، یہاں اُس کا اختصار اور انتخاب پیش کیا جاتا ہے:۔

جواب:۔ "الاشباہ والنظائر" میں لکھا ہے کہ چھٹا قاعدہ یہ
ہے کہ عادت حکم ہے، یعنی اس کے اعتبار پر شرعاً حکم کیا جاتا ہے،
یعنی عادت کا اعتبار کرنا احکام شرعیہ میں شرعاً ثابت ہے، اور یہ
قاعدہ اس اصل سے ثابت ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے
کہ "مارآہ المسلمون حسنافھو عند اللہ حسن" یعنی جس امر کو اہل اسلام
بہتر جانیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی وہ امر بہتر ہوگا اور ہدیٰ نے
"شرح مغنی" میں لکھا ہے کہ عادت سے مراد وہ امر ہے کہ اس کا
استقرار نفوس میں ہو جائے، اور وہ ان امور سے ہو کہ ان کا اعتبار
چند مرتبہ سلیم طبائع کے نزدیک کیا گیا ہو (۱)۔

جب اس مقدمے کی تمہید بیان کی گئی اور عرف اور عادت کے

---

(۱) اس موقع پر مفتی صاحب نے ان جزئیات کا تذکرہ کیا ہے، جن میں فقہانے عرف کو معیار
قرار دیا ہے اور اسی کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔

معنی ظاہر ہوئے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اکثر مسائل اس بنا پر استخراج کئے گئے ہیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عرف شرع پر مقدم ہے بشرطیکہ عرف نص کی تصریح کے خلاف نہ ہو تو جاننا چاہئے کہ پہلی صورت کے بارے میں جواب یہ ہے کہ بیوہ عورتیں ایمان کی قوت سے اس قدر صابر اور اپنے نفس پر جابر ہو جائیں کہ غیرت کی وجہ سے نکاح ثانی سے پرہیز کریں اور اپنے لئے نکاح ثانی کو روا نہ رکھیں، اس واسطے کہ کفار اس بارے میں طعن کرتے ہیں کہ دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کیا جائے اور اس امر کو رذیل اور خسیس قوم کی خصوصیت جانتے ہیں، اور شرافت کے خلاف سمجھتے ہیں، تو ایسی حالت میں ان بیوہ عورتوں کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعلیٰ درجہ اور بلند مرتبہ ہوگا اور فی الجملہ ایسی بیوہ عورتوں کو حضرت سرور کائنات کی ازواجِ مطہرات کے حال کے ساتھ مشابہت اور ان کی پیروی حاصل ہو سکتی ہے، البتہ امتناع کی علت میں فرق ہے۔

اور بالفرض اگر وہ نکاح ثانی پر راضی بھی ہو جائیں اور ان کے ولی کی جانب سے ممانعت ظہور میں آئے تو اس میں بھی شرع کی مخالفت لازم نہیں آتی ہے، اس واسطے کہ بعض مقام اور بعض امور میں اس لحاظ سے کہ اس میں کسی امر کے کرنے یا نہ کرنے میں غیرت ہوتی ہو اور شرافت میں خلل آتا ہو اور اپنی طرف ایسی صفت کی نسبت ہونے کا خوف ہو کہ باعتبار عرف نہایت مذموم ہو تو ایسی صورت میں شرع سے تجاوز کرنے کو علماء نے مستحسن جانا ہے،

چنانچہ یہ امر اس صحیح حدیث سے کہ مسلم میں ہے، مستنبط اور مستفاد ہوتا ہے اور وہ حدیث یہ ہے:-

"عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ، قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَۃَ: وَلَوْ وَجَدْتُ مَعَ اَهْلِیْ رَجُلاً، لَمْ اَمَسَّہٗ حَتّٰی اٰتِیَ بِاَرْبَعَۃِ شُهَدَاءَ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، نَعَمْ قَالَ، کَلَّا وَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ اَنْ کُنْتُ اُعَاجِلُہٗ بِالسَّیْفِ قَبْلَ ذٰلِکَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِسْمَعُوْا اِلٰی مَایَقُوْلُ سَیِّدُکُمْ اِنَّہٗ لَغَیُوْرٌ وَّاَنَا اَغْیَرُ مِنْہُ وَاللّٰہُ اَغْیَرُ مِنِّیْ" یعنی ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہؓ نے کہا کہ اگر میں اپنے اہل کے ساتھ کسی مرد کو پاؤں تو کیا اس مرد سے تعرض نہ کروں حتیٰ کہ چار گواہ لے آوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "ہاں" سعد بن عبادہؓ نے کہا کہ "ہرگز نہیں، قسم ہے اس ذات کی کہ اس نے آپ کو حق پر مبعوث فرمایا ہے کہ میں اس سے قبل اس کا علاج تلوار سے کروں گا، یعنی اس کو قتل کر ڈالوں گا" تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "سنو وہ بات، جو تمہارے سردار کہتے ہیں، یہ نہایت صاحب غیرت ہیں، اور میں ان سے بھی زیادہ صاحب غیرت ہوں، اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ صاحب غیرت ہے" صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث کچھ کم تفاوت کے ساتھ وارد ہے تو اس مقام میں سعد بن عبادہؓ نے غیرت کی نہایت زیادتی کی وجہ سے قتل کرنے کو اختیار کیا اور اس مقام میں قتل کرنے کو اختیار کرنا شرع کی حد سے تجاوز کرتا ہے، مگر جناب

رسالت مآب ﷺ نے ان کی تعریف فرمائی اور فرمایا کہ سعد ایک صاحب غیرت شخص ہیں، اور میں ان سے بھی زیادہ صاحب غیرت ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ صاحب غیرت ہے، اور دوسری حدیث میں وارد ہے، کہ آنحضرت ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "وَمِنْ غَيْرَتِهِ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ" یعنی اللہ تعالیٰ کی غیرت سے ہے، کہ اس نے ظاہر وباطن ہر طرح کے فواحش امور کو حرام فرمایا تو جس صورت میں کہ بیوہ عورت کا نکاح صرف مباح ہو، کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہوں، ایسا نہ ہو کہ اس کی خواہش کے لحاظ یا زمانے کی حالت کے اعتبار سے ضروری ہو تو ایسی صورت میں اگر ولی کی طرف سے ممانعت وقوع میں آئے تو حد شرعی سے تجاوز کرنے میں یہ اس قتل کرنے سے زیادہ نہ ہوگا سعد بن عبادہؓ نے اختیار کیا تھا" (۱)۔

علمائے مصلحین نے اس ذہنیت اور اس جاہلی حمیت کے خلاف اپنی زبان اور قلم سے تبلیغ خود حضرت شاہ عبد العزیزؒ نے مذکورہ بالا فتویٰ کا مدلل جواب لکھا اور اس کی عالمانہ تردید کی آپ نے فارسی میں نکاح بیوگان کے ثبوت وفضیلت اور اس کو فعل قبیح سمجھنے والوں کی مذمت وتردید میں ایک مؤثر رسالہ فارسی میں لکھا ہے (۲)، خود حضرت سید صاحبؒ نے "صراط مستقیم" میں اس مردہ سنت کو زندہ کرنے اور اس کی ترویج پر زور دیا ہے اور بیوہ کے نکاح ثانی کو قبیح سمجھنے کو ہندوؤں کی صحبت واختلاط کا نتیجہ قرار دیا ہے،

(۱) ترجمہ ماخوذ از: سرور عزیزی مطبوعہ فخر المطابع لکھنؤ ص: ۳۰۲-۳۰۸۔

(۲) مجموعہ رسائل قلمی کتب خانہ ندوۃ العلماء۔

لیکن مدتوں کی اس متروک سنت کے احیاء وترویج اور صدیوں کے اس جاہلی خیال کے استیصال کے لئے یہ تحریریں، اصلاحی رسالے اور تقریریں کافی نہ تھیں، ضرورت اس کی تھی کہ کوئی عظیم شخصیت اور مقتدائے زمانہ اپنے عمل سے اس سنت کے احیاء اور اس جاہلی خیال کا ابطال کرتا اور اس کی ایسی پرزور دعوت دیتا کہ اس کی قباحت دلوں سے بالکل نکل جاتی اور اس کا عمومی رواج ہو جاتا، اللہ تعالیٰ نے اور دوسرے عظیم الشان اصلاحی وتجدیدی کاموں کے ساتھ یہ عظیم الشان اصلاحی خدمت بھی، جس کا اثر سیکڑوں خاندانوں اور ہزاروں درگور عورتوں کی زندگی پر پڑتا ہے سید صاحب سے لی اور غیب سے اس کا سامان پیدا ہوا(۱)۔

غیر اللہ سے استمداد وطلب حوائج

امراض اور بیماریوں کے دور کرنے میں بتوں اور طاغوت سے مدد طلب کرنا، جس کا جاہل مسلمانوں میں عام رواج ہو گیا ہے، عین شرک اور گمراہی ہے، تراشے ہوئے، ناتراشیدہ پتھروں سے اپنی ضرورتیں مانگنا، حق تعالیٰ کا صاف صاف انکار اور عین کفر ہے، اللہ تعالیٰ نے بعض گمراہوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:-

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا۔ (النساء: ٦٠)	وہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنا مقدمہ سرکش کے پاس لے جائیں حالانکہ ان کو حکم ہوا ہے کہ اس کو نہ مانیں، اور شیطان ان کو بھٹکا کر بہت دور لے جانا چاہتا ہے۔

اکثر عورتیں اپنی انتہائی جہالت کی وجہ سے غیر اللہ سے جس مدد کے طلب کرنے

---

(۱) ماخوذ: سیرت سید احمد شہیدؒ ج:۱-ص: ۲۴۴۔

کی ممانعت ہے، اس میں مبتلا ہیں، اور ان فرضی ناموں سے بلا دفع کرنے کی درخواست کرتی ہیں، اور شرک اور مراسم شرک کے ادا کرنے میں گرفتار ہیں۔

سیتلہ

خصوصیت کے ساتھ اس مشرکانہ عقیدہ، اور مشرکانہ اعمال ورسوم کا مشاہدہ اور احساس اس وقت ہوتا ہے، جب چیچک کا مرض (جو ہندوستان کی عورتوں میں سیتلہ کے نام سے مشہور ہے) پیش آجائے، اس وقت اچھی بری عورتیں سب اس عام جہالت اور کفر میں مبتلا نظر آتی ہیں، مشکل سے کوئی عورت ہوگی جو اس شرک کی باریکیوں سے محفوظ ہو، اور اس کے رسوم میں سے کسی رسم کی طرف اس موقعہ پر وہ پیش قدمی نہ کرے، سوائے اس کے جس کو اللہ محفوظ رکھے۔

کافروں کے تہواروں کی تعظیم اور ان کے رسوم وعادات کی تقلید

اسی طرح ہندوؤں کے تہواروں کی تعظیم اور یہودیوں کے مروجہ رسوم کے دنوں کا منانا بھی شرک کا مستلزم اور کفر کا مستوجب ہے، چنانچہ ہندوؤں کی دیوالی کے دنوں میں جاہل مسلمان، خصوصاً ان کی عورتیں کفار کی رسمیں پوری کرتی ہیں، اور اپنی عید مناتی ہیں، اور کفار کے تحائف کی طرح اپنی طرف سے بھی اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو بالکل مشرکین کے ہمرنگ تحفے تحائف بھیجتی ہیں، اور اپنے برتنوں کو (بالکل کفار کے رنگ میں) رنگین کرتی ہیں اور سرخ فیرنی سے بھر کر بھیجتی ہیں، اور اس تہوار اور زمانہ کا

بڑا اہتمام کرتی ہیں، یہ سب شرک ہے، اور دین اسلام کے ساتھ کفروانکار ہے۔

پیروں اور بیبیوں کی نیت سے روزہ رکھنا

اسی قبیل سے عورتوں کا روزہ بھی ہے، جو وہ پیروں اور بیبیوں کی نیت سے رکھتی ہیں، اکثر اس کے نام اپنی طرف سے تراش کر ان کے ناموں پر اس کی نیت کرتی ہیں، اور افطار کے وقت ہر روزہ کے لئے خاص طریقہ اختیار کرتی ہیں، اور روزہ کے لئے دنوں کا تعین بھی کرتی ہیں، اپنے مطالب ومقاصد کو ان روزوں کے ساتھ وابستہ کرتی ہیں، اور ان روزوں کے وسیلہ سے پیروں اور بیبیوں سے اپنی ضرورتیں طلب کرتی ہیں، اور یہ سمجھتی ہیں کہ انھیں کی طرف سے ان کی حاجت روائی ہوتی ہے۔ یہ عبادت میں شرک ہے، اور غیر اللہ کی عبادت کے وسیلہ سے اپنی ضرورتوں کو غیر اللہ سے طلب کرنا ہے، اس عمل کی قباحت اچھی طرح معلوم کرنی چاہے، حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "روزہ میرے لئے ہے، اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا"، یعنی روزہ میرے لئے مخصوص ہے، اور کسی دوسرے کے روزہ کی عبادت میں کوئی شرکت نہیں، اگرچہ کسی عبادت میں بھی اللہ تعالیٰ کیساتھ شرکت جائز نہیں، لیکن روزہ کی تخصیص اس عبادت کی اہمیت کی وجہ سے ہے، اسی لئے تاکید کے ساتھ اس عبادت میں شرک کی نفی کرنی ہے۔

یہ محض ایک حیلہ ہے، جو بعض عورتیں (جب اس فعل کی قباحت بیان کی جاتی ہے) کہتی ہیں کہ ہم یہ روزے اللہ کے لئے رکھتے ہیں، اور ان کا ثواب پیروں کو بخشتے ہیں، اگر وہ اس بات میں سچی ہوتیں، تو روزوں کے لئے دنوں کا تعین کیوں ضروری

ہوتا" اور کھانے کی تخصیص، اور افطار میں مختلف قبیح طریقوں اور آداب کی تعیین کی حاجت کیا ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ افطار کے وقت محرمات کا ارتکاب کرتی ہیں، اور کسی حرام چیز سے افطار کرتی ہیں، اور بے ضرورت سوال کرتی ہیں، اور بھیک مانگتی ہیں، اور اس سے روزہ کھولتی ہیں، اور اپنی ضرورتوں کی تکمیل، اور حاجت روائی کو اس فعل حرام کے ساتھ وابستہ سمجھتی ہیں، یہ خود عین گمراہی ہے، اور شیطان لعین کا دھوکہ، اللہ تعالیٰ ہی ان تمام چیزوں سے حفاظت فرمانے والا ہے" (مکتوب ۳/۴۱ بصالحہ از اہل ارادت)۔

اسی طرح سجدۂ تعظیمی کی ممانعت کے بارے میں آپ کے متعدد واضح اور طاقتور مکتوبات ہیں، جن میں سے چند اقتباسات درج ذیل ہیں

اپنے ایک مرید میر محمد نعمان کے نام مکتوب میں فرماتے ہیں:-

"بعض فقہاء نے اگرچہ سلاطین کے لئے سجدۂ تحیت کو جائز قرار دیا ہے، لیکن سلاطین عظام کے لئے مناسب یہ ہے کہ اس معاملہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں تواضع وفروتنی سے کام لیں، اور اس انتہائی پستی و شکستگی کو اللہ کے سوا کسی کے لئے ناجائز نہ کریں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک عالم کو ان کے لئے مسخر کردیا ہے، اور ان کا ضرورت مند بنادیا ہے، اس نعمت عظمیٰ کو بجالایا جائے، اور اس طرح کی خاکساری کو جو کمال عاجزی اور شکستگی کو ظاہر کرتی ہے، اس بارگاہ عالی کے لئے مخصوص رکھنا چاہئے، اور اس معاملہ میں اس کے ساتھ شرکت نہیں ہونی چاہئے، اگرچہ ایک جماعت نے اس فعل کو جائز قرار دیا ہے، مگر ان سلاطین کو خود اپنی خاکساری اور ادب

سے اس کی اجازت نہیں دینی چاہئے، کیونکہ مطابق ارشاد ربانی "هَلْ جَزَآءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ" "احسان کا بدلہ احسان ہی ہے"۔ (مکتوب ۲/ ۹۲ بنام میر محمد نعمان)

اپنے ایک مرید شیخ نظام تھانیسری کے مکتوب میں فرماتے ہیں:-

"لوگوں نے بیان کیا ہے کہ تمہارے بعض خلفاء کو ان کے مرید سجدہ کرتے ہیں، وہ زمین بوسی پر بھی اکتفا نہیں کرتے، اس فعل کی قباحت اظہر من الشمس ہے، ان کو منع کرو، اور منع کرنے میں پوری سختی اور تاکید سے کام لو، اس طرح کے افعال سے اجتناب کرنا ہر شخص سے مطلوب ہے، بالخصوص اس شخص سے جس نے اپنے کو خلق خدا کی اقتداء کے لئے پیش کیا ہے، اس قسم کے افعال سے اس شخص کا اجتناب کرنا سخت ترین ضروریات میں سے ہے، کیونکہ اس کے پیرو اس کے اعمال کی اقتداء کریں گے، اور بلا میں گرفتار ہوں گے"(۱)۔

(مکتوب ۱/ ۲۹ بنام شیخ نظام تھانیسری)

● ● ●

---

(۱) ماخوذ: تاریخ دعوت وعزیمت ج: ۴- ص: ۲۶۰ تا ۲۶۴۔

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ
الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلیٰ وَأَقِمْنَ الصَّلٰوةَ
وَآتِیْنَ الزَّکٰوةَ وَأَطِعْنَ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ.

اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں، اور دکھلاتی نہ پھرو
جیسا کہ دکھانا دستور تھا پہلے جہالت کے وقت،
اور قائم رکھو نماز، اور دیتی رہو زکوٰۃ،
اور اطاعت میں رہو اللہ کی
اور اس کے رسول کی۔

عورتیں زندگی کیسے گزاریں

عورتیں زندگی کیسے گذاریں

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو اسلام عطا فرمایا

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو مسلمان پیدا کیا، مسلمان گھروں میں پیدا کیا اور ایمان نصیب فرمایا، اور شریف گھرانوں میں ہم نے آنکھیں کھولیں اور پھر اللہ تعالیٰ کا اور زیادہ فضل ہے کہ دین دار گھرانوں میں ہماری پرورش ہوئی، اور پھر یہ احسان عظیم فرمایا کہ مردوں سے اللہ تعالیٰ نے تبلیغی کام شروع کرایا، اور اس کی برکات گھروں تک پہونچیں، اور اب تو اللہ کے فضل وکرم سے گھروں میں ہماری مائیں، بہنیں تبلیغی کام کرنے لگیں، اس کی برکات سے ہم اچھا برا سمجھنے لگے، حرام حلال، نیک وبد، جائز ناجائز، اللہ کس کام سے راضی یا ناراض ہوتا ہے اس کی کچھ ہم کو سوجھ بوجھ ہونے لگی اور اس کی کچھ پوچھ گچھ بھی شروع ہوئی، کہ زندگی میں کون کونسی چیزیں ہیں جو اللہ رسول کو پسند ہیں، اور کون کون سی چیزیں ایسی ہیں جو اللہ کو ناپسند ہیں، معاشرت کیسی ہونی چاہئے، گھروں میں رہنا سہنا کیسا ہونا چاہئے، لباس وکپڑے کون سے شریعت کے مطابق ہیں، شریعت کے موافق ہیں، کون سے شریعت کے خلاف ہیں، ان باتوں کا اب گھروں میں

تذکرہ ہونے لگا ہے، دینی کتابیں پڑھی جانے لگیں ہمارے ہندوستان، پاکستان میں تو خدا کے فضل سے اب یہ کام بہت بڑھ رہا ہے، اور دینی سمجھ پیدا ہو رہی ہے، یہاں جو خاندان پہلے سے آگئے ہیں ان کے متعلق تو ہم نہیں کہہ سکتے لیکن اب جو خاندان آرہے ہیں، خاص کر کے گجرات کے علاقے کے ان میں برکات ہیں، ہمارے گجرات کے بھائی ضلع سورت ضلع بھڑوچ وغیرہ کے کہ وہ تبلیغی کام کرتے ہیں، اور عورتیں بھی بہت سی بیعت ہونے لگیں، اور نظام الدین جانے لگیں، خدا کے فضل و کرم سے یہاں بھی بہت کچھ خیر و برکت ہے۔

مغربی تہذیب کا اصول ”کھاؤ، پیو، مست رہو“

آپ سب اس ملک میں آئی ہیں، اپنے شوہروں کے ساتھ، اپنے بھائیوں کے ساتھ اپنے والدین کے ساتھ، یہاں بہت دنوں سے بلکہ سیکڑوں برس سے کوئی خدا کا خوف، شرم و حیاء، لحاظ اور تہذیب نہیں رہی، یہاں صرف ایک ہی کام رہا ”کھاؤ، پیو، مست رہو“۔ چنانچہ ان کے یہاں انگریزوں میں کہاوت، کھاؤ، پیو مست رہو، مگن رہو، یہ مگن رہنا ان کے یہاں زندگی کا اصول ہے جس میں آدمی مگن رہے، مست رہے، موت کبھی بھول کر بھی یاد نہ آئے کہ ہم کو مرنا ہے، ہم کو خدا کے سامنے جانا ہے، یہاں جو مزے اڑائے ہیں گلچھرے اڑائے ہیں، ان کا جواب دینا ہے یہاں جو موجیں اڑائی ہیں ان سب کا پائی پائی حساب دینا ہے، یہ باتیں ایسی بھلائی گئی ہیں کہ یاد دلانے سے بھی یاد نہیں آتیں۔

یہاں ان کی زندگی کا اصول یہ ہے کہ آدمی موت کو بھولا رہے، آخرت کو بھولا رہے، اللہ کو، رسول کو چھوڑے رہے اور صرف عمدہ سے عمدہ کھانا اچھی سے اچھی

صحت بنانا، جوانی کا مزا اڑانا، اور دولت کے مزے اڑانا یاد رکھے پس یہاں کی زندگی کا اصول بن گیا ہے۔

لیکن خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمارا جس مذہب سے تعلق ہے اور جس ملک سے تعلق ہے جن لوگوں سے تعلق ہے ان کی زندگی کا یہ اصول نہیں ہے ان کو تو یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا تو کافر کی جنت ہے، اور مسلمانوں کا جیل خانہ ہے، جیل خانہ میں آدمی موج نہیں اڑاتا ہے، جیل خانہ میں آدمی آزاد نہیں ہوتا کہ گھومنے پر آیا تو گھومتا چلا گیا، کھانے پر آیا تو کھاتا چلا گیا، جو دل میں بات آئی، جو من چاہت ہوئی بس وہ کر گزرے، کوئی روک ٹوک نہیں، کوئی پابندی نہیں، جیل خانے میں تو گھومنے پھرنے کی جگہ بھی نپی تلی اور کھانے کا حساب بھی نپا تلا، کھانے کو جی کچھ چاہتا ہے مل کچھ رہا ہے، پسند کچھ ہے اور کھلایا کچھ جارہا ہے، کبھی پہننے کو جی چاہا، کبھی سیر کا جی چاہا، ہواخوری کا جی چاہا، مگر یہ تو چہار دیواری، یہ تو جیل کی کوٹھری، اور کافر کے لئے کیا ہے؟ بس ایک بہت بڑا ہائی پارک ایک بہت بڑا باغ، ایک بہت بڑا چمن، چاہے لوٹے، چاہے پوٹے، چاہے گھومے، چاہے ننگا پھرے، چاہے چلائے، چاہے چیخے، چاہے بیل کی طرح چلے، کھائے پئے، کوئی بولنے والا نہیں، کوئی پوچھنے والا نہیں تو دنیا کافر کی جنت اور مومن کا جیل خانہ ہے۔

دنیا میں اس طرح رہو جیسے تم پردیس میں ہو

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کن فی الدنیا کانك غریب او عابر سبیل"، دنیا میں اس طرح رہو جیسے کہ تم پردیس میں ہو جو راستہ چلتا مسافر، جو مسافر ہے اس کا جی نہیں لگتا، وہ کسی کو اپنا گھر نہیں بناتا، کسی اسٹیشن پر ٹھہر نہیں جاتا، دیکھتا سب کچھ ہے،

گذرتا سب جگہ سے ہے لیکن اپنے وطن کو نہیں بھولتا اور اپنی منزل کو نہیں بھولتا کہاں سے چلے تھے، کہاں جاتا ہے اور جہاں جاتا ہے وہاں سے کام کر کے فوراً آتا ہے جیسے چڑیاں دن بھر اڑتی رہتی ہیں...... جیسے کبوتر ہو مینا ہو، جو دن بھر اڑتی رہتی ہیں اور دن بھر جگہ جگہ سے دانہ چگتی رہتی ہیں، لیکن اپنے آشیانہ کو اپنے گھونسلے کو بھولتی نہیں، کہیں پہنچ جائیں لیکن شام ہوئی کہ سیدھے اپنے گھر واپس ہوتی ہیں، کسی شاخ پر وہی تنکوں اور پتیوں کا بنایا ہوا گھونسلا، دن بھر چاہے کسی امیر کے محل پر جا کر بیٹھے، چاہے کسی اونچی سے اونچی کوٹھی پر جا کر اپنا چارہ تلاش کرے، شام ہوئی تو اپنا گھر یاد آیا، بال بچے یاد آئے، اڑ کر وہاں پہونچیں، یہی مومن کا حال ہے کہ دنیا میں سارا دن گھومتا پھرتا رہے...... کام کاج کرے، دکان پر بیٹھے دس دس گھنٹے ڈیوٹی دے لیکن اس کو اصلی بستی نہیں بھولتی، اس کو قبر کا کونا نہیں بھولتا، وہاں سیکڑوں، ہزاروں برس سونا ہے، اس کو آخرت نہیں بھولتی بس شام ہوئی یعنی جیسے ہی دنیا کا کام ختم ہوا اپنے اصلی وطن کی راہ لی۔

مسلمانوں کو اپنا اصلی وطن نہیں بھولنا چاہئے

مسلمانوں کی زندگی ایسی ہی ہونی چاہئے، ہمارے لئے ہندوستان، فرانس، جرمنی، اور بڑے سے بڑا ملک امریکا، کنیڈا سب برابر، ہم کہیں بھی ہوں اپنا وطن نہیں بھولنا چاہئے کہیں بھی ہوں اپنا شام کا بسیرا گھونسلا نہیں بھولنا چاہئے، چاہے وہ محل ہو چاہے جھونپڑا، لیکن دل ہمارا خدا کے پاس رہنا چاہئے، ہمارا جسم کہیں بھی ہو ہم کو اصلی جگہ کبھی نہ بھولنا چاہئے، جہاں ہم کو مدتوں رہنا ہے وہ قبر کا کونا ہے، جہاں اندھیرا ہے، قبرستان جو جنگل میں ہے، شہر کی آبادی سے دور، جہاں نہ شہر کے بچوں کی آواز پہنچ سکتی

ہے، نہ بڑوں کی، وہاں تو آدمی ہے اور اس کا عمل، جو نمازیں ٹوٹی پھوٹی پڑھیں،، جو کلمہ پڑھا، درود شریف پڑھا، وہ وہاں کام دے گا، اسی سے وہاں دل لگے گا، وہی وہاں کا تکیہ، وہی وہاں کا بچھونا، وہی وہاں کی روشنی، وہی وہاں کا چراغ اور وہی وہاں کی گنجائش اور وسعت، ورنہ وہ کونہ جہاں آدمی کروٹ بھی نہ لے سکے وہاں جو کچھ کام آئے گا وہ نور ایمان کام آئے گا، اللہ کا نام کام آئے گا، زندگی میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو تعلق پیدا کیا ہے، وہ کام آئے گا، نماز میں اگر یہاں دل لگا ہے تو وہاں بھی دل خوش ہوگا، اور اگر کلمہ، نماز، ایمان کی باتوں میں دل نہیں لگا، اور طبیعت ہمیشہ اچاٹ رہی اور روہی کپڑے لتے میں، زیور میں کھانے پینے میں، کوٹھی میں، موٹر میں اگر دل پھنسا رہا، تو وہاں وحشت ہوگی "وہاں تو ان میں کوئی چیز موجود نہ ہوگی، یہ چیزیں تو کیا موجود ہوں گی، باپ بھی مدد کرنے کے لئے" ماں بھی دلاسہ دینے کے لئے، بیٹی بھی خدمت کرنے کے لئے، بیٹے بھی سلوک کرنے کے لئے وہاں موجود نہ ہوں گے، وہاں نہ ماں کی شفقت ہوگی اور نہ باپ کی مہربانی اور نہ اولاد کی سعادت مندی ہوگی اور نہ بیٹیوں کی خدمت ہوگی، وہاں وہی ایک نام اللہ کا، اللہ کا نام کام آئے گا اور ایمان کا نور کام آئے گا، اور نماز روزے کا نور کام آئے گا، قرآن کی روشنی کام آئے گی، اور جو اللہ کا ذکر کیا ہے بس وہی کام آئے گا۔

حدیث میں ہے کہ قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوگی...... یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہوگا، وہاں جو کام آنے والی چیزیں ہیں وہ خود کچھ نہیں، یہیں کے اچھے عمل باغ بن جائیں گے، انھیں اچھے عمل سے جنت میں ہوائیں آئیں گی، حدیث میں آتا ہے کہ قبر میں جنت کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے، وہاں ان کو پہلے سے جنت کی ہواؤں کے جھونکے آنے لگتے ہیں، خوشبوئیں آنے لگتی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی ہمارا ٹھکانہ ہے اور حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ مرنے کے وقت اور

مرنے کے بعد جنت کا ٹھکانہ اس کو دکھادیا جائے گا، کہ تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے یا جنت ہے اور یہ بھی حدیث میں آتا ہے کہ اگر کسی کے اچھے عمل ہیں، ایمان سلامت لے کر گیا ہے، تو اس سے کہا جاتا ہے، "نم کنومۃ العروس" سورہ جیسے کہ دولہن سوتی ہے، اور اگر ایسا نہیں تو پھر منحوس کی طرح۔

قبر کی فکر ہی اصلی فکر ہے

اس گھر کی فکر کرنی چاہئے، اور جو چیزیں وہاں کام آنیوالی ہیں ان کی فکر کرنی چاہئے، یہاں کے سامان کا حال یہ ہے کہ بچپن کا سامان جوانی میں کام نہیں آتا، جوانی کا سامان بڑھاپے میں کام نہیں آتا، بچپن میں جو کپڑے تھے جوانی میں پہنے نہیں جاتے، اور جوانی کے جو کپڑے ہیں وہ بڑھاپے میں پہننا مناسب نہیں، یہ تو جوانی کے شوق تھے، بڑھاپے کا کپڑا اور ہوتا ہے، اور اب تو دو مہینے پہلے کے کپڑے اس زمانے میں کام نہیں آتے، یہاں یورپ پر تو ایسی مصیبت آئی ہے اور اس کی بدولت ساری دنیا پر یہاں مہینہ دو مہینہ میں فیشن بدلتے ہیں، پہلے فیشن کے مطابق جو کپڑے بنالئے اب جب فیشن بدل گیا تو بالکل پرانے اور دقیانوسی معلوم ہونے لگتے ہیں، اور ان کو پہن کر جانا، شادی بیاہ میں جانا معیوب سمجھا جاتا ہے، ایسی بے مروت تہذیب آنکھ چرانے والی اور منہ موڑنے والی اور جلدی سے بدل جانے والی اس پر آدمی، اگر دل لگائے تو اس سے زیادہ بے عقل کون ہوگا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ

حضرت ابراہیم علیہ اسلام نے جب ستارا دیکھا تو کہا کہ یہ تو بڑا چمکدار ہے، کچھ

تعجب نہیں کہ دنیاکا پیدا کرنے والا ہو، اور اب جو ستارا غروب ہوااور ڈوب گیا تو انھوں نے کہایہ تو کچھ نہیں اس کا کوئی بھروسہ نہیں...... پھر چاند دیکھاتو کہا، سبحان اللہ، چاند کا کیا کہنا، کیسی روشنی ساری دنیاروشن، ساری دنیا میں چاندنی پھیلی ہوئی ہے، انھوں نے کہا شاید یہ ہی خالق ہو...... پھر غروب ہواتو کہنے لگے...... یہ بھی کچھ نہیں...... اس کا بھی کچھ نہیں، اس کا بھی بھروسہ نہیں، پھر جب سورج نکلا اور جب انھوں نے اس کی چمک دیکھی اور دن ہوا تو کہنے لگے واہ! اس سے بڑھ کر توکوئی روشن نہیں ستارہ بھی اس کے سامنے ماند اور چاند بھی اس کے سامنے شرمندہ، بس یہ سورج ہی سورج ہے پھر جب سورج بھی ڈوبنے لگاتو کہنے لگے "لاَاحب الآفلین" میں ایسے منہ چھپانے والے اور ایسے بے مروتوں اور ایسے آنکھیں بند کرلینے والے سے...... اپنادل نہیں لگا سکتا، جس کے ساتھ دل لگائے، وہ "حی وقیوم" ہو، وہ ہمیشہ رہنے والی ذات ہو وہ ہمیشہ ساتھ دینے والی ذات ہو۔

حضرت ابراہیمؑ کادیا ہوا سبق یادرکھنا چاہئے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو ہمارے آپ کے سب کے مورث اور بزرگ ہیں اور ہمارے پیغمبر بھی ہیں، اور سب سے اخیر میں آنے والے ہمارے پیغمبر کے دادا بھی ہیں۔ انھوں نے یہ سبق دیا کہ جو بے مروت ہو جو آنکھیں پھرانے والا ہو اس سے دل نہ لگانا چاہئے، جوانی بھی ایسی ہی دولت ہے اور طاقت بھی ایسی ہی اور زندگی بھی ایسی ہی اور دنیا بھی ایسی ہی اور یہ فیشن بھی ایسا ہی، یہ سب منہ چھپانے والے، ساتھ چھوڑدینے والے، بچھڑ جانے والے اور بے وفا، بے مروت، طوطا چشم، ان سے دل لگانا، اس سے بڑھ کر کوئی حماقت نہیں، اگر کسی نے سمجھا کہ بس جوانی ہی جوانی کے کام کرنا

چاہئے اور کچھ لحاظ نہیں کرنا چاہئے، پھر یہ جوانی نہیں آئے گی، جب بڑھاپا آنے لگے گا یہ صورت نہ رہے گی، یہ رنگ وروپ نہیں رہے گا، اس وقت معلوم ہوگا کہ ہم نے ...... اس بے وفا جوانی کی وجہ سے اس رحمٰن ورحیم خدا کی نافرمانی کی، خدا کی رحمت کبھی ساتھ نہیں چھوڑتی وہ ہمیشہ کام آتی ہے، وہ اندھیرے میں اجالے میں، امیری میں غریبی میں، جوانی بڑھاپے میں، وطن و پردیس میں ہر جگہ ہمیشہ ساتھ دینے والی ہے "اللہ معکم" "اللہ تمہارے ساتھ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تم تین ہوتے ہو تو چوتھا خدا ہوتا ہے چار ہوتے ہو تو پانچواں خدا ہوتا ہے، تھوڑے ہوتے ہو یا بہت ہوتے ہو، بازار میں ہوتے ہو یا گھر میں ہوتے ہو، ہم ساتھ ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے اور ہر ایک کو دیکھنے والا ہے، اور ہر ایک کی مدد کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، وَإِذَا سَئَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَإِنِّى قَرِيْبٌ" جب میرے بندے میرے متعلق پوچھتے ہیں کہ خدا کہاں ہے ...... دور ہے کہ قریب، تو کہہ دو کہ میں قریب ہوں، وہ ہر پکار کرنے والے کی پکار سنتا ہے، تو ایسے خدا کا ساتھ دے اور ایسے مالک مہربان کا ساتھ دے ایسے شفیق، ایسے رحیم ایسے کریم، ایسے ناصر اور معین، ایسے مدد کرنے والے، ایسے رحم کھانے والے، ایسے ہاتھ پکڑنے والے، سہارا دینے والے خدا کا ساتھ دیا جائے یا بے وفا جوانی کا، یا بے وفا حسن وجمال کا، یا بے وفا ساتھیوں کا، یا بے وفا رفیقوں کا، یا باتیں بنانے والی بہنوں اور سہیلیوں اور ہم عمر عورتوں کا اور ایسے فیشن کا جو صبح ہے تو شام اس کا ٹھکانہ نہیں، اور شام ہے تو صبح اس کا ٹھکانا نہیں، اس کا ساتھ دے کر اللہ کی نافرمانی کرے اس سے بڑھ کر کون سی حماقت اور بے عقلی ہو سکتی ہے، اس خدا کا کیوں ساتھ نہ دے، جو ہر وقت ہمارے ساتھ ہے، یہاں بھی کام آئے گا، اور قبر میں بھی اس کی دست گیری کام آئے گی، اور حشر میں مرنے کے بعد تو وہی ہے کوئی اور ہے ہی نہیں ...... تو میری بہنو اور ماؤں! اس

خدا سے تعلق پیدا کرنا چاہئے اس سے انس پیدا کرنا چاہئے، اس سے ایسی جان پہچان پیدا کرلینی چاہئے اس پر ایسا بھروسہ ہونا چاہئے، ایسا اس کے ساتھ تعلق ہونا چاہئے کہ آدمی کو ہر وقت ایک ڈھارس رہے، ہر وقت حوصلہ رہے کہ ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے، ہمارا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے، ہماری دولت کو اگر کوئی لے لے تو ہمارے ایمان کو تو کسی نے نہیں لیا، اگر ہماری جوانی ختم ہوگئی تو ایمان تو ختم نہیں ہوا، خدا کا ساتھ تو نہیں چھوٹا، اگر دولت نے منہ چھپالیا اور بے وفائی کی، اگر شوہر نے بھی بے وفائی کی، اگر ساتھیوں نے بھی بے وفائی کی تو کوئی رنج نہیں، ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے، ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے تو سب کچھ ساتھ ہے، ساری دنیا ہمارے ساتھ ہے۔

جس نے بادشاہ کو لیا اس کو سب مل گیا

میری بہنو اور مسلمان بیبیو!

ایک قصہ ہے کہ ایک بادشاہ نے بہت موج میں آکر رعیت سے کہا کہ آج جو کوئی جس چیز پر ہاتھ رکھ دے گا وہ چیز اس کی ہو جائے گی، بادشاہ کو بہت خوشی کی کوئی بات ہوئی تھی، شاید کوئی لڑکا پیدا ہوا تھا، یا کسی ملک کے فتح ہونے کی خبر آئی تھی، لہٰذا خوشی میں یہ کہا کہ جس پر جو ہاتھ رکھ دے اس کی ہو جائے گی اور وہ اس کا مالک ہو جائے گا، بس کیا پوچھنا...... بن آئی لوگوں کی، جو وہاں پر غلام، باندیاں، وزیر، امین اور سلطنت کے کرتا دھرتا وہاں جمع تھے، بس ان کی بن آئی، اب کسی نے بادشاہ کے تخت پر ہاتھ رکھ دیا، کسی نے فرش پر جو بہت عمدہ سونے چاندی کا بنا ہوا تھا اس پر ہاتھ رکھ دیا کسی نے عمدہ فانوس پر ہاتھ رکھ دیا، اور کسی نے بادشاہ کے تاج پر ہاتھ رکھدیا، بادشاہ نے کہا لے

لو، تاج بھی اٹھا کر دے دیا، اور تخت بھی اٹھا کر دے دیا، اور فانوس بھی اٹھا کر دے دیا، جو سچا موتی کا ہار تھا، وہ بھی دے دیا، ایک غلام کھڑا ہوا تھا، اس نے کچھ نہیں کہا، وہ بت بنا کھڑا رہا، بادشاہ نے کہا کہ کیا تم کو یقین نہیں آیا، دیکھتے نہیں جس نے جس پر ہاتھ رکھ دیا وہ اس کا ہو گیا، اس نے کہا واقعی سچ مچ ایسی ہی بات ہے، اس نے بادشاہ کو جوش دلایا، تاکہ بادشاہ اور دعویٰ کرے کیا پچی بات ہے، پکی بات ہے کہ جس پر ہاتھ رکھ دوں وہ میرا ہو جائے گا اس نے کہا، اللہ کے بندے دیکھتا نہیں کہ جس نے جس پر ہاتھ رکھ دیا، وہ چیز اس کی ہو گئی، تجھے اب بھی شک ہے، کیا تحریر لکھنے کی ضرورت ہے، کیا قسم کھانے کی ضرورت ہے، کیا بادشاہوں کی باتوں کا اعتبار نہیں ہوتا، قول مرداں جاں دارد، بادشاہ کی بات ہی اور ہے...... بات کو بادشاہ سے پختہ کروالیا، اور کئی کئی بار کہلوالیا، تو اس نے کہا یہ سب تو ہیں بے وقوف ان میں سے کسی نے تاج لیا تو تخت نہیں ملا، اور کسی نے تخت لیا تو تاج نہیں ملا، اگر کسی نے موتی لیا تو ہیرا نہیں ملا، کسی نے ہیرا لیا تو اس کو موتی نہیں ملا، اگر کسی نے گھوڑا لیا تو اس کو پالکی نہیں ملی اور کسی نے پالکی لی تو اس کو گھوڑا نہیں ملا، اگر کسی نے گھوڑا لیا تو اس کے لئے زین کی ضرورت، پھر اصطبل کی ضرورت، پھر اس کی خوراک کی ضرورت، یہ سب تو ہیں بے وقوف، انھوں نے ایک چیز لی تو ہزار چیزیں چھوڑیں اور مجھے اللہ نے سمجھ دی ہے بادشاہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیا کہ تاج بھی سر سے اتر گیا تھا، اگر تاج پر ہاتھ رکھتا تو تاج ہاتھ میں آتا، اب کوئی پردہ ہی نہ تھا، بادشاہ کا سر کھلا ہوا تھا، اس پر ہاتھ رکھ دیا، میں نے تو اس کو لے لیا، اس لئے کہ جس نے بادشاہ کو لے لیا اس کو تخت بھی ملا، تاج بھی ملا اس کو گھوڑا بھی ملا اور طاؤس بھی ملا، اس کو گھر بھی ملا اور گھر کا سامان بھی ملا، اور اس کو پیسہ بھی ملا اور کھانا بھی ملا، اس کو عزت بھی ملی اور طاقت بھی ملی۔

یہی ہماری مثال ہونی چاہئے، آج تو کوئی فیشن پر جان دینے والا کوئی کپڑے پر

جان دینے والا، کوئی موٹر پر جان دینے والا، کوئی کرسی پر جان دینے والا کوئی جوانی پر جان دینے والا، کوئی شوہر کی محبت پر جان دینے والی کوئی پیسہ کی خواہش مندی پر جان دینے والا، کوئی نئی تہذیب پر جان دینے والا اور مسلمان عورتوں کو تو صرف اللہ کا طالب ہونا چاہئے، اللہ کی محبت حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے کہ اللہ کی نظر عنایت اس کی طرف ہو جائے تو پھر سب کچھ اس کا ہے۔

بی بی مرغی پال لو

خاندان مجددی کے ایک بزرگ شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی کہانیوں اور قصوں میں بڑی اونچی باتیں سمجھایا کرتے تھے، انھوں نے ایک قصہ سنایا، جو میں اکثر عورتوں کے مجمع میں سنایا کرتا ہوں، بھوپال میں بیگمات کا دور تھا، ایک بیگم بہت پریشان تھیں، ایک پیر صاحب کے پاس آئیں کہنے لگیں، پیر صاحب میں بہت پریشان ہوں، میرے شوہر مجھے پوچھتے نہیں، پہلے تو بہت خیال کرتے تھے، لیکن اب ان کا دل مجھ سے پھر گیا ہے مجھے سخت تکلیف ہے، اولاد بھی میرا خیال نہیں کرتی، شوہر کی نگاہ کیا پھری ساری دنیا کی نگاہیں پھر گئیں، میں بہت پریشان ہوں، سرکار میرے لئے دعا کریں، انھوں نے پوری رام کہانی سنی اور کہنے لگے بی بی مرغی پال لو، اب وہ بڑی پریشان کہ پیر صاحب کو کیا ہو گیا، کل تک تو خوب سنتے تھے، اب اونچا سننے لگے، تو ذرا زور سے پکار کر کہا نہیں حضرت صاحب میں یہ کہہ رہی ہوں کہ آپ میرے لئے دعا کر دیں، میں بہت پریشان ہوں، پیر صاحب اونچا تو سنتے نہ تھے پیر صاحب نے آہستہ سے کہا کہ بی بی میں کہہ رہا ہوں کہ مرغی پال لو، اب وہ بہت پریشان کہ پیر صاحب کو آج کیا ہو گیا میں تو ان سے دعا کے لئے کہتی ہوں، اور مرغی تو گھر گھر پلی ہوئی ہیں، اور میرے نوکروں کے

یہاں بھی مرغی پلی ہوں گی، تو میرے مرغی پالنے سے کیا کام ہو گا ہمیں تو نہ انڈے کی ضرورت ہے اور نہ کھانے میں کمی ہے، ماشاء اللہ روز قورمہ، بریانی اور انڈے کی کیا کیا چیزیں پکتی ہیں، تو مرغیاں تو پلی ہیں اور چاہوں تو بازار سے خرید لوں، آج پیر صاحب کو کیا ہو گیا کہ ہر بات کے جواب میں کہ مرغی پال لو تو پھر نہ رہا گیا اور کہنے لگیں پیر صاحب میں یہ کہہ رہی ہوں کہ میں بہت پریشان ہوں، آپ میرے لئے دعا کریں، اور آپ فرماتے ہیں، مرغی پال لو، میں سمجھی ہی نہیں، آپ ذرا اچھی طرح سمجھائیں، تو پیر صاحب نے کہابی بی صاحبہ ایک قصہ ہے قصہ سے بات خوب سمجھ میں آجائے گی، دو گھر قریب قریب تھے، ایک امیر گھر تھا کھاتا پیتا، اور ایک ذرا غریب گھر تھا، اور بے چارہ پریشان حال اور بیچ میں ایک دیوار تھی، اور اس دیوار میں ایک کھڑکی تھی، تو جب اس غریب گھر میں کوئی مہمان آئے تو اس غریب گھر کی گھر والی کھڑکی کھول کر منہ اندر ڈال کر اپنی ہمسائی سے کہتی کہ مہمان بے وقت گھر آگئے ہیں کچھ ابھی اور ہو نہیں سکتا ایک انڈا دے دو کہ انڈا ہی تل لوں گی، تو وہ انڈا دے دیتیں، ایک مرتبہ ہوا اور دو مرتبہ ہوا اور چار مرتبہ ہوا، کئی بار ہوا، تو ایک دن جل کر پریشان ہو کر کہنے لگی کہ اجی ہمسائی ایک مرغی پال لو نا قصہ ختم ہو جائے گا، فرصت ہو جائے گی، تم روز روز انڈا مانگتی ہو، تو بیگم صاحبہ میں تم سے وہی کہتا ہوں، کہ اللہ کے ساتھ تعلق قائم کر لو نا، اللہ سے دعا کرنا، مانگنا سیکھ لو، سب مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔

سب کاموں کی کنجی اللہ سے تعلق

اب میں کس کس چیز کے لئے دعا کروں، آج تم یہ کہو کہ آج شوہر ناراض ہے کل کہیں گی کہ بیٹا ناراض ہے، اور پرسوں کہیں گی کہ میری صحت خراب ہو رہی ہے، پیر

صاحب دعا کیجئے۔

اگر تم نے باہر پھرنا شروع کیا، بازار میں دل لگنے لگا تو پھر گھر کی وہ نوازش ختم، اب تو بازاروں میں پھرنے والی عورتوں کی طرح تمہارا دل بھی پریشان ہونے لگے گا، یہ نہ خریدا وہ نہ خریدا، فلاں دکان پر یہ مال دیکھا تھا فلاں دکان پر یہ سامان دیکھا تھا، فلاں ہار اتنے میں ملتا ہے، ہمیشہ پریشان رہوگی، دماغ پریشان، دل پریشان، گھر میں جی لگتا نہیں، شام میں ہواخوری کے لئے باہر نکلیں، اور دکان وکان یہ مسلمان بیبیوں کا کام نہیں۔

اللہ نے اپنے رسول ﷺ کی بیویوں کے لئے جو پسند کیا وہی اپنے لئے پسند کرنا چاہئے، وہی ہمارے لئے نمونہ ہے، وہی قابل تقلید بات ہے، "ولا تبرجن تبرج الجاھلیة الاولی" اسلام سے پہلے کا زمانہ جو خراب زمانہ، جاہلیت کا زمانہ ہے، اس کی طرح بناؤ سنگار نہ کرو، اور نماز پڑھو، زکوٰۃ دو، نماز کے لئے جگہ مقرر کرو، جگہ پاک صاف ہو، وہاں تسبیح پڑھ سکو کتابیں پڑھ سکو اپنے بچوں کو دین کی باتیں سکھا سکو، جو وقت بچے اس میں شوہر کی خدمت کرو، بچوں کی تعلیم وتربیت میں وقت خرچ کرو۔

ہندوستان سے جو خاندان یہاں آگئے ہیں ان کے لئے ان کے گھر کا ماحول تبلیغی ہو، دینی ہو، تب تو وہ دین کو قائم رکھ سکیں گے، مسلمان ہو کر رہیں گے اور اگر گھروں میں وہ اسلامی زندگی نہ ہوئی تو ہزار مرتبہ وعظ کیا گیا، ہزار مرتبہ ہمارے بھائی چلہ میں گئے، اور ہزاروں بچوں کو تعلیم دی گئی، اس سے کام نہ چلے گا، اس کے لئے ضروری ہے کہ گھروں کا ماحول اسلامی ہو۔

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا یوسفؒ، حضرت مولانا شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ان کی ماؤں کے قصے آپ پڑھئے، وہ کیسی عابدہ، زاہدہ رابعہ بصریہ کی طرح تھیں، ان کی راتیں کیسی گذرتیں تھیں، دن کیسے گذرتے تھے، وہ

کتنے پارے تلاوت کرتی تھیں، رمضان میں ان کی ہمت دیکھئے، اس سے تو مردوں کے بھی سر شرم کے مارے جھک جاتے ہیں کہ یہ عورت ذات اتنی عبادتیں کرتی ہیں، جن کی طرف ہمارا خیال بھی نہیں جاتا، نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے انھیں ایسے فرزند دیئے جن سے ساری دنیا میں بیسیوں ملک ان کے نور سے چمک رہے ہیں، ہزاروں لاکھوں آدمیوں کی اصلاح ہوئی، اور ہو رہی ہے، یہ سب ان کے اوقات کی برکت تھی۔ ان کی نیتوں کی برکت تھی، ان کے خلوص کی، خدا کے ساتھ تعلق کی۔

اب جو اولادیں ماں کی گودوں میں پلتی ہیں، ظاہر ہے وہ کیسی ہوں گی جیسی گود ویسی اولاد، جب وہ زبان سے اللہ کا نام نہ لیں گی، جب گھروں میں تلاوت کی آواز نہ سنیں گی، اپنے گھروں میں نیکی کی بات نہ سنیں گی تو باہر نکل کر اس کا کوئی اثر نہ رہے گا۔

ماں کی ذمہ داری اور حقوق کی ادائیگی

بس میری بہنو! اتنی بات عمل کرنے کو کافی ہے پانچوں وقتوں کی نماز ادا کرو، شوہروں کے حقوق ادا کرو، اولاد کے حقوق ادا کرو، اللہ کے حقوق ادا کرو، اور سادہ زندگی رکھو، سادہ معاشرت اختیار کرو تو تمہیں اس ملک میں سکون نصیب ہوگا، اور تم تبلیغ کرو تو دوسری عورتیں بھی دیکھ کر کہیں کہ یہ قابل تقلید نمونہ ہے، نہیں تو تمہارا آنا مصیبت ووبال کی بات ہے اور اب ایسا نہ ہو کہ تم بالکل کھو نہ جاؤ، یہاں جو نئی تہذیب کا دریا بہہ رہا ہے خدانخواستہ تم بھی ڈوب نہ جاؤ، اس کے لئے ضروری ہے کہ تمہاری زندگی سادہ ہو، اگر تمہاری زندگی سادہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے گا، بہت سکھ اور چین کی زندگی نصیب کرے گا، رزق میں برکت ہوگی، اچھی اور بچی اولاد پیدا ہوگی، اور اگر یہاں آکر

تمہاری سادگی ختم ہوگئی اور وہی اسراف، وہی فضول خرچی، وہی فیشن پرستی، وہی غفلت، وہی تفریح کا شوق اور وہی فرمائش، اور وہی ان لوگوں کی نقل کرنا، تو پھر یہ زندگی آزار بن جائے گی اور گھر جہنم کا نمونہ بن جائیں گے، اپنے مردوں کو تبلیغ کا شوق دلاؤ، ان کی ہمت افزائی کرو، کہو، آپ تبلیغ میں جائیں ہم گھر سنبھالیں، تمہیں کسی فکر کی ضرورت نہیں، ہم سب بچوں کی فکر رکھیں گی، آپ تبلیغی اجتماعات میں شرکت کیجئے، ایمانی، اسلامی، تقویٰ والی زندگی بنایئے، اللہ تعالیٰ راضی ہوگا، وہ تمہاری حفاظت بھی فرمائے گا۔

میں نے ابھی اللہ کی نیک بندیوں کی مثال دی تھی، مولانا الیاس صاحبؒ کی والدہ کا حال پڑھئے، جو جو وظائف وہ دن رات پڑھتی تھیں، حیرت ہوتی تھی، اللہ اکبر اتنا اللہ کا ذکر، مولانا یوسفؒ کی والدہ، حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی جو مولانا یوسفؒ کی اہلیہ ہیں، ان سب کا حال پڑھئے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے دنیا سے دل لگایا ہی نہیں، انھوں نے سمجھا کہ ہم کو کہیں اور جانا ہے، بیماری سے تکلیف ہے پھر بھی مہمانوں کی خدمت اتنی کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، اس خاندان کی کمزور کمزور بچیاں عبادت کریں، اللہ کا ذکر الگ کریں، مہمانوں کی خدمت الگ کریں، بچوں کی پرورش الگ کریں، ان کے چھوٹے چھوٹے گھر نہ وہاں تازہ ہوا اور نہ تفریح کے لئے کوئی موقع کہ کہیں چلی جائیں۔

میری والدہ صاحبہ مرحومہ جن کے انتقال کو ابھی ایک سال بھی نہ ہوا، ہم نے جوانی کا حال دیکھا، سچی بات یہ ہے کہ ان کے ایمان کے سامنے، ان کے یقین کے سامنے، ان کی نمازوں کے سامنے، اپنی نمازوں کو سامنے لانے سے شرم آتی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے ان کو ذوق دعا کا عطا فرمایا تھا اور اسلام کی سربلندی کے لئے اپنی اولاد کو چاہے وہ کمائیں چاہے نہ کمائیں، بس وہ اللہ کے دین کی خدمت کریں، اللہ تعالیٰ ان کو سرخرو کرے، ان

کے ذریعہ ہم کو سرخرو کرے، ان کے زمانے میں بھی اللہ نے ان کو بہت کچھ دیا تھا، کھاتا پیتا گھرانا تھا، اللہ نے کسی کا محتاج نہیں کیا تھا، اس گھر کی بیٹی ایسے گھر میں آئیں جہاں علم تھا، عزت تھی، سب کچھ، لیکن جو بات ان میں دیکھی وہ بیان کرتا ہوں کہ اس دنیا میں کبھی ان کا دل نہیں لگا، چنانچہ ان کا یہ شعر ہے؂

اپنا وطن عدم ہے جا کر وہیں بسیں گے

یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ پردیس میں ہیں، ان کا کسی کام میں جی نہیں لگتا، بس ان کا دل لگتا تھا نماز میں، دعا میں، جہاں کوئی پریشانی ہوئی، انھوں نے دعا کی، باقی سب سے تعلق انھوں نے برائے نام رکھا، بالکل قانونی تعلق رکھا۔

● ● ●

(۱) ماخوذ: "رضوان" جون، جولائی ۱۹۷۳ء

❖❖

”حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ والدہ کا معمول تھا کہ جس روز ہمارے گھر میں کچھ کھانے پکانے کو نہ ہوتا تو فرماتیں کہ آج ہم سب خدا کے مہمان ہیں، مجھے یہ سن کر بڑا ذوق آتا کہ آج ہم خدا کے مہمان ہیں۔“

❖❖

بچوں کی تعلیم و تربیت میں
عورتوں کا ہاتھ

بچوں کی تعلیم و تربیت میں عورتوں کا ہاتھ

ماؤں اور پرورش کرنے والی خواتین کی ذمہ داریاں

اسلام کے دو ایسے میدان ہیں، جن میں خواتین کو سبقت حاصل ہے، اور وہ ان میدانوں میں جو کارنامہ انجام دے سکتی ہیں اور اس کے ذریعہ سے امت اسلامیہ کا صرف نسلی تسلسل ہی نہیں اعتقادی، اخلاقی، ذہنی اور تہذیبی تسلسل کے قائم رہنے میں بنیادی کردار ادا کر سکتی ہیں، وہ انھیں کا حصہ ہے، اور ہر دور میں ان کے نہ صرف تعاون بلکہ اس کی ذمہ داری قبول کرنے اور اس کو سر انجام دینے کے بغیر یہ معنوی تسلسل (جو اس امت کی اصل قیمت اور اس کی ضرورت وافادیت کا ثبوت ہے) قائم نہیں رہ سکتا۔

یہ دو میدان ہیں، ایک نئی نسل کی دینی تعلیم و تربیت کا ابتدائی کام، اور اس کے قلب و ذہن پر اسلام کا نقش قائم کرنا اور اس کو عمیق و مستحکم بنانا، دوسرے اسلامی تہذیب و معاشرت کی حفاظت اور نئی نسل کو غیر اسلامی تہذیب و معاشرت کے اثرات سے بچانا ہے۔

ہماری زبان و محاورہ میں جب یہ بتانا ہوتا ہے کہ فلاں عادت، یا یقین، یا خوبی، یا کمزوری دل و دماغ میں پیوست ہو گئی ہے، اور اب وہ نکالی نہیں جا سکتی، تو کہا جاتا ہے کہ "یہ چیز گھٹی

میں پڑی ہوئی ہے" اور ظاہر ہے کہ یہ گھٹی ماں اور گھر کی شفیق اور مربی بیبیوں کے ذریعہ ہی بچوں کو ابتدائے شعور میں گھر ہی میں دی جاسکتی ہے، ماہرین تعلیم وتربیت اور علماء نفسیات نے اس حقیقت پر بہت زور دیا ہے کہ بچہ کے ذہن کی سادہ تختی پر جو ابتدائی نقوش پڑ جاتے ہیں، وہ کبھی نہیں مٹتے، خواہ ان کو مٹا ہوا سمجھ لیا جائے، لیکن درحقیقت وہ مٹتے نہیں، دب جاتے ہیں، اور وقت پر ابھر جاتے ہیں، اس حقیقت کو تسلیم کر لینے کے بعد ماؤں اور بچہ کی تربیت کرنے والیوں کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے جو اس سادہ تختی پر آسانی کے ساتھ اچھے سے اچھے نقش بنا سکتی ہیں، اور جن کو کوئی طاقت اور کوئی تعلیم وتربیت آسانی کے ساتھ مٹا نہیں سکتی۔

ماؤں اور پرورش کرنے والی خواتین اور گھر کی ان بیبیوں کا جو رشتہ میں بزرگ اور گھر کے ماحول میں اثر انداز اور قابل احترام ہوتی ہیں، اتنا ہی فرض اور ذمہ داری نہیں کہ وہ بچوں کو اللہ اور رسول کا نام سکھا دیں کلمہ یاد کرادیں، اور جب وقت آئے تو نماز پڑھنا سکھا دیں، یہاں تک کہ قرآن شریف پڑھنا بھی ان کو آجائے اور اردو پڑھنے کے قابل بھی ہو جائیں، ہندی زبان اور رسم الخط کی اس فرماں روائی کے دور میں جب لاکھوں مسلمان بچے اور بچیاں اردو کی ایک سطر پڑھنے اور اپنا نام تک لکھنے کے قابل نہیں ہوتیں، بلکہ اپنا نام زبانی بھی لینے اور بتانے کی ان میں صلاحیت نہیں ہوتی، جس کی درجنوں مثالیں انٹرویو کی مجلسوں، اسکولوں میں داخلے اور ملازمت کی درخواست دینے کے موقعہ پر سامنے آچکی ہیں، جو زیادہ تر گھروں کے اندر اردو لکھنے پڑھنے کی صلاحیت پیدا ہونے اور اسلامی تاریخ، انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرامؓ، ازواج مطہراتؓ، اہل بیتؓ، اور پیشوایانِ اسلام کے ناموں تک سے واقف کرانے کے کام سے غفلت اور سستی کا نتیجہ ہے۔

اس ضروری کام کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ ان بچوں کو کفر و شرک سے نفرت،

توحید سے محبت، اس پر فخر، اسلامی نسبت اور مسلمان ہونے اور کہلانے پر مسرت وعزت کا احساس، دین کی حمیت وغیرت، خدا کی اطاعت، اور خدا کے آخری رسول محمد ﷺ سے عشق اور شیدائیت کی حد تک محبت، گناہوں سے نفرت اور گھن، دنیاوی ترقی ہی کو زندگی کا مقصد اور کامیابی اور عروج کی دلیل سمجھنے سے حفاظت، راست بازی، اور راست گوئی کی عادت، خدمت وایثار کا شوق، خدمتِ خلق اور وطن دوستی کا جذبہ پیدا کرنا بھی ان کی ذمہ داری اور انھیں کے کرنے کا کام ہے، اور اگر یہ کام بچپن میں اور گھروں کے اندر نہیں ہوا، تو دنیا کی بڑی سے بڑی دانش گاہ، اور سرکاری یا عالمی پیانہ پر کوئی تربیت گاہ نہیں کر سکتی، اور اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔

یہ بھی صفائی سے کہنا پڑتا ہے کہ جب تک مسلمان بچوں کو بت پرستی اور کفر وشرک سے خواہ وہ کسی بیرونی، ملکی دیومالا (MYTHOLOGY) اور نصاب تعلیم (TEXT BOOKS) کے ذریعہ سے ہو، یا ریڈیو، ٹی وی یا لکچروں کے ذریعہ سے ہو یا خود مسلمانوں کے دین سے ناواقفیت اور دنیادار اور پیشہ ور گروہوں کے اثر سے ہو، اس طرح نفرت اور گھن نہ پیدا ہو، جیسی گندی اور بدبودار چیزوں سے ہوتی ہے، تو ان کے ایمان کی حفاظت نہیں ہو سکتی، اور ان کے صحیح العقیدہ مسلمان ہونے کی ضمانت نہیں دی جا سکتی، یہ تربیت، یہ محبت ونفرت جو طبیعت کا خاصہ اور حواسِ خمسہ کے ساتھ ایک نیا خاصہ بن جائے، مسلمان گھرانوں کی میراث، اور مسلمان نسلوں کے اعتقادی ومعنوی تسلسل کا راز رہا ہے، اور جب تک یہ کام گھروں میں اور ماؤں اور گھر کی بڑی بہنوں اور بزرگ خواتین کے ذریعہ انجام نہیں پائے گا، بڑے سے بڑے پُراثر مواعظ، مؤثر سے مؤثر دینی کتابیں اور مدارس دینیہ عربیہ کے لائق ترین اساتذہ کے ذریعہ بھی اس میں کامیابی حاصل ہونی مشکل ہے۔(۱)

---

(۱) ماخوذ: تعمیر حیات ۲۵؍ مئی ۱۹۹۲ء۔

لڑکیوں کی پرورش وتربیت میں مقابلہ اور حقوق میں مساوات

اسلام کے اثر سے لوگوں کے دل ودماغ میں انقلاب عظیم واقع ہو چکا تھا وہ لڑکی جو پہلے خاندان کے لئے اور اشراف ورؤساء قوم کی نگاہ میں باعث ننگ وعار تھی (اور بعض قبیلوں میں اس کو زندہ درگور کر دینے تک کا رواج تھا) آج ایسی عزیز ومحبوب بن چکی تھی جس کی پرورش اور تربیت کے لئے آپس میں مقابلہ کی نوبت آجاتی تھی، مسلمان سب برابر تھے، اور مساویانہ حقوق رکھتے تھے، کسی کو کسی پر اگر فوقیت تھی تو کسی فضیلتِ علمی وعملی اور کسی معقول بنیاد پر، جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ سے واپسی کا قصد کیا تو سیدنا حمزہؓ کو چھوٹی بچی "امامہ" چچا چچا پکارتی ہوئی آپؐ کے پیچھے ہولی۔

حضرت علیؓ نے اسے لے لیا اور حضرت فاطمہؓ کے حوالے کیا اور کہا کہ دیکھو یہ چچا کی لڑکی ہے، اب حضرت علی، زید، جعفر رضی اللہ عنہم کے درمیان اس مسئلہ پر کشمکش ہونے لگی، حضرت علیؓ نے کہا کہ اسے میں لیتا ہوں، یہ میری چچا زاد بہن ہے، حضرت جعفرؓ نے کہا کہ میری بھی چچا زاد بہن ہے، اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے، حضرت زیدؓ نے کہا (اسلام کے رشتہ سے) یہ میری بھتیجی ہے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفر کے حق میں فیصلہ دیا کہ چونکہ بچی کی خالہ ان کے گھر میں ہے اور خالہ ماں کی جگہ ہوتی ہے (اس لئے اس کو وہاں زیادہ آرام ملے گا) حضرت علیؓ سے آپ نے بطور دلداری فرمایا "تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں" حضرت جعفرؓ سے فرمایا "تم سیرت وصورت دونوں میں مجھ سے مشابہ ہو" حضرت زیدؓ سے ارشاد ہوا کہ: "تم میرے بھائی ہو اور میرے مولی ہو (۱)۔

---

(۱) ماخوذ: نبی رحمت ص: ۴۲۰

مسلمان معاشرہ میں عورت کا احترام اور بچوں کی تعلیم وتربیت میں ان کا ہاتھ

مسلمان گھروں میں ہر دور میں عورت احترام وعزت کی نظر سے دیکھی جاتی رہی ہے عموماً گھر کا سارا نظم ونسق اس کے حوالہ ہوتا ہے، اسکو ملکیت، خرید وفروخت کے اختیارات اور بہت سے قانونی حقوق حاصل ہیں، چھوٹی عمر میں بچوں کی تعلیم وتربیت بالعموم انھیں کی زیر نگرانی ہوتی تھی، شرفاء کے یہاں اور قدیم خاندانوں میں کوئی نہ کوئی پڑھی لکھی خاتون یا بڑی بوڑھی بچوں اور بچیوں کو قرآن شریف اور دینیات کی تعلیم دیتی تھیں، اور محلّہ ٹولہ اور پاس پڑوس کے بچے اور بچیاں ان کے پاس پڑھنے آتی تھیں، یہ اچھا خاصا مکتب یا چھوٹا موٹا مدرسہ بن جاتا تھا، ابھی تک کہیں کہیں اس کا دستور ہے، تعلیم کے ساتھ وہ بچیوں کو سینے، پرونے، کشیدہ کاری، کھانے پکانے اور خانہ داری کی بھی تعلیم دیتی تھیں (۱)۔

علم حاصل کرنا مرد وعوت پر فرض ہے

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين خاتم النبيين محمد وآله واصحابه اجمعين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين – اما بعد!

میری عزیز بہنو اور بیٹیو! مجھے بہت مسرت ہے کہ میں یہاں آکر اس تعلیمی سرگرمی کے نتیجہ کو دیکھ رہا ہوں جو خاص طور پر ہماری بچیوں کے لئے امت کی بیٹیوں کے

---

(۱) ماخوذ: ہندوستانی مسلمان ایک نظر میں ص:۶۱۔

لئے اس کا انتظام کیا گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ جیسے ایک گھرانہ بغیر بیبیوں کے ناقص ہے اور اس کو گھرانہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے ایسے ہی امت کا بھی حال ہے کہ اگر اس میں صرف تعلیم اور ترقی، فہم اور سمجھ، اخلاق اور تہذیب یہ صرف مردوں میں محدود رہی تو پھر اس امت کو بیدار امت اور زندہ امت کہنا مشکل ہے، اس کا اہتمام ہمیشہ کیا گیا ہے ابتدائے اسلام سے بچیوں، لڑکیوں اور خواتین کو بھی تعلیم میں اور اسلام کی تربیت میں شریک کیا گیا ہے، حدیث میں فرمایا گیا ہے "طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ" علم کی طلب اور علم پر محنت کرنا، اور علم کو حاصل کرنا یہ ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے تو اسلام کا پورا انتظام، اس کا نظام دینی اور اس کا نظام ذہنی اور اس کا نظام اخلاقی اور اس کا نظام پرورش کا صحیح مفہوم وجود میں نہیں آسکتا جب تک کہ خود ہماری امت کی...... مسلمان بیٹیاں اس میں شریک نہ ہوں اور وہ ضروری حد تک علم حاصل نہ کریں اللہ تعالیٰ کی تعلیمات سے جو مرد وعورت کے درمیان مشترک ہیں ان سے واقف نہ ہوں یہ ایک یک طرفہ کوشش ہوگی اور یک طرفہ روش ہوگی جس سے کوئی امت تو امت، ملت تو ملت ایک شہر بھی اس پر گذارا نہیں کر سکتا اس کی ضرورت ہے اس لئے آتا ہے کہ علم کی طلب ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے۔

گھر کا ماحول بیویوں اور بیٹیوں کا ساختہ پرداختہ ہوتا ہے

ہمارا پورا انتظام معاشرت بلکہ نظام زندگی ونظام مذہبی بھی اس کے بغیر نہیں چل سکتا کہ بیبیاں اور بچیاں بھی اسلام سے واقف ہوں اور گھر میں جو کچھ ماحول ہوتا ہے وہ تو بیویوں اور بیٹیوں ہی کا ساختہ پرداختہ ہوتا ہے اگر گھر کے اندر اسلامی فضا نہیں ہے، دینی تعلیمات نہیں ہیں، اسلامی اخلاق نہیں ہیں تو پھر اس نسل کی اسلامی پرورش ہو ہی نہیں

سکتی، اس لئے ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ اس کا ہمیشہ اہتمام رکھا گیا، اور امت کا طبقہ نسواں بھی ہمیشہ نہ صرف یہ کہ علم سے واقف بلکہ علم پھیلانے والا بھی رہا اور تذکرہ کی کتابوں میں ایسی بیویوں کے نام ملتے ہیں جو بڑی فاضلہ عالمہ تھیں اور جن کی وجہ سے خاندان کے خاندان بلکہ اس زمانہ میں ملت کا پورا حصہ دین سے واقف تھا اور دین پر کاربند تھا، ان کے کارنامے آپ دیکھیں بلکہ بعض خاندانوں کا ایمان بچلیا ہے مستورات نے، کہ انھوں نے شروع سے بچیوں کی ایسی تربیت کی اور اسلامی اور دینی غیرت کا اظہار کیا اور نقش کر دیا اور سچ پوچھئے تو دل کی بھٹی میں دل کی خاک میں اور دل کے کشت زار میں تخم مائیں ڈال سکتی ہیں، گھر کی مستورات ہی ڈال سکتی ہیں اور یہ تخم جب پک جاتا ہے تو پھر اس کو حکومتیں بھی نہیں اکھاڑ سکتی ہیں اور اس کی ہزارہا مثالیں ہیں کہ ماں اور بہنوں سے پڑھا ہوا سبق، ان سے سیکھا ہوا دین، ان کا بیدار کیا ہوا جذبہ بڑے بڑے مجاہدین کی استقامت اور ان کی ثابت قدمی کا ذریعہ بنا، اور اگر آپ ان کی تحقیق کریں اور ذرا ریسرچ سے اور سراغ رسانی سے کام لیں تو معلوم ہوگا کہ اصل جو اس میں ثبات واستقامت اور جذبہ پیدا ہوا ہے وہ ماں کا پیدا کیا ہوا ہے اور اس کی کثرت سے مثالیں ہیں کہ بڑے بڑے چوٹی کے علماء اسلام میں ایسے گذرے ہیں، جن پر سب سے زیادہ ان کی ماؤں کا اثر پڑا ہے اور ان کی ماؤں نے ان کو اخیر تک اسلام پر قائم رہنے کی ہمت اور حوصلہ دیا ہے، اور اس کے لئے مستقل کتابیں ہیں اور ہماری تاریخ میں مستورات کے طبقہ کی مستقل کتابیں ہیں کہ بعض اوقات انھوں نے اللہ کے راستے میں جان دینے پر آمادہ کیا اور اپنے لخت ہائے جگر کو انھوں نے خطرے میں ڈالا ان کی ہمت بڑھائی بلکہ ان میں غیرت پیدا کی کہ دین کے لئے کیوں کام نہیں کرتے ہو؟ دین کے لئے قربان ہو جانا چاہئے اور سب کچھ قربان کر دینا چاہئے، اس کی مثالیں ہماری تاریخ میں ملتی ہیں، بعض بڑے بڑے اکابر اور بڑے

بڑے مجاہد پیدا ہوئے ہیں کہ اول اول ان کے اندر جو جہاد کا جذبہ پیدا ہوا، اسلام کے لئے قربانی دینے کا جذبہ پیدا ہوا اور اسلام پر نثار اور قربان ہو جانے کا جو حوصلہ پیدا ہوا وہ ان کی ماؤں کی تربیت کا نتیجہ تھا کہ اکثر اہل اللہ کے حالات میں، اور مجاہدین کے حالات میں اور فاتحین کے حالات میں ان کی ماؤں کا بنیادی حصہ ملے گا، اور انھوں نے خود اعتراف کیا کہ سب سے پہلے ہمارے کان میں یہ بات ہماری ماں کے ذریعہ سے پڑی، انھوں نے ہمارے اندر دینی غیرت پیدا کی اور بعض موقعوں پر تو دینی حمیت پیدا کرنے میں ہماری خواتین کا حصہ زیادہ ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ قبول فرمائے اور جزائے خیر دے، اور جو خطرہ پیدا ہو رہا ہے نئی نسل کے لئے ذہنی ارتداد کا اور ہم آگے نہیں کہتے اور اس سے باز رہنے میں سب سے بڑا ہاتھ ماؤں کا ہو گا، اور اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں، کہ کسی کی مادر مشفقہ، کسی ماں کے فقرے نے ایک روح پیدا کر دی اور قربانی دینے اور ایثار اور اپنے کو خطرے میں ڈالنے پر آمادہ کر لیا، اس کی بھی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اپنے عزیزوں کا اور رفقاء کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انشاء اللہ ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گا جو مسلمانوں کی آئندہ نسل کی ایمانی، دینی اور اخلاقی حفاظت کا کردار ادا کرے گا اور وہ طبقہ صرف مستورات کا ہو سکتا ہے، خواتین کا طبقہ ہو سکتا ہے اور ہماری بہنوں کا طبقہ ہو سکتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو ترقی دے اور اس کو زیادہ مفید اور نافع اور فیض رساں بنائے اور ان کی محنتوں اور ان کی جفاکشی اور ان کی قربانیوں کو قبول فرمائے، ان کی فیاضیوں کو، اور ان کی لڑکیوں کو جنھوں نے اس میں حصہ لیا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ قیام اور دوام بخشے، اور اس سے زیادہ نفع پہونچائے (۱)۔

---

(۱) ماخوذ۔ تعمیر حیات۔ ۲۵ جون ۱۹۹۸ء

دو باتیں نصیحت کے طور پر

آخر میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں، دو باتیں ہیں، وصیت کے طور پر، نصیحت کے طور پر، مشورہ کے طور پر، جو کچھ بھی آپ سمجھیں، ایک تو یہ کہ آپ اپنی نیت درست رکھیں، یعنی یہاں محض اس لئے کہ آپ اپنے شوہر یا گھر کی آمدنی میں اضافہ کر رہی ہیں، یقیناً یہ بات آپ کے دماغ میں نہیں ہوگی، احتیاطاً کہتا ہوں یہ نہیں کہ بھائی ہمارے شوہر چار پانچ سو کما رہے ہیں دو سو یہاں کے مل جاتے ہیں چلو چھ سات سو ہو گئے، یہ نیت نہ رکھیں، آپ یہ سمجھئے کہ مسلمان بچوں اور بچیوں کی سعید روحوں کو بچانے کے لئے اور دین کے راستے پر لگانے کے لئے اللہ نے آپ کو یہ موقعہ دیا ہے اپنی نیت کا روز روز نہیں تو ہفتے ہفتے مہینے مہینے جائزہ لے لیا کیجئے، نیت تعلیم کی ہے خدمت کی ہے عبادت کی ہے یا کمانے کی۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان بچوں کو توحید اور خدا سے ڈرنے کا سبق ضرور دیا کیجئے، بات میں بات نکال کر، یا کسی نہ کسی بہانے سے یا کوئی واقعہ سنا کر جس سے توحید کا عقیدہ مستحکم ہو جائے، عورتوں میں شرک بہت ہے، ذرا سی طبیعت خراب ہو جائے بچے کی، اور ذرا دیر لگی تو فوراً بس فلاں مزار کی مٹی لے آؤ اور فلاں بزرگ کے یہاں جاؤ اور نذر مانو، تو عورتوں میں خاص طور پر تعلیم کی ضرورت ہے، یہ نقش ان کے دل پر بٹھا دیجئے کہ اللہ کے سوا کوئی نفع یا نقصان نہیں پہونچا سکتا، دوسرے خدا کا خوف ان کے دلوں میں پیدا کرنے کی کوشش کیجئے جہنم کا خوف اور ڈر اور جنت کا شوق یہ بہت کام آئے گا۔

اگر دل میں خدا کا خوف پیدا ہو گیا، اور آخرت کا سوال، حساب کتاب کا یقین پیدا ہو گیا، تو یہ علم بہت کام آئے گا اور ہر موڑ پر اور ہر موقعہ پر یہی ہاتھ پکڑے گا اور یہی روکے

گا بھی ڈرائے گا بس یہ دو باتیں میری وصیت یا نصیحت یا مشورے کے طور پر یا پیغام کے طور پر ہیں، آپ انھیں یاد رکھیں (۱)۔

ایک پیغام امت مسلمہ کی ماؤں کے نام

آج میں ایک سوانح نگار کی حیثیت سے کہتا ہوں یہ کوئی تعریف کی بات نہیں لیکن ذرا اپنی بات کا وزن پیدا کرنے کے لئے کہتا ہوں کہ اللہ تعالی کے حکم اور اس کی حیثیت کے مطابق کہ جو کچھ لکھنے کے موضوعات ہیں اور ان میں سے خاص سوانح نگاری کے موضوع پر عطا ہوا ہے، اور مجھے سعادت حاصل ہے کہ میں نے بزرگان دین کی سوانح عمریاں بہت پڑھی ہیں، عربی میں بھی فارسی میں بھی اور اردو میں بھی، اور ان کے حالات کہ تمام دنیا کا جن پر اتفاق ہے کہ یہ مقبولان بارگاہ الٰہی تھے اور یہ امت کے ہیرے جواہرات کیا یہ ان کی توہین ہوگی، کہا جائے کہ امت کے مفاخر میں سے ہیں اور یہ امت کی اور دین کی صداقت کی دلیلیں ہیں، ان میں جتنے بھی بڑے نام لئے جا سکتے ہیں سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کا نام ہندوستان میں آیئے تو خواجہ نظام الدین اولیاء کا نام ہے میں انھیں دو ناموں پر اکتفاء کرتا ہوں، ان دونوں کے حالات میں نے پڑھے ہیں، ان کے ان مستند ماخذوں میں جن سے زیادہ مستند ماخذ نہیں ہو سکتے اور میرا تعلق چونکہ ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ہے اور اس کے کتب خانے سے ہے، اس لئے مجھے ان کی کتابیں پڑھنے کا موقع ملا، جس کی بڑے بڑے فضلاء کو نوبت نہیں آتی ہے اس کے خاص اسباب تھے، ان دونوں کے متعلق میں کہہ سکتا ہوں کہ ان پر جو بنیادی اور سب سے زیادہ اثر پڑا ہے وہ ان کی مائیں ہیں۔

سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے جب بغداد کا رخ کیا تاکہ وہاں آکر دینی تعلیم بھی حاصل کریں، بغداد جو اس وقت ساری دنیائے اسلام کا صرف خلافت کا مرکز ہی

(۱) تعمیر حیات، ۲۵ر مئی و ۱۰ر جون ۱۹۷۵ء

نہیں تھابلکہ سب سے بڑادارالعلوم، دارالعلم تھا، دارالفضل تھا، روحانیت کامرکز تھا، چوٹی کے مرشدین، مربین وہاں پائے جاتے تھے، وہاں تعلیم کے ایسے انتظامات تھے جو کہیں اور نہیں ہو سکتے تھے اور خلافت کا وہاں سایہ تھا، یہ واقعہ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب سیدنا حضرت عبدالقادر جیلانی چلنے لگے تو ان کی والدہ نے کہا کہ دیکھو بیٹا ایک نصیحت کرتی ہوں کہ جھوٹ کبھی نہ بولنا، چنانچہ واقعہ لکھا ہوا ہے کہ جب وہ قافلہ چلنے لگا، وہ قافلوں کا زمانہ تھا اور رہزنی بھی ہوتی تھی، راستے میں ڈاکے بھی پڑتے تھے تو چوروں کی ایک ٹولی نے قافلہ پر حملہ کیا اور اس کا طریقہ معلوم نہیں کہ اس نے شروع کیا تھا کہ وہ ہر ایک سے پوچھتا تھا کہ تمہارے پاس کیا ہے؟ سب کہتے تھے کہ کچھ نہیں ہے، ہمارے پاس کچھ نہیں ہے اور ہم بالکل خالی ہاتھ ہیں پھر وہ ٹٹولتا تھا اور دیکھتا تھا بڑی دولت نکلتی تھی وہ سب پر قبضہ کرتا تھا اور اس آدمی کی توہین بھی کرتا تھا اور سزا بھی دیتا تھا۔

چنانچہ یہی ہوتا رہا یہاں تک کہ کچھ لوگ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کے پاس آئے اور کہا کہ کچھ ہے تمہارے پاس؟ آپ نے کہا ہاں ہے، ہمارے پاس کچھ اشرفیاں ہیں جو ہماری والدہ نے سی دی تھیں وہ موجود ہیں تاریخ میں لکھا ہوا ہے کہ صرف اسی ایک جملے سے وہ سب تائب ہو گئے کہ اوفو! یہ لڑکا! سب جھوٹ بولتے ہیں اور یہ سچ بول رہا ہے کہہ سکتا تھا کہ ہمارے پاس بھی کچھ نہیں ہے اور اس کی صورت شکل سے، لباس سے تصدیق ہوتی ہے کہ یہ کسی بڑے گھرانے کا لڑکا نہیں ہے لیکن اس نے صاف کہہ دیا کہ ہمارے پاس اتنی دولت ہے انھوں نے دولت بھی چھوڑ دی اور اپنا طریقہ بھی چھوڑا اور ایمان لائے، یہ ایک تاریخی واقعہ ہے آپ تقریباً ہر بزرگ کے حالات میں دیکھیں گے کہ ان کی تربیت میں سب سے بڑا حصہ ان کی ماں کا ہے، ان کی بڑی بہنوں کا ان کے گھر والوں کا ہے حضور پاک علیہ السلام سے ایسی محبت کہ جو کسی ہستی کے پاس نہ ہو، ان

کے نام پر ہر آدمی کا بے چین ہو جانا اور ان کا انتہائی ادب کے ساتھ نام لینا اور اسے مبارک سمجھنا یہ سب گھر کے ماحول سے ہوتا ہے، ایسے ہی خلفائے راشدین کی عقیدت اور یہ کہ وہ مستحق تھے خلافت کے یہی ترتیب صحیح ہے یہ بھی عقیدہ گھر ہی میں پیدا ہوتا ہے اور اس کے بعد برائی سے دوری اور نفرت یہ بھی کوئی اخلاقی تعلیم نہیں پیدا کر سکتی یہ بھی گھر کی تعلیم پیدا کرتی ہے کسی کا دل نہیں توڑنا چاہئے، اور ناانصافی نہیں کرنا چاہئے، کسی بزرگ یا بڑے کی بے ادبی نہیں کرنا چاہئے، اور کوئی ایسا کام جو شریعت کے خلاف ہو نہیں کرنا چاہئے، یہ چیزیں وہ ہیں جو کسی دلیل اور فلسفہ سے نہیں پیدا ہوتیں یہ گھر کے ماحول سے پیدا ہوتی ہیں، اور ماں باپ کے کہنے سننے سے پیدا ہوتی ہیں، ان میں سب سے بڑھ کر جو چیز ہے وہ یہ کہ شرک سے نفرت ہونی چاہئے، ہر شکل میں کوئی بھی شکل ہو شرک کی جس میں خدا کے علاوہ کسی کو قادر سمجھا جائے، متصرف فی الکائنات سمجھا جائے، مالک سمجھا جائے نفع وضرر کا، یہ بات محض دلائل سے نہیں نکلتی، جذباتی طور پر، حسی طور پر، باطنی طور پر اس طرح کی گھر میں باتیں ہوں، بچپنے سے ہی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے واقعات کہ آپ نے ہر قسم کے شرک کو رد کر کے آگ میں کود جانا پسند کیا جسے خدا نے ان کے لئے رحمت بنا دیا۔

یہ واقعات اس طرح سے سنائے جائیں کہ بچے کے دل پر نقش ہو جائیں اور اس شرک سے نفرت ہو پھر اللہ اور توفیق دے، تو بدعت سے نفرت ہو، اسراف سے نفرت ہو، کسی کا دل توڑنے سے نفرت ہو، آج ہمارے ملک میں کیا ہو رہا ہے؟ کیا یونیورسٹیاں نہیں ہیں؟ کیا اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم نہیں ہے؟ کیا انگریزی کا رواج نہیں ہے؟ کیا وہ لوگ نہیں ہیں جو یورپ وامریکہ جاتے رہتے ہیں اور وہاں کی ترقیاں دیکھتے رہتے ہیں لیکن اردو زبان تھوڑی دیر کے لئے کرناٹک کے ریڈیو سے نشر کی جائے، کچھ خبریں اردو میں

دی جائیں اس پر اتنا غصہ آئے کہ اس پر چالیس آدمی قتل ہو جائیں، یہ ذہن کہاں سے پیدا ہوا کہاں گئیں وہ یونیورسٹیاں، کہاں گئے وہ فلاسفی کے ایتھکس کے ڈپارٹمنٹ؟ کہاں گئیں وہ تصنیفات، یورپ کے بڑے بڑے اخلاق دانوں کی اور ہندوستان کے بڑے بڑے لکھنے والے سنیاسیوں کی؟ اردو زبان کے بولے جانے اور اسکے کان میں پڑنے پر یہ سزا دی گئی کہ کئی لوگوں کا خون بہہ گیا اور حکومت کو مجبور ہو کر روکنا پڑا اور اس طرح کے جو واقعات ہیں، بچوں پر ہاتھ اٹھانا، بچیوں پر ہاتھ اٹھانا اور یہاں تک کہ وہ چیز جو زبان سے کہنے کی نہیں وہ سب ہو جانا، اور یہ جو فسادات ہو رہے ہیں ان میں جو سفاکی، خونریزی اور انسان دشمنی کی بو آتی ہے یہ سب کس کا نتیجہ ہے میں صاف کہتا ہوں کہ یہ اس کا نتیجہ ہے کہ ہمارے گھروں میں مسلمانوں کے ہوں یا ہندوؤں کے ہوں انھیں وہ تعلیم نہیں دی جارہی ہے، وہ ایمانی تربیت اور وہ اخلاقی تربیت نہیں کی جارہی ہے جس سے جب بچے گودوں میں پل کر جوان ہوں تو ان کے ذہن میں وہی سب بیٹھا ہو اور گھٹی میں پی لیا گیا ہو آج جو کچھ کسر ہے وہ گھٹی کی کسر ہے آج گھٹی میں وہ چیزیں نہیں ڈالی جاتیں، گھٹی میں پاک چیزیں ڈالی جائیں جس سے برائی سے نفرت پیدا ہو، ظلم وسفاکی سے نفرت پیدا ہو، انسان کا دل توڑنے سے آدمی کانپ جائے اسی ملک کے فقراء و بزرگان دین گزرے ہیں ان کے حالات پڑھئے کہ یہ بیج سب سے پہلے اور شروع میں ان کے گھر میں پڑا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی ایسے خاندان پیدا کئے شرفاء کے خاندان پیدا کئے اور علماء کے خاندان پیدا کئے جہاں شروع سے ان باتوں سے رغبت پیدا کی جاتی ہے، میں آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں کہ میرے بچپن سے جن دو چیزوں کا لحاظ رکھا گیا، میری تربیت میں میں اس کا ممنون احسان ہوں اور میں نے کاروان زندگی میں اس کو لکھا بھی ہے اور آپ سے بھی کہتا ہوں ایک تو یہ کہ کوئی حرام لقمہ نہ جانے پائے، اور دوسری بات یہ

کہ ہم کسی کے دل کو نہ دکھانے پائیں، آج اسی کی کمی ہے آپ جو کچھ دیکھتے ہیں اور اس ملک کا بگاڑ دیکھتے ہیں، وہ، اور وہ اقدامات وہ تحریکات تک جو انسانیت کے منافی ہیں، جو شرافت کے منافی ہیں جو فطرت انسانی کے منافی ہیں یہ سب جو کچھ ہو رہا ہے یہ اس کا نتیجہ ہے کہ گھروں کی تعلیم ختم ہو گئی اور اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں پر انحصار رہا، اخباروں سے سیکھو جو کچھ سیکھنا ہو کالجوں میں اور یونیورسٹیوں میں سیکھو اور پڑھو، گھر میں کوئی بات اخلاق کی ایسی نہیں کہی جاتی ہے، ماشاءاللہ، لیکن شاید دس یا پانچ فیصدی ایسے گھر نکلیں گے جو بچپن سے عقیدہ درست کرنا، اللہ سے ڈرنا، اس کے رسولؐ سے محبت پیدا کرنا اور انسان کا احترام کرنا اور جھوٹ سے، فریب سے بچنے کی تعلیم دینا اور اللہ سے دعا کرنا، مانگنا، اسی کو کارساز سمجھنا اور انسان کو کسی مذہب کا انسان ہو کسی طبقہ اور حیثیت کا انسان ہو اس کا دل نہ دکھانا، اور اس کی مدد کرنا، یہ وہ چیزیں ہیں جو اٹھ گئی ہیں پہلے آپ دیکھئے کہ ایسے واقعات ملتے ہیں کہ تصدیق کرنا مشکل ہوتا ہے کہ بچہ اپنا کھانا دوسرے کو پیش کر دے اور کھلا دے کہ یہ زیادہ بھوکا ہے اور ایثار کے واقعات جو خانقاہوں میں ملنے چاہئے تھے یہ سب گھر کی تربیت کا نتیجہ ہے۔

عورتیں اس کا خیال رکھیں، کہ نئی نسل کی تربیت کرنا ہے اس کے عقائد بھی درست کرنا ہیں اس کی عادتیں بھی ٹھیک کرنی ہیں اور اس کا مزاج بھی بنانا ہے، دیکھئے مزاج بنانے کی بات ہے میں نے گھٹی کی جو بات کہی ہے ایک چیز ہوتی ہے دماغ بننا اور ایک چیز ہوتی ہے دل بننا اور مزاج بننا اصل حکومت جس کی ہے اور دنیا میں جو خیر و شر پیدا کرتی ہے وہ دماغ بننا نہیں، دماغ بنانے والے لوگوں کی میں نے تاریخ پڑھی ہے، میں نے یونان کی تاریخ پڑھی ہے، ایران کی تاریخ پڑھی ہے، انتہائی عروج کے زمانے کی کیا حالت تھی اخلاقی، کوئی بیان نہیں کر سکتا ہے۔

لیکن اصل میں عقائد ان کے پیوست کرتا ہے اور اچھے اور برے ہونے کا احساس فطری طور پر پیدا کرتا ہے اس میں تکلیف کی ضرورت نہ ہو خود بخود گھن آئے برائی سے نفرت ہی نہ ہو میں معذرت کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس سے گھن آئے کہ کس چیز کا تم نے نام لے لیا، توبہ توبہ، اب آئندہ نہ کہنا یعنی بچہ بچہ سے کہے دوست دوست سے کہے کہ تم نے اب نام لے لیا اب آئندہ میں سن نہ سکوں گا تم نے چوری کا نام لیا ہے، تم نے ظلم کا نام لیا، تم نے خنجر بھونکنے کا نام لیا، تم نے توہین کرنے کا نام لیا میں سن نہیں سکتا ان باتوں کو۔

اور ایسی عورتیں ہوں جن کو خود بھی گناہوں سے نفرت ہو اور غلط عقائد سے نفرت ہو اور یہ بھی جذبہ ہو کہ جب بھی موقع ملے گا اس کی نفرت اور اس کی برائی پیدا کریں گی اللہ تعالیٰ توفیق دے، اور کامیاب بنائے۔(۱)

● ● ●

---

(۱) تعمیر حیات ۱۰ر نومبر ۱۹۹۴ء۔

اولیاء اللہ کی مائیں

اولیاء اللہ کی مائیں

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ

حضرت نظام الدین اولیاءؒ پانچ سال کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، والدہ ماجدہ نے جو اپنے وقت کی ایک بڑی صالحہ اور باخدا خاتون تھیں اس در یتیم کی پرورش اور دینی واخلاقی تربیت کا مردانہ ہمت اور پدرانہ شفقت کے ساتھ اہتمام کیا، جب دستار بندی کا وقت آیا تو والدہ سے آکر کہا استاذ نے دستار بندی کا حکم فرمایا ہے، میں دستار کہاں سے لاؤں، والدہ صاحبہ نے کہا...... بابا خاطر جمع رکھو میں اس کی تدبیر کروں گی، چنانچہ روئی خرید کر اس کو کتوایا اور بہت جلدی پگڑی تیار کر کے دی، والدہ صاحبہ نے اس تقریب میں علماء وصلحاء وقت کی دعوت کی۔

حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ والدہ کا معمول تھا کہ جس روز ہمارے گھر کچھ پکانے کو نہ ہوتا تو فرماتیں کہ آج ہم سب خدا کے مہمان ہیں، مجھے یہ سن کر بڑا ذوق آتا کہ ایک دن کوئی خدا کا بندہ ایک تنکہ غلہ گھر میں دے گیا، چند دن متواتر اس سے روٹی ملتی رہی، میں تنگ آگیا اور اس آرزو میں رہا کہ والدہ صاحبہ کب یہ فرمائیں گی کہ آج ہم سب خدا کے مہمان ہیں، آخر وہ غلہ ختم ہوا اور والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ آج ہم خدا کے مہمان ہیں، یہ سن کر مجھے ایسا ذوق اور ایسا سرور حاصل ہوا کہ بیان میں نہیں آسکتا۔

ایک روز حضرت خواجہ نے اپنی والدہ کے انتقال کا ذکر کیا، ذکر کرتے ہوئے اتنا گریہ طاری ہوا کہ جو کچھ فرماتے تھے پورے طور پر سننے میں نہیں آتا تھا اس حالت میں یہ شعر پڑھا ۔

افسوس دلم کہ ہیچ تدبیر نہ کرد
شبہائے وصال را بہ زنجیر نہ کرد

حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ ایک دن نیا چاند دیکھ کر حاضر ہوا اور قدم بوسی کی اور نئے چاند کی مبارک باد معمول کے مطابق پیش کی، فرمایا کہ ...... آئندہ مہینہ کے چاند کے موقع پر کس کی قدم بوسی کرو گے، میں سمجھ گیا کہ انتقال کا وقت قریب ہے میرا دل بھر آیا اور میں رونے لگا میں نے کہا کہ :-

"مخدومہ! مجھ غریب و بیچارہ کو آپ کس کے سپرد کرتی ہیں؟"

"فرمایا- اس کا کل جواب دوں گی"۔

میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس وقت کیوں نہیں جواب دیتیں، یہ بھی فرمایا کہ :- "جاؤ آج رات شیخ نجیب الدینؒ کے یہاں رہو"۔

ان کے فرمانے کے مطابق میں وہاں گیا، آخر شب میں صبح کے قریب خادمہ دوڑتی ہوئی آئی کہ بی بی تم کو بلا رہی ہیں...... میں نے پوچھا خیریت ہے؟ کہا ہاں جب میں حاضر خدمت ہوا تو فرمایا کہ "کل تم نے مجھ سے ایک بات پوچھی تھی، میں نے اس جواب دینے کا وعدہ کیا تھا، اب میں اس کا جواب دیتی ہوں، غور سے سنو! فرمایا تمہارا دایاں ہاتھ کون سا ہے میں نے ہاتھ سامنے کر دیا، میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا، اور فرمایا "خدایا اس کو تیرے سپرد کرتی ہوں" یہ کہا اور جان بحق تسلیم ہوئیں، میں نے اس پر خدا کا بہت شکر کیا اور اپنے دل میں کہا کہ اگر والدہ سونے اور موتیوں سے بھرا ہوا ایک گھر چھوڑ کر

جائیں تو مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی۔

حضرت سید احمد شہید رائے بریلویؒ

ایسی مائیں دنیا میں بہت کم ہوں گی جو بیٹے کی جان کے امتحان میں پوری اتریں اور اس کو مرنے کے لئے اپنے ہاتھ سے رخصت کریں، حضرت سید احمد شہیدؒ کو اللہ نے والدہ بھی ایسی دی تھی جو حضرت اسماءؓ کا نمونہ تھیں، ایک مرتبہ ایک جنگ کے دوران سید صاحبؒ نے جانے کی آمادگی ظاہر کی، لیکن کھلانے والی نے کسی طرح جانے نہ دیا، والدہ محترمہ نماز پڑھ رہی تھیں، سید صاحب منتظر کھڑے تھے کہ آپ سلام پھیریں تو جا کے اجازت طلب کریں، آپ نے جب سلام پھیرا تو دایہ سے کہا بی تمہیں ضرور احمدؒ سے محبت ہے مگر میری طرح نہیں ہو سکتی، یہ روکنے کا موقع نہ تھا جاؤ بھیا اللہ کا نام لے کر جاؤ مگر خبردار پیٹھ نہ پھرنا ورنہ تمہاری صورت نہ دیکھوں گی۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ

حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کی والدہ ماجدہ بہت بڑی زاہدہ اور متوکل تھیں، آپ نے فرمایا کہ ہماری عمر گیارہ بارہ برس کی ہوگی والدہ صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا نے انتقال فرمایا، جو کچھ سرمایہ تھا وہ وقتاً فوقتاً خرچ ہو گیا تھا کہ سخت قحط پڑا، ہماری والدہ صاحبہ نے جب تک قحط رہا مکان کا دروازہ بند رکھا اور جو درخت گھر میں تھے ان کے پتوں کو ابال کر کھا لیتیں اور کسی کو اپنے حال سے مطلع نہ ہونے دیتیں، حالانکہ یگانے اور دوست ایسے تھے کہ مدد کرتے مگر یہ گوارا نہ تھا،

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ

مولانا الیاس صاحبؒ کاندھلہ ضلع مظفر نگر کے ایک مشہور خانوادہ کے ایک بزرگ تھے، اس وقت کاندھلہ کا یہ خاندان دین داری کا گہوارہ تھا، مرد تو مرد عورتوں کی دینداری، عبادت گزاری، شب بیداری، ذکر و تلاوت کے قصے اور ان کے معمولات اس زمانہ کے پست ہمتوں کے تصور سے بلند ہیں، گھر میں بیبیاں عام طور پر نوافل میں اپنے اپنے طور پر قرآن مجید پڑھتی تھیں اور عزیز مردوں کے پیچھے تراویح اور نفل میں سنتی تھیں، رمضان المبارک میں قرآن مجید کی عجیب بہار رہتی تھی، گھروں میں جابجا قرآن مجید ہوتے اور دیر تک اس کا سلسلہ جاری رہتا، عورتوں کو اتنا علم اور ذوق تھا کہ قرآن مجید پڑھ پڑھ کر مزہ لیتیں، نماز میں ایسی محویت اور استغراق تھا کہ بسا اوقات بعض بیبیوں کو گھر میں پردہ کرانے اور کسی حادثہ وغیرہ میں لوگوں کے آنے جانے تک کا احساس نہ ہوتا۔

قرآن مجید مع ترجمہ و اردو تفسیر، مظاہر حق، مشارق الانوار، حصن حصین یہ عورتوں کا معمولی نصاب تھا، جس کا خاندان میں عام رواج تھا، اس وقت گھر کے باہر اور اندر کی مجلسیں اور صحبتیں حضرت سید صاحبؒ اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے قصوں اور چرچوں سے گرم تھیں، ان بزرگوں کے واقعات مردوں اور عورتوں کی زبانوں پر تھے، مائیں اور گھر کی بیبیاں بچوں سے طوطا مینا کے قصوں کے بجائے یہی روح پرور واقعات سناتیں، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روز اس قسم کے حالات بیان کرنے کے بعد فرمایا یہ گودیں ہیں جن میں ہم نے پرورش پائی، اب وہ گودیں دنیا میں کہاں سے آئیں گی۔

مولانا کی نانی بی بی امۃ الرحمٰن جو مولانا مظفر حسین رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی تھیں اور جن کو خاندان میں عام طور پر "امی بی" کے نام سے یاد کرتے تھے ایک رابعہ سیرت بی بی تھیں، آخر زمانہ میں ان کا یہ حال تھا کہ خود کھانا کبھی طلب نہیں فرماتی تھیں، کسی نے لا کر رکھ دیا تو کھالیا گھر بڑا تھا، اگر کام کی کثرت اور زیادتی مشغولیت کی وجہ سے خیال نہ آیا تو بھوکی بیٹھی رہتیں، ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ آپ ایسے ضعف کی حالت میں کیسے رہتی ہیں، فرمایا الحمد للہ میں تسبیحات سے غذا حاصل کر لیتی ہوں۔

خود مولانا کی والدہ محترمہ بڑی جید حافظہ تھیں، انھوں نے قرآن مجید شادی کے بعد حفظ کیا تھا اور ایسا اچھا یاد تھا کہ معمولی حافظ ان کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا تھا، معمول تھا کہ رمضان میں روزانہ پورا قرآن مجید اور دس پارے مزید پڑھ لیا کرتی تھیں، رواں اتنا تھا کہ گھر کے کام کاج اور انتظامات میں فرق نہ آتا بلکہ اہتمام تھا کہ تلاوت کے وقت ہاتھ سے کچھ نہ کچھ کام کرتی رہتیں، انھیں ایمان والی بی بی کے اعمال واخلاق اور طرز زندگی کا نتیجہ تھا کہ ان کی صحبت فیض اثر سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب جیسے بزرگ ہوئے جن سے مسلمان امت کو بڑا فائدہ پہونچا۔

موجودہ زمانے کے مشہور شاعر ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ جن کے اشعار ایمانی ذوق اور درد و سوز میں ڈوبے ہوئے ہیں، بہتوں نے اپنے انھیں اشعار سے امت مسلمہ کو نئی زندگی، نیا اعتماد اور درد و سوز عطا کیا ہے، اپنی ساری ترقیوں، بیداریوں، ایمانی ذوق اور درد و سوز کو اپنی والدہ کی تربیت اور ا[illegible] باطنی کا نتیجہ سمجھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میرے اندر ایمان و محبت کی جو چنگاری ہے وہ میری ماں کی تربیت کا نتیجہ ہے، مجھے جو کچھ ملا ان کی گود اور ان کی تربیت سے ملا، یہ دولت ایمان والی ماں کی آغوش تربیت سے ملتی ہے، کالجوں اور یونیورسٹیوں سے نہیں، وہ کہتے ہیں:-

مراوادایں خرد پرور جنونے نگاہ مادر پاک اندرونے
زمکتب چشم ودل نتواں گرفتن کہ مکتب نیست جز سحر وفونے(۱)

میری والدہ ماجدہ خیرالنساء صاحبہ

حضرت مولانا نے اپنی والدہ ماجدہ بی بی خیر النساء صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا کی مختصر سوانح "ذکر خیر" کے نام سے لکھی ہے، ذیل میں اس کے اہم حصے درج کئے جاتے ہیں، حضرت مولانا نے "اولیاء اللہ کی مائیں" کا عنوان حسن تجویز کیا ہے نہ کہ اپنے آپ کو ولی من اولیاء اللہ سمجھ کر انکا ذکر کیا ہے مگر میں راقم الحروف نے اس اضافہ کو ضروری سمجھا کیونکہ حضرت مرحومہ یقینا اپنے وقت کے ایک شیخ کامل کی والدہ تھیں اور ان کا ذکر اسی ضمن میں آنا چاہئے۔ (مرتب)

نانا صاحب کے دو صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں تھیں میرے (حضرت مولانا) بڑے ماموں صاحب کا نام سید احمد سعید تھا، چھوٹے مولوی حافظ سید عبید اللہ صاحب تھے، میری والدہ اپنی بہنوں میں چوتھے نمبر پر تھیں، ان سے تین بہنیں، بڑی اور ایک چھوٹی تھیں، جن کا انتقال نانا صاحب کی زندگی ہی میں زچگی ہی میں ہو گیا تھا، والدہ صاحبہ

(۱) ماخوذ: سالنامہ "رضوان" جنوری و فروری ۱۹۶۳ء

۱۸۷۸ء مطابق ۱۲۹۵ھ میں پیدا ہوئیں، نام خیر النساء رکھا گیا، والدہ صاحبہ نے کئی بار فرمایا، اور سب اس کی تصدیق کرتے ہیں، کہ نانا صاحب کو اپنی اولاد میں سب سے زیادہ انھیں سے محبت و مناسبت تھی، فرماتیں کہ جب کوئی اچھی کتاب آتی مجھے دیکھنے کو دیتے، اور مجھ سے تذکرہ کرتے کہ یہی ان کی سب سے بڑی خاطر اور محبت کی نشانی تھی، فرماتیں تھیں کہ میاں تہجد کے وقت جب کوٹھے سے اتر کر مسجد جانے لگتے تو میری آنکھ کھل جاتی اور میں اور منجھلی بہن صالحہ بی دونوں بی بی (والدہ) کے پاس کوٹھے پر چلے جاتے اور وہیں ان کے ساتھ نفلیں پڑھتے رہتے اور مشغول رہتے، ہماری دوسری بہنوں اور ہم جولیوں کو اس پر بڑا رشک آتا اور وہ بھی اس کی کوشش کرتیں، مگر اکثر آنکھ نہ کھلتی۔

والدہ صاحبہ کو کاڑھنے، بیل بوٹے بنانے (کشیدہ کاری) اور سلائی کے کام سے بھی فطری مناسبت تھی، اور وہ اس میں استادانہ مہارت رکھتی تھیں، ان کا دماغ شروع سے جدتیں پیدا کرنے اور نئی تراش خراش نکالنے اور نئے نئے تجربے کرنے کا عادی تھا، وہ ان تمام کاموں میں خاندان میں موجد اور ایک طرح کی مجتہد سمجھی جاتی تھیں، نانا صاحب کے مزاج میں بھی (بزرگی اور سادگی کے ساتھ) لطافت اور خوش مذاقی تھی، خوش وضع اور موزوں چیز ان کو پسند آتی تھی، اس لئے اکثر والدہ صاحبہ سے اس قسم کا کام لیتے، نانا صاحب کی ایک عبا جو وہ عید کے موقعہ پر زیب تن فرماتے تھے، ابھی تک ہمارے پاس موجود ہے، جس پر والدہ صاحبہ کے ہاتھ کا ریشمی کام ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑا استاد ابھی کام ختم کر کے اٹھا ہے۔

تعلیم و مطالعہ

خاندان میں لڑکیوں کی تعلیم کا بہت مخصوص اور محدود پیمانہ پر رواج تھا، لڑکیوں

کی زیادہ تعلیم اور نوشت و خواند کو پسند نہیں کیا جاتا تھا، تعلیم مذہبی کتابوں، مسئلہ مسائل کی واقفیت اور انتظام خانہ داری تک محدود تھی، علماء حق کی کتابیں جو اس خاندان کے مسلک اور عقیدہ سے مطابقت رکھتی تھیں، وہ ایک طرح سے نصاب میں داخل تھیں، میں نے جن کتابوں کا نام والدہ صاحبہ سے زیادہ سنا ہے، ان میں حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کی کتاب مالابد منہ، (عقائد و مسائل میں) راہ نجات حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی کی کتاب آثار قیامت پر "چہل حدیث" شاہ عبد القادر صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے ترجمۂ قرآن کے بارے میں مجھے یاد ہے۔

ابتدائی فارسی بھی پڑھائی جاتی تھی، لیکن لکھنے کی مشق کی زیادہ اہمیت افزائی نہیں کی جاتی تھی، بلکہ ایک درجہ میں اس کو پسند نہیں کیا جاتا تھا، اور بعض بزرگ اس بارے میں بہت سخت تھے، اور کہتے تھے، کہ لڑکیاں لکھنا سیکھ جائیں گی تو غیروں کو خط لکھیں گی، لیکن والدہ صاحبہ کو لکھنے کا اور لکھنے کی مشق کرنے کا غیر معمولی شوق تھا انھوں نے اپنے بڑے چچازاد بھائی مولوی سید خلیل الدین صاحب سے جو پورے خاندان کے ایک اتالیق کی حیثیت رکھتے تھے، اس کی اجازت چاہی انھوں نے ان کے تقاضے اور ان کے دینی حالات کو دیکھ کر اس کی بقدر ضرورت اجازت دی اور والدہ صاحبہ نے اپنے ماحول کے رواج اور اپنے خاندان کے معیار کے برخلاف اچھا خاصہ لکھنا سیکھ لیا، اور اس چیز نے ان کو اپنی تصنیف و تالیف کے کام میں بڑی مدد دی۔

جو کتابیں اس زمانہ میں زیادہ ان کے مطالعہ میں رہیں، اور جن کا ان کی زندگی میں اور ذہن پر گہرا اثر پڑا، ان میں قصص الانبیاء، مقاصد الصالحین، مآثر الصالحین، طی الفراسخ الی منازل البرازخ، طریق النجاۃ کا نام میں نے بار بار سنا ہے، کچھ عرصہ کے بعد تین کتابیں اور ان کے مطالعہ میں آئیں جن کا انھوں نے بہت اثر قبول کیا، ایک نواب

سید صدیق حسن خاں مرحوم کی کتاب الدہ والدواہ جس سے ان کو مختلف آیات قرآنی کے خواص اور اعمال قرآنی کا علم ہوا، اور انھوں نے ان میں سے بہت سی چیزوں کو اپنا معمول بنالیا، دوسری کتابؒ مجربات دیربی اس سے بھی انھوں نے بہت فائدہ اٹھایا، اور کام لیا، تیسرے تعبیر الرویا جس میں وہ تعبیریں منقول ہیں جو حضرت محمد ابن سیرین نے لوگوں کے خوابوں پر دیں، اور اس کے اصول بیان کئے ہیں، والدہ صاحبہ کو اس کتاب کا مطالعہ اپنے تجربے اور خداداد ملکہ کی بناء پر خوابوں کی تعبیر دینے سے بڑی مناسبت ہوگئی تھی، خاندان کے اکثر لوگ ان سے اپنے خوابوں کی تعبیر پوچھتے اور ان کی اکثر تعبیریں صحیح نکلتیں۔

اسی زمانے میں ایک نعمت عظمیٰ کی طرح ان کو ہاتف مرحوم کی ایک مناجات منظوم جس کا نام نعمت عظمیٰ ہے، مل گئی، اس کا ہر شعر اسمائے حسنیٰ میں سے کسی ایک اسم سے شروع ہوتا ہے، اور اس اسم کی مناسبت سے سب مضمون کی دعا اور مناجات ہوتی، معلوم نہیں یہ ہاتف کون تھے، اور ان کا پورا نام کیا تھا، لیکن ہمارے خاندان کے لئے یہ ہاتف غیبی ثابت ہوئے، ان کی یہ مقبول مناجات جس کے لفظ لفظ سے خلوص اور دعا کا سچا جذبہ ظاہر ہوتا ہے، خاندان کی عورتوں اور بچیوں اور بہت سے مردوں کا ورد اور وظیفہ بن گیا، اکثر لوگوں کو یہ زبانی یاد تھی، خاص طور پر جب کوئی فکر یا پریشانی کی بات ہوتی یا کوئی غم یا حزن وملال کا واقعہ پیش آتا تو یہ انفرادی یا اجتماعی طریقہ پر بڑے درد کے ساتھ پڑھی جاتی اور اس سے بڑی تسکین اور تقویت ہوتی۔

حفظ قرآن

مردوں میں تو حفظ کا رواج ہمارے خاندان میں شروع سے رہا ہے، اور ہر دور

میں بڑے بڑے جید حافظ ہوئے ہیں، لیکن عورتوں میں مجھے معلوم نہیں کہ اس دور سے پہلے کوئی حافظ تھا، معلوم نہیں کیا خاص محرک پیش آیا کہ اس طبقہ میں قرآن مجید حفظ کرنے کا شوق پیدا ہو گیا، میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ سب سے پہلے والدہ ہی کو شوق پیدا ہوا یا ان کی کسی اور بہن یا عزیزہ کو، لیکن ایک وقت میں میری والدہ ان کی منجھلی بہن صالحہ بی، ان کی بھانجی اور دو اور عزیز بہنوں نے قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا، ان میں سے ہر ایک نے اپنے کسی ایسے عزیز سے حفظ کرنا شروع کیا، جو ان کے حقیقی بھائی یا محرم تھے، چھوٹے ماموں سید عبید اللہ صاحب خود جید حافظ تھے، بہت صحیح اور عمدہ قرآن مجید پڑھتے تھے، والدہ صاحبہ نے انھیں سے حفظ کرنا شروع کیا، ان دونوں بھائی بہنوں میں بڑی محبت تھی، میں نے کم بھائی بہنوں کو ایسا ایک دوسرے کا جاں نثار پایا، جیسا یہ دونوں بھائی بہن تھے...... غالباً چار پانچ سال ہی چھٹائی بڑائی تھی، تین سال میں انھوں نے حفظ مکمل کر لیا، آگے پیچھے یہ سب بہنیں حافظ ہو گئیں، ان کے حقیقی بڑے چچازاد بھائی مولوی سید خلیل الدین صاحب اس سلسلے کی بڑی ہمت افزائی اور سرپرستی فرما رہے تھے، والدہ کہتی تھیں کہ بھائی جی مرحوم ہر ہفتہ ہم لوگوں کی دعوت کرتے تھے، اور جب حفظ مکمل ہوا تو انھوں نے ایک بڑی دعوت کی۔

رمضان کا معمول

کیا مبارک زمانہ تھا جب یہ سب تراویح میں ایک ایک پارہ پڑھتی تھیں، بعض علماء کے فتوے کے مطابق ان کی اپنی جماعت ہوتی تھی، جن میں عورت ہی امام اور عورتیں ہی مقتدی ہوتی تھیں، عشاء کے بعد سے سحری کے قریب تک یہ سلسلہ جاری

رہتا، یہ سب قرآن شریف بہت اچھا پڑھتی تھیں، مخارج نہایت صحیح تھے، اگر گستاخی نہ ہو تو کہوں کہ آج کے بہت سے فضلاءِ مدارس سے زیادہ صحیح اور اچھا پڑھتی تھیں، اندرونی جذبہ اور فطری ترنم اس پر مستزاد، مجھے یاد ہے کہ میں ایک مرتبہ چھپ کر دیر تک والدہ صاحبہ کا قرآن کھڑا سنتا رہا، وہ تراویح پڑھا رہی تھیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے بارش ہو رہی ہے، وہ لطف آج تک نہیں بھولتا، شادی ہو جانے کے بعد انھوں نے والد صاحب کو قرآن مجید سنایا، اور اس میں مزید جلا پیدا ہوئی، آخر عمر تک جب تک ان کا حافظہ کام دیتا تھا، وہ اپنے بھتیجے حافظ سید حبیب الرحمٰن صاحب سے ہمیشہ دور کرتی رہیں، آخر دن تک جب تک انھوں نے اپنے معمولات ادا کئے وہ مختلف سورتیں، مختلف رکوع اور آیات نہایت صحیح طریقہ پر اور ایک حد تک تجوید اور صحت مخارج کے ساتھ برابر پڑھتی رہیں۔

بے کلی و بے چینی اور دعا و مناجات کا ذوق

اب وہ دور آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی نعمت خاص سے نوازتا ہے، اور ان کو دعا و مناجات کی وہ دولت اور نسبت عطا فرماتا ہے، جو ان کی قبولیت و ترقی کا اصل زینہ اور ہزاروں سعادتوں اور نعمتوں کا ذریعہ اور سرچشمہ بنا اور جس کی مثال میں نے اس دور آخر میں صرف خاصانِ خدا اور اکابر و مشائخ میں دیکھی۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب خدا کا کسی پر فضل خاص ہونے والا ہوتا ہے اور خدا کسی کو اپنی طرف کھینچنا چاہتا ہے، تو کسی نہ کسی سبب سے اس کے اندر بے کلی اور بے چینی اور اضطراب و پریشانی پیدا کر دیتا ہے، ہزاروں سکون قربان اس بے چینی پر جو سب سے ہٹا کر

خدا کے آستانے پر کھڑا کر دے اور سب سے توڑ کر اس سے جوڑ دے اس ناکارہ اور گنہگار کو بہت سے بزرگان دین کی سوانح عمری اور حالات لکھنے کا اللہ نے موقعہ دیا اکثر دیکھا کہ جس پر عنایت خاص ہوتی اس کی زندگی میں بے چینی کا کوئی سبب پیدا کر کے اس کو سب کے بیچ میں سے اٹھا کر اپنا بنالیا، بہت سے بزرگوں کے حالات کی تبدیلی اور جذب و کشش کا ذریعہ یہی اضطراب بنا جس کو بہت سے لوگ "اختلاج" کے نام سے یاد کرتے ہیں، والدہ صاحبہ اکثر کہتی تھیں کہ "میں ایک مرتبہ قرآن شریف پڑھ رہی تھی، میں نے یہ آیت دیکھی:-

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ. (البقرہ-۱۸۶)	اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے مجھ کو سو میں تو قریب ہوں قبول کرتا ہوں دعا مانگنے والے کی دعا کو جب مجھ سے دعا مانگے تو چاہئے کہ وہ حکم مانیں میرا اور یقین لائیں مجھ پر تاکہ نیک راہ پر آئیں۔

بارہا یہ آیت پڑھی ہوگی، اور ممکن ہے کہ اس وقت تک حفظ بھی کر چکی ہوں، لیکن وقت کی بات اکدم سے آنکھیں کھل گئیں اور ایسا معلوم ہوا کہ کوئی کھوئی ہوئی چیز پالی اور کوئی نئی حقیقت دریافت کی، کہتی تھیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی نے دل پر لکھ دیا ہو اور کوئی چیز دل کی تہہ میں بیٹھ گئی ہو، بس کیا تھا جیسے کوئی خزانہ مل گیا ہو اور سارے قفلوں کی کنجی ہاتھ آگئی ہو، بس اسی کو مضبوط پکڑ لیا اور دانتوں سے داب لیا دعا کا ایسا ذوق پیدا ہوا کہ سارا وجود اس سے سرشار ہو گیا، ادھر اختلاج شروع ہوا، ایک بے کلی اور بے چینی سی ہر وقت رہنے لگی اپنی زندگی کا انجام، آئندہ کی فکر، خوش نصیبی اور کامیابی کا شوق ہر وقت دل و دماغ پر چھایا رہتا تھا۔

اس ہر وقت کی بے چینی اور اضطراب میں اگر کسی چیز سے تسکین ہوتی تو صرف دعا اور مناجات سے، یہی درد کی دوا، روح کی غذا اور زخم دل کا مرہم تھا، ایک اندرونی طاقت تھی، جو ان کو ہر وقت دعا اور مناجات میں مشغول رکھتی، خود ہی بے چین کرتی، پھر خود ہی سکون عطا کرتی، خود ہی دل کو زخمی کرتی پھر اس پر مرہم رکھتی، خود ہی رلاتی خود ہی آنسو پونچھتی، دعا کیے ہوئے، روئے ہوئے ذرا دیر گذرتی تو پھر پہلو میں چٹکی لیتی اور زخم دل کو جو ہرا تھا پھر ذرا سا چھیڑ دیتی پھر جب تک وہ دل کھول کر دعا نہ کر لیتیں ان کے بے چین دل کو تسکین نہ ہوتی۔

ان کو ہر دعا پر اعتماد اور اللہ تعالیٰ کی رحمت پر ناز بھی بہت تھا اچھے اچھے لوگوں میں میں نے دعا کا وہ ذوق اور دعا میں ایسا یقین نہیں دیکھا جیسا اپنی والدہ صاحبہ کی زندگی میں دیکھا ہے، ان کی زندگی اس حدیث کی تعمیل کا نمونہ تھی، جس میں کہا گیا ہے کہ "تمہاری ہانڈی کا نمک کم ہو جائے تو اس کو دعا ہی کے ذریعہ طلب کرو اور تمہاری جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اس کو بھی اللہ ہی سے مانگو"۔

ان کی ساری زندگی دعا اور مناجات میں گذری، ماثور دعائیں، منظوم مناجاتیں اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے ہر فکر و تردد کے موقع پر پڑھتی تھیں۔

بچپن سے ہم بھائی بہنوں کو اس کا عادی بنایا، مجھے یاد ہے کہ جب میں کچھ لکھنے پڑھنے کے قابل ہوا تو انھوں نے مجھ سے فرمایا:

"تم جب کچھ لکھا کرو تو بسم اللہ کے بعد سب سے پہلے یہ الفاظ لکھا کرو:۔

"اَللّٰھُمَّ اٰتِنِیْ بِفَضْلِكَ اَفْضَلَ مَاتُوْتِیْ عِبَادَكَ الصَّالِحِیْنَ:" (اے اللہ اپنے فضل سے مجھے وہ اعلیٰ سے اعلیٰ چیز عطا فرما جو تو اپنے نیک بندوں کو عطا کیا کرتا ہے ان کو ہر موقعہ کی اتنی

دعائیں اور مسنون وظائف یاد تھے، جو اس زمانے کے مدارس کے
اچھے اچھے فضلاء کو یاد نہ ہوں گے ان کا یہ شعر بالکل حسب حال اور
ان کے اصل ذوق کی ترجمانی کرتا ہے۔

تیرا شیوہ کرم ہے اور میری عادت گدائی کی
نہ ٹوٹے آس اے مولا! ترے در کے فقیروں کی

ان کے یہ شعر ان کی اضطراری کیفیت کو ظاہر کرتے ہیں، اور میں نے ان کو اکثر ملتزم اور مطاف میں پڑھا ہے، اور بڑا ذوق و فائدہ محسوس ہوا ہے۔

کونسا دربار ہے جس میں ہے ہر کوئی کھڑا — کونسی سرکار ہے جس کا ہے سب کو آسرا
کونسا در ہے نہ جس در سے کوئی خالی پھرا — کونسا وہ شاہ ہے جس کا ہے ہر کوئی گدا
آج اسی سرکار سے میں بھی تو پا کر شاد ہوں!
آج اسی دربار سے میں بھی تو خوش ہو کر پھروں!

دعا میں اللہ تعالیٰ ان سے وہ مضامین ادا کرواتا جو اہل یقین اور اہل قلوب کا خاصہ ہیں، طبیعت شروع سے موزوں بہت تھی، اس کے علاوہ مسنون دعاؤں اور بے تکلف عرض حال کے جو وہ تہجد میں اور فرض نمازوں کے بعد بالعموم کرتیں اکثر نظم میں بارگاہ الٰہی میں اپنا مدعا پیش کرتیں اور اپنے مالک کے سامنے فریاد کرتیں۔

یہ مناجاتیں درد و اثر سے لبریز ہوتیں، اور بہت جلد مقبول اور زبان زد ہو جاتیں اور خاندان میں بیبیاں اور بچیاں ان کو یاد کر لیتیں، اور پڑھتی تھیں، جس وقت یہ مناجاتیں پڑھی جاتیں، ایک سماں بندھ جاتا، اور دل امنڈ آتے، عرصہ ہوا ان کی مناجاتوں کا مجموعہ "باب رحمت" دیکھ کر ایک صاحب دل اور عارف نے کہا تھا کہ جس کے یہ اشعار ہیں، اس کو اپنے مالک پر ایک ناز اور اس کے ساتھ بندگی کا ایک خاص تعلق معلوم ہوتا ہے،

خود میرا یہ حال ہے کہ ان کے پڑھنے سے ایک خاص کیفیت، محسوس ہوتی ہے، اور طبیعت دعا کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔

والدہ صاحبہ نے خود اپنی ایک تصنیف میں اس زمانہ کی کیفیت بیان کی ہے، اس سے زیادہ ان کی صحیح اور اچھی ترجمانی نہیں ہو سکتی۔

"دعا گویا میری غذا تھی، بغیر دعا کئے مجھے سیری نہ ہوتی، دعا کی مشغولیت اتنی بڑھی کہ تمام مشاغل چھوٹ گئے، مگر بات بھی کرتی تو دعا کے ساتھ کرتی، کوئی گھڑی دعا سے خالی نہ گزرتی، جمعہ گویا روز عید تھا، اور فی الحقیقت عید کا دن بھی ہے، تمام دن دعا کرتی، خاص کر عصر سے غروب آفتاب تک تنہا بیٹھ کر دعا میں ایسی مشغول رہتی کہ کسی طرف آنکھ نہ اٹھاتی، مرغ کی ہر آواز پر اور ہر اذان کے ساتھ دعا کرتی، حتی الامکان کوئی وقت دعا کا ضائع نہ کرتی، اور کوئی بات نہ چھوڑتی ہر خوف سے امان مانگتی اور ہر خوبی کی طالب ہوتی، یہ اس مالک حقیقی کی رحمت وعنایت تھی کہ جو جو معاملات زندگی میں پیش آنے والے تھے، دعا کے وقت سب پیش نظر ہو جاتے، اور اس قدر جوش پیدا ہو جاتا کہ بے خودی ہو جاتی اور تمام جگہ آنسوؤں سے تر ہو جاتی، اور اس کی شان قدرت پر نظر کر کے تڑپ جاتی، جس طرح مرغ ذبح تڑپتا ہے، مگر بے خودی میں بھی دعا جاری رہتی ہے، اور ہر وقت اپنے قیافہ پر نفر کرتی اور کہتی۔

جو عیب قسمت کے ہیں مٹادے ترا ہی عالم میں نام ہوگا

سجدے سے سر ہرگز نہ اٹھاتی جب تک دل کو کچھ تسکین نہ

ہو جاتی، دعا کے بعد مجھے اس قدر تسکین ہوتی کہ گویا رحمت کے دروازے کھل گئے ہیں، اور میں خزانۂ رحمت لوٹ رہی ہوں کبھی خود بخود ہنسی آجاتی ہے اور کہتی ہے

کیوں نہ آئے رحم تجھ کو حال پر میرے رحیم تیری ہی رحمت تو ہے مونس میری، ہمدم مری
بیکسوں کا بس تو ہی مونس تو ہی غمخوار ہے تجھ سے کہہ کر کیوں نہ ہو بیتابیٔ دل کم مری
کب نہیں ہوگی خبر تجھ کو دل بیتاب کی آہ پہونچے گی تیرے دربار میں جس دم مری
سائلوں میں اک ترے دربار کے میں بھی تو ہوں کیوں رہے فریاد دل یوں درہم و برہم مری
کیوں نہ میں چاہوں کہ خود ہی چاہنے والا ہے تو کب گوارا ہے تجھے کہ چشم ہو پرنم مری

دعا کی محویت اور اس کا انہماک روز بروز بڑھتا جاتا تھا اور اس میں ان کو عجیب لذت و سرور، جوش و خروش اور سرشاری کی کیفیت محسوس ہوتی تھی، اسی زمانہ میں ان کی موزوں طبیعت اور جذب دل نے اس کو نظم کا قالب بھی عطا کیا اور وہ اپنے دلی جذبات کو اشعار میں ادا کر کے اپنے دل کو تسکین دینے لگیں، فرماتی ہیں:

"اس مالک حقیقی کو میری گریہ وزاری کچھ ایسی پسند آگئی کہ جو کچھ دیتا رولا کر دیتا مگر سب سے بہتر دیتا، ایک سال متواتر یہ مشغولیت رہی اس سے ایسی دلچسپی ہوگئی کہ دعا سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہ ہوتی، تمام خوبیاں ہیچ ہو جاتیں، دعا کی اتنی عادی ہوگئی تھی کہ اکثر نماز میں بجائے سورہ کے دعا مانگنے لگتی اور کاموں کا کیا ذکر، اس مالک حقیقی نے دعا سے ایسی دلچسپی پیدا کردی تھی، کہ بغیر دعا کے مجھے آرام نہ ہوتا، جب نماز اور دعا سے فارغ ہوتی تو حزب الاعظم کا ورد کرتی، اور بار بار دہراتی اور طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک

دعا سے غافل نہ رہتی، زبان سے بھی ادا کرتی اور قلم سے بھی لکھتی، دل اس طرف ایسا مائل تھا کہ خود بخود ایسے اشعار منہ سے نکلتے گویا اصلاح کئے ہوئے ہیں، نہایت گریہ وزاری کے ساتھ اشعار پڑھتی اور روتی اس مالک حقیقی کی قدرت ورحمت پر اس قدر بھروسہ تھا کہ قسمت کو ہیچ سمجھتی اور اسے صاحب تدبیر سمجھ کر ہر وقت ناز کرتی، اور تمام مشکلوں کو آسان سمجھتی، وہ وہ خواہشیں ظاہر کرتی جو میری قسمت سے بعید اور دشوار تھیں، مگر اس کی شان کبریائی پر نظر کر کے کہتی۔

ذرہ کو گر چاہے تو ہی پل میں کرے رشک قمر
تیری صفت یہ دیکھ کر کیوں حوصلہ میرا ہو کم

اس کی عنایت وشفقت پر مجھے اس قدر ناز تھا کہ یہ کہتی تھی "یاارحم الراحمین! اگر تو مجھے میری کوشش میں کامیاب نہیں کرے گا تو ایسی چیخ ماروں گی کہ آسمان وزمین ہل جائیں گے اور تیرے در سے ہرگز سر نہ اٹھاؤں گی"۔

نہ اٹھوں گی میں اس در سے کوئی مجھ کو اٹھا دیکھے
مجھے ہے آرزو جس کی اٹھوں گی میں وہی لے کر

یہ اسکی محبت اور عنایت ورحمت تھی کہ اتنی بڑی سرکار میں مجھے ایسا ڈھیٹ کر دیا تھا اور بے حجاب کہ میں کہتی اور کہکر اپنی بات پر اڑ جاتی اور اتنا بڑا بادشاہ مالک الملک ہو کر مجھ ادنیٰ فقیر کی ناز برداری کرتا۔

یہ شان دیکھی تری نرالی جو مانگے تجھ سے تو اس سے راضی
بلا کے دینا کرم ہے تیرا، یہ فضل بھی ہے، کمال بھی ہے۔

شادی

والدہ صاحبہ کی عمر شادی کی ہو گئی تھی، اور ان کی کئی ہم سن بہنوں اور عزیزوں کی شادیاں بھی ہو گئی تھیں، لیکن ان کی شادی کے بارے میں والدین ابھی کوئی فیصلہ نہ کر سکے تھے، رشتہ گھر ہی میں موجود تھا، حقیقی چھوٹے چچازاد بھائی سے حقیقی بہن منسوب تھیں، جو بڑی سے چھوٹی تھیں، ایک لڑکا اور ایک لڑکی چھوڑ کر انھوں نے جوانی میں انتقال کیا اب دوسری بہن (والدہ صاحبہ) کا پیام دیا گیا، چچا کے اس گھر میں ہر طرح کی دنیاوی وجاہت، معقول جائداد اور دنیاوی فراغت کے اسباب موجود تھے، مگر کوئی خاص دینی ذوق اور اعلیٰ دینی تعلیم نہ تھی، سارے اسباب و قرائن اس بات کے حق میں تھے کہ یہ رشتہ ہو جائے کہ یہ گھر ہی کے گھر کی بات تھی کہیں دور جانا نہ تھا، جائداد اور انتظام بھی مشترک تھا، اور ایک ہی گھر میں بود و باش بھی تھی، نانی صاحبہ بھی اس کی بڑی مؤید اور محرک تھیں، لیکن خدا کو کچھ اور منظور تھا، اس اثناء میں ایک لطیفۂ غیبی ظاہر ہوا۔

میرے والد ماجد مولانا حکیم سید عبد الحی رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی شادی ۱۳۰۹ھ میں اپنی حقیقی ماموں زاد بہن سے ہنسوہ ضلع فتحپور میں ہوئی تھی، طرفین میں نہایت محبت و موافقت تھی، ۱۳۱۹ھ میں ان کا لکھنؤ میں اچانک انتقال ہو گیا، اپنے پیچھے صرف ایک یادگار چھوڑی، میرے بڑے بھائی مولوی حکیم سید عبد العلی صاحب مرحوم جو اس وقت صرف ۹ سال کے تھے، والد صاحب پر اس اچانک حادثہ کا ایسا اثر ہوا کہ باوجود اس کے کہ ابھی ان کی صرف تینتیس سال کی عمر تھی، انھوں نے دوسری شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا، میرے بڑے دادا صاحب مولوی حکیم سید فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ اور میرے نانا صاحب دونوں حضرت مولانا سید خواجہ احمد صاحب نصیر آبادی کے سلسلہ میں مجاز اور قرابتوں اور

خاندانی رشتوں کے علاوہ پیر بھائی بھی تھے، اور آپس میں نہایت اتحاد والفت تھی، اس حادثہ کے بعد ان کے دل میں اس بات کا شدید تقاضا پیدا ہوا کہ والد صاحب کی دوسری شادی حضرت شاہ ضیاء النبی صاحب کی ان صاحبزادی سے ہو جائے (میری والدہ) جو شادی کے قابل تھیں، اور جو اپنی دینداری، سلیقہ مندی اور پڑھنے لکھنے کے ذوق کی وجہ سے دادا صاحب کو نہایت عزیز تھیں۔

لیکن والد صاحب کی طبیعت شادی کی طرف راغب نہ تھی، اور ان کی طرف سے انتہائی سعادت مندی کے باوجود اس معاملہ میں خاموشی تھی، مجھ سے ان کے ایک نہایت بے تکلف اور عزیز دوست منشی عبد الغنی صاحب مرحوم نے یہ واقعہ سنایا کہ میں ایک مرتبہ رائے بریلی گیا، حکیم صاحبؒ کے والد مولانا فخر الدین صاحب نے مجھ سے بڑے درد سے کہا کہ کیا ہماری ڈیوڑھی اب بے چراغ رہے گی؟ سید (۱) شادی نہیں کرنا چاہتے، ہمارے بعد اس گھر میں کوئی چراغ جلانے والا بھی نہ ہوگا، تم سید کو اس پر راضی کرو، میں نے لکھنؤ آکر مولوی صاحب سے کہا کہ آپ کے والد صاحب کی بڑی خواہش اور تمنا ہے کہ آپ دوسری شادی کرلیں اگر آپ نے انکار کیا تو ان کی ناراضگی کا ڈر ہے، آخر کار والد صاحب باپ کی اطاعت اور تعمیل حکم کے خیال سے راضی ہوگئے اور نانا صاحب کے یہاں پیغام بھیج دیا گیا۔

یہاں پر اس بات کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ جس طرح خاندان میں ہمارے نانا صاحب کا گھر سب سے زیادہ کھاتا پیتا اور خوش حال، باوجاہت تھا، ہمارے دادا صاحب کے یہاں اسی قدر اس چیز کی کمی تھی، یہاں کوئی جائداد اور زمینداری عرصہ سے نہ تھی، خاندان کی اس شاخ میں بہت اوپر سے علم دین کا سلسلہ چلا آرہا تھا، اور یہ مولویوں

---

(۱) خاندان میں میرے والد صاحب کا یہی عرف تھا۔

کا گھرانہ مشہور تھا، یہاں جائداد کے بجائے کچھ کتابوں کا ذخیرہ اور دینی علم نَسْلاً بَعْدَ نَسْلٍ منتقل ہوتا رہا، اور یہی اس کی سب سے بڑی جائداد تھی، اس دور میں خاص طور پر گھر میں ایک طرح کی تنگی اور عسرت تھی، دادا صاحب حاذق طبیب، بڑے فاضل اور مصنف تھے، لیکن طبیعت میں بے نیازی اور خودداری بہت تھی، کبھی معاش کی طرف پوری توجہ نہیں فرمائی، گھر میں کسی کسی وقت فاقہ ہو جانا بھی کوئی بڑی بات نہ تھی۔

والد صاحب مرحوم نظامت ندوۃ العلماء میں پہلے تیس چالیس روپے ماہوار کے ملازم تھے، پھر اس کو بھی ترک کر دیا، ایسی حالت میں جب یہ پیام پہونچا تو میری نانی صاحبہ کو اس کے قبول کرنے میں بڑا تردد ہوا، عورتیں ان معاملات میں زیادہ دور بین اور حساس ہوتی ہیں، گھر سے گھر ملا ہوا تھا، وہ گھر کی حالت سے واقف تھیں، پہلے رشتہ کے مقابلہ میں اس کو ترجیح دینا ان کے سمجھ میں نہ آیا، جان بوجھ کر بیٹی کو تکلیف میں ڈالنا ان کے نزدیک کوئی عقلمندی کی بات نہ تھی، لیکن نانا صاحب کو والد صاحب کے ساتھ بڑی محبت تھی، والد صاحب نے ان سے روحانی استفادہ بھی کیا تھا، اور وہ ان کی علمیت اور صلاحیت سے بھی واقف تھے، پیام آتے ہی وہ کھل گئے، اور گویا ان کی مراد پوری ہوئی، نانی صاحبہ سے انھوں نے صاف کہہ دیا کہ سید جوان، صالح، عالم اور ہونہار ہے، میں ان پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا، میرے نزدیک غربت اور امارت کی کوئی اہمیت نہیں ہے، اصل دیکھنے کی چیز صلاحیت اور علم ہے۔

خود والدہ صاحبہ کی زبان سے اسکو سنئے، اپنے رسالہ ''الدعاء والقدر'' میں لکھتی ہیں:

''جس طرف سے زیادہ کوششیں تھیں وہ میرے چچا کا گھر تھا،
دو بہنیں میری اس گھر میں منسوب ہو چکی تھی، یہ گھر ایک مدت سے
سرسبز اور آباد تھا، دنیاوی اعتبار سے ہر خوبی میں بے مثال تھا، مال

ودولت، عزت، شرم وحیا، صورت وسیرت، غرض اس سے بہتر کوئی گھر نہ تھا، یہ ہمارے لئے باعث فخر سمجھا جاتا تھا، والدۂ مرحومہ کی دلی خواہش اسی طرف تھی، اپنے حقیقی بھائی کے گھر پر اس کو ترجیح دیتیں، اور مجھے بھی یہ گھر عزیز تھا، تمام باتیں میرے موافق تھیں، مگر والد مرحوم کا خیال تھا کہ مفلس ہو مگر متقی اور پرہیزگار ہو، یہ خوبی یہاں نہیں پائی جاتی تھی"۔

اس کشمکش اور ترددوانتظار کے زمانہ میں والدہ صاحبہ نے جن کو اس زمانہ میں خوابوں سے بڑی مناسبت تھی کئی ایسے خواب دیکھے جن میں والد صاحب کے گھر کی طرف اشارہ تھا اور یہ کہ اگر یہ دونوں گھر مل گئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص عنایتیں ہوں گی، اسی کے آگے پیچھے ایک نہایت بشارت آمیز خواب دیکھا، جس سے وہ زندگی بھر تسکین حاصل کرتی رہیں، جب وہ اس کا تذکرہ کرتیں تو ان پر ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی وہ لکھتی ہیں:۔

"ایک رات کو میں نے خواب دیکھا کہ خاص اس مالک کریم، رحمٰن ورحیم کی عنایت ومہربانی سے ایک آیۂ کریمہ مجھے حاصل ہوئی، صبح تک وہ زبان پر جاری تھی، مگر کچھ خوف ایسا تھا کہ میں بیان نہ کر سکی، منہ سے نکلنا دشوار تھا اور اس کے معنی بھی مجھے معلوم نہ تھے، جب معنوں پر غور کیا تو خوشی سے پھول گئی اور تمام فکر غم بھول گئی، اپنی اس خوش نصیبی پر فخر کیا اور اس خواب کو بیان کیا ہر شخص سن کر رشک کرتا، اور والد مرحوم خوشی میں رونے لگے، وہ آیت کریمہ یہ ہے

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ. (السجدہ-۱۷)	سو کسی کو معلوم نہیں جو چھپا دھرا ہے، ان کے واسطے آنکھوں کی ٹھنڈک بدلہ اس کا جو کرتے تھے"۔

بالآخر نانا صاحب کا فیصلہ اور ارادہ غالب رہا اور ۱۹۰۴ء مطابق ۱۳۲۲ھ میں بخیر وخوبی یہ رشتہ ہو گیا، دادا صاحب اس رشتہ سے باغ باغ اور اپنے انتخاب پر مطمئن اور مسرور تھے، والدہ صاحبہ کے آتے ہی انھوں نے گھر کا سارا انتظام اور والد صاحب کی دو چھوٹی بہنوں کو جو دوسری والدہ سے تھیں، والدہ صاحبہ کے حوالہ کر دیا، اور خود وہ اور دادی صاحبہ مرحومہ گھر اور بچوں کی طرف سے بالکل فارغ اور سبک دوش ہو گئے۔

خیر و برکت کا نزول

والدہ صاحبہ اپنے نئے گھر میں آئیں تو اس کا انھوں نے وہی نقشہ دیکھا جس کو وہ سنا کرتی تھیں، تنگی ترشی کا زمانہ، کبھی فراغت کبھی فاقہ، گھر میں کئی کھانے والے اور دادا صاحب کی آمدنی برائے نام، ادھر نانی صاحبہ اپنی شفقت کی بناء پر اس ٹوہ میں رہتی تھیں کہ بیٹی کو کچھ تکلیف تو نہیں ہے کبھی کسی ماما کو بھیجتیں کہ گھر میں کچھ پک رہا ہے، یا نہیں؟ والدہ صاحبہ نے کئی بار سنایا کہ جب میں کسی کو اپنے میکہ سے آتے دیکھتی تو چولھے پر ہانڈی رکھ دیتی اور آگ جلا دیتی تاکہ یہ معلوم ہو کہ کھانا پک رہا ہے، حالانکہ اس میں پانی کے سوا کچھ نہ ہوتا بعض اوقات نانی صاحبہ اپنی فراست سے تاڑ لیتیں اور کھانے کا خوان لگا کر بھیج دیتیں۔

کچھ ہی عرصہ کے بعد والد صاحب نے مطب شروع کرنے کا ارداہ کیا، والدہ صاحبہ کہتی تھیں کہ مجھ سے مشورہ لیا، میں نے اس کی بڑی تائید کی، اور مطب کا سلسلہ شروع ہو گیا، مطب شروع ہوتے ہی وہ پریشانی دور ہو گئی، آمدنی کا سلسلہ شروع ہوا اور بہت جلد اتنی برکت اور ترقی ہوئی کہ گھر کا نقشہ ہی بدل گیا، گھر جس کا بڑا حصہ خام تھا، والدہ صاحبہ کی بلند ہمتی اور زندہ دلی سے اس کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا، اور رفتہ رفتہ ایک پختہ

حویلی بن گئی دونوں بہنوں اور بھائی صاحب (۱) کو اس طرح اپنی تربیت اور شفقت میں لیا کہ وہ ماں کو بھول گئے اور ساری عمر ان سب نے انھیں کو ماں سمجھا، جس گھر میں خود گھر والوں کو کبھی کبھی فاقہ کرنا پڑتا تھا، اب وہاں ہر گھر سے زیادہ مہمانوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، رائے بریلی اور لکھنؤ میں اپنے پرایوں اور قریب و دور کے مہمانوں کا ملجا و ماویٰ بن گیا۔

اپنے اس گھر کا نقشہ اور اس کی خصوصیات اور تھوڑے عرصہ میں یہاں جو تبدیلی ہوئی اس کا ذکر خود انھوں نے اپنی تحریر میں کیا ہے، اور وہ انھیں کی زبان سے سننے کے قابل ہے، اس سے ان کے حقیقی جذبات اور ان کے ذوق اور رغبت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

"بیشک اس گھر میں دولت نہیں تھی، مگر وہ خوبیاں تھیں جن پر تمام دولت نثار کردی جائے ایک علم ایسی چیز ہے جس کو حاصل کرنے کے لئے دولت ختم کردی جائے، جب بھی یہ دولت کم نصیب ہوتی ہے، پھر علم کے ساتھ ہزاروں خوبیاں موجود تھیں، دولت وہ چیز ہے، جس کے ساتھ ہزاروں جھگڑے ہوتے ہیں، اس مالک حقیقی نے دولت مندوں سے زیادہ مجھے عزت دی اور وہ مہربانیاں اور عنایات مجھ پر کیں جن کا اظہار کرنا امکان سے باہر ہے، اس قلیل آمدنی میں وہ کام کروائے، جو دولت مند نہیں کرسکتے، وہ ضرورتیں پوری کیں جو کسی وقت میں نہ پوری ہوسکتیں، گھر کا نصف درجہ ایک مدت سے نامکمل پڑا تھا بہتوں نے کوشش کی مگر کسی کو کامیابی نہ ہوئی علاوہ اس کے شادی وغیرہ کی کوئی صورت نہیں تھی، رسم و رواج بھی ضروری اٹھا دیئے گئے تھے، ایک معمولی طریقہ سے

---

(۱) ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب۔

گذر ہو رہا تھا یہاں میں اپنی خصوصیت نہیں بیان کرتی بلکہ اس مالک حقیقی کی قدرت اور دعا کی عظمت و برکت دکھاتی ہوں یہ کہ چند ہی روز میں یہ گھر قابل رشک ہو گیا، نہ وہ گھر رہا نہ وہ تنگی، تمام ضرورتیں نہایت فراغت اور خوبی کے ساتھ پوری ہوتی گئیں، نصف حصہ کیا ایک اچھی خاصی شاندار عمارت تیار ہو گئی جس گھر میں بجز فکر کے اور کچھ نہ تھا، اس گھر کو مالک حقیقی نے مال، اولاد اور تمام خوبیوں سے بھر دیا، اور ہر حالت قابلِ اطمینان ہو گئی، اس مالک حقیقی کی کچھ ایسی رحمتیں اور برکتیں مجھ پر متواتر نازل ہوئیں گویا رحمت کے دروازے کھل گئے، گھر جنت کا نمونہ بن گیا، تمام امیدیں سرسبز ہو گئیں، خیالات جو پست ہو رہے تھے، ایسے وسیع ہوئے کہ دور تک کی سوجھنے لگی، ہم کو اپنی ضرورتیں پوری کرنا دشوار تھا، اس کے فضل سے دوسروں کی ضرورتیں ہم سے پوری ہونے لگیں، پہلے ایک ماہ اطمینان سے نہ گزرتا تھا، اب برسوں مہمانوں سے دستر خوان خالی نہ ہوتا، اس کی عنایت سے تمام نعمتیں موجود ہو گئیں، ہر طرح کا آرام نہ کچھ فکر نہ کوئی اندیشہ"۔

آگے چل کر لکھتی ہیں:

"یہ گھر میرے لئے جنت، اور یہ خدمت میرے لئے رحمت تھی، گویا میں سایۂ رحمت میں آگئی، نہ کوئی فکر رہی نہ غم، ہر گھڑی شکر میں گذرنے لگی۔

کس زباں سے کروں میں شکر ادا تیرے انعام ولطف بے حد کا
تو نے مجھ کو کیا بنی آدم اشرف الخلق اکرم العالم(۱)

صبر وشکر کی زندگی اور معمولات کی پابندی

۱۳۲۶ھ (۱۹۰۸ء) ہمارے گھر کے لئے بلکہ خاندان کے لئے عام الحزن (غم کا سال) تھا، اسی میں ایک سال کے اندر اندر تقریباً دو مہینے کے وقفہ سے دادا صاحب اور ناناصاحب دونوں نے انتقال کیا، اس طرح میرے والد صاحب، اور میری والدہ صاحبہ دونوں کو ایک ہی طرح کا صدمہ پیش آیا، اور دونوں صحیح معنی میں ایک دوسرے کے شریک غم تھے، الحمد للہ کہ دونوں اس رشتہ کی کامیابی اور اس گھر کی ترقی وبرکت دیکھ کر دنیا سے رخصت ہوئے۔

اب والدہ صاحبہ کا قیام زیادہ تر لکھنؤ رہنے لگا، انتظام خانہ داری کی ساری ذمہ داری ان پر تھی، مہمانوں کا وسیع سلسلہ تھا، خاندان کے کئی بچے تعلیم کے سلسلے میں مستقل طور پر مقیم رہتے تھے، بھائی صاحب تعلیم حاصل کر رہے تھے، مختلف مہمانوں اور خاص طور پر عزیزوں کی خاطر داری اور ان کی حیثیتوں اور مزاجوں کی رعایت، سب کے حقوق کی ادائیگی بڑا نازک اور مشکل کام تھا، والدہ صاحبہ کی زندگی اس دور میں اس ایثار وقربانی کا نمونہ تھی، جو ہندوستانی عورتوں کا طرۂ امتیاز اور دین دار وتربیت یافتہ مسلمان بیبیوں کا شعار ہے وہ والد صاحب کی اجازت کے بغیر باوجود اس کے کہ انھوں ان کو گھر کا مالک بنا رکھا تھا، ان کی چیزوں میں بلا اجازت تصرف کرنا قریب قریب ناجائز سمجھتی

---

(۱) الدعاء والقدر، ص ۳۰-۳۱

تھیں، گھر میں موسم کے جو پھل اور باہر سے جو تحائف آتے جب تک والد صاحب کی اجازت اور صراحت نہ ہوتی وہ اپنے بھانجوں، بھتیجوں کو تو کیا اپنی اولاد کو بھی دینا گناہ سمجھتی تھی۔

والد صاحب کے تعلقات بہت وسیع تو نہ تھے، مگر بہت منتخب لوگوں سے تھے، زیادہ تر یہ وہ لوگ تھے، جن کا ان کے شیخ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ سے تعلق تھا، ان میں بھی بہت سی خصوصیتوں کی بناء پر نواب سید صدیق حسن خاں بہادر رئیس بھوپال کے بڑے صاحبزادے نواب سید نورالحسن خاں مرحوم سے بہت گہرے اور مخلصانہ تعلقات تھے، ان کو والد صاحب سے ایسا تعلق تھا کہ ان کے بغیر ان کو چین ہی نہیں آتا تھا، اس خصوصی تعلق کی بناء پر والدہ صاحبہ اور ہمارے سب گھر والوں کا ان کی کوٹھی پر بار بار جانا ہوتا تھا، تقریب بلا تقریب کوئی مہینہ مشکل سے ایسا گزرتا تھا کہ کسی نہ کسی بہانہ سے ان کی بیگم صاحبہ بلاتیں، اور دن دن بھر رہنا ہوتا، لیکن اس خلاملا کے باوجود والدہ صاحبہ نے اپنا رکھ رکھاؤ اور اپنا طرز ویسے ہی قائم رکھا جیسا ان کے خاندان میں چلا آرہا تھا، ان کی سادگی، خلوت پسندی، قناعت اور دنیا سے بے رغبتی میں سرمو فرق نہیں آیا۔

نواب صاحب مرحوم کے علاوہ والد صاحب کے چند اور مخلص دوست تھے، جن کے یہاں آمد و رفت رہتی تھی، یہ دین دار باخدا اور نہایت مخلص احباب تھے، اور ان سب کا تعلق مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ یا مولانا محمد نعیم فرنگی محلیؒ سے تھا، جو والد صاحب کے محبوب ترین استاد تھے، یا ان سے کوئی خاص علمی و دینی رشتہ تھا، ایک منشی محمد خلیل صاحب دوسرے منشی رحمت اللہ صاحب تیسرے حاجی شاہ محمد خاں صاحب اور چوتھے شیخ محمد عرب صاحب جو والد صاحب مرحوم کے استاذ اور استاذ زادہ تھے، زیادہ تر

والدہ صاحبہ کا تقریبات اور بلاوے پر انھیں چند گھروں میں آنا جانا تھا۔

اس پورے عرصہ میں جس میں زندگی اور خاندان میں بہت سے نشیب و فراز آئے، متعدد اولادیں ہوئیں، خوشیاں بھی اور پریشانیاں بھی پیش آئیں، ان کے معمولات دعا کا شغف قرآن مجید کا دور برابر قائم رہا، رمضان المبارک میں قرآن مجید کا دور اور بعض اوقات اس کا تراویح میں ختم کرنے کا سلسلہ بھی تھا، بھائی صاحب کو والدہ صاحبہ سے اس وقت بھی انس تھا، جب ان کی والدہ حیات تھی، اور بعد میں تو انھوں نے ان میں اور اپنی ماں میں فرق نہیں سمجھا اور انھوں نے بھی ان کو ہمیشہ اپنی اولاد پر ترجیح دی، والد صاحب کی دونوں بہنوں اور بھائی صاحب کی شادی بڑے شوق، خوش سلیقگی، اور حُسنِ انتظام سے کی۔

صدمۂ جانکاہ اور تسلیم و رضا کی زندگی

غرض یہ زمانہ ہر طرح سے فرحت و مسرت اور خیر و برکت کے ساتھ گذر رہا تھا کہ اچانک ۵/ جمادی الآخر ۱۳۴۱ھ (۲/ فروری ۱۹۲۳ء) کو والد صاحب کے انتقال کا واقعہ پیش آیا، پہلے سے طبیعت کچھ ناساز نہ تھی، میرے چچا مولوی سید عزیز الرحمٰن صاحب کو کچھ چوٹ آگئی تھی، والد صاحب نے والدہ صاحبہ کو ان کی عیادت کے لئے ان کے یہاں بھیج دیا، مغرب کے بعد تک کام کیا، لوگوں سے ملاقاتیں کیں ندوہ کے کاغذات پر دستخط کئے، پھر اچانک مرض موت پیش آگیا اور گھنٹہ دو گھنٹہ میں اپنے پیدا کرنے والے سے جا ملے۔

مجھے خوب یاد ہے میری عمر اس وقت نو سال کی تھی، میں ہی والدہ صاحبہ کو لینے

گیا، جب وہ آئیں، اور ان کو واقعہ کی اطلاع ہوئی تو وہ سجدہ میں گر گئیں، جو ہونا تھا، وہ ہو چکا تھا، خود ان کی زبان سے اس صدمہ اور اس پر صبر و رضا کا حال سنئے :-

"جب خدمت کی مدت ختم ہونے کو آئی تو اس مالک حقیقی نے میرے حق میں بہتر سمجھ کر قسمت کا بہانہ پیش کر دیا، قسمت نے حکم ایزدی پاکر فوراً ہی فیصلہ کر دیا، میں اپنے مالک حقیقی کی رضا پر راضی ہو گئی مگر یہ غم جدائی ایسا نہ تھا کہ برداشت کر لیتی، یہ بھی اس کی رحمت اور حکمت تھی، جو مجھے اپنی خوشی پر راضی رکھا ورنہ جو بھی حالت ہو جاتی کم تھی، ایسے مونس و رفیق کا یک بیک نظر سے غائب ہو جانا قیامت سے کم نہ تھا، میں نہیں کہہ سکتی کہ یہ دل پھر دل کی صورت میں کیوں کر رہ گیا، بس یہ کہنا چاہئے کہ یہ حکم میرے لئے ہلاکت و مصیبت نہیں تھا، بلکہ سراسر رحمت اور ذریعۂ عنایت تھا کہ بجائے ہلاکت و بربادی کے مجھے اپنے سایۂ رحمت میں لے لیا، اور میرا سچا مونس و غمخوار و مددگار ہو کر ہر موقعہ پر ساتھ دینے لگا۔

سبحان اللہ کیا شانِ رحمت ہے اس کی، اٹھی غم کی گھٹا، اور رحمت ہو کر برس گئی جس سے تمام کھیتی سرسبز و شاداب ہو گئی(۱)"۔

اس وقت لکھنؤ کے گھر میں مردوں میں میں ہی تھا، وہ بھی نو دس برس کی عمر، بھائی صاحبِ میڈیکل کالج لکھنؤ کی طرف سے (جہاں وہ تعلیم پا رہے تھے) طلبہ کی ایک جماعت کے ساتھ مدراس گئے ہوئے تھے، جہاں ڈاکٹری کا کوئی ایسا شعبہ تھا، جو اس وقت تک لکھنؤ میں قائم نہیں ہوا تھا، بڑوں میں میرے والد صاحب کے حقیقی پھوپھی زاد بھائی

---

(۱) "الدعاء والقدر" ص: ۳۴-۳۵۔

مولوی سید عزیز الرحمٰن صاحب ندوی بھی لکھنؤ میں تھے مگر بیمار۔

اگلے دن (۳؍ فروری ۱۹۲۳ء) ۱۶؍ جمادی الآخرہ ۱۳۴۱ھ کو ہمارا چھوٹا سا سوگوار قافلہ اپنے وطن رائے بریلی کو روانہ ہوا جہاں والد صاحب کی تدفین اپنے خاندانی بزرگوں کے پہلو میں ہونی قرار پائی تھی لکھنؤ سے بظاہر ہم لوگ ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہے تھے، باپ کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا، بھائی پردیس میں تھے، والد صاحب نے ترکہ میں صرف ایک روپیہ نقد چھوڑا تھا، جو ان کے دواؤں کے صندوقچہ میں کہیں پڑا ہوا تھا، اور برسوں پڑا رہا، بشکل قرض کچھ فیسیں اٹاوہ کے ایک راجہ کے ذمہ تھیں، گھر میں شروع سے نہ کوئی جائداد تھی نہ جاگیر، روز کی آمدنی روز کا خرچ، پس انداز کرنے کا والد صاحب کا معمول نہ تھا، بھائی صاحب کی تعلیم ابھی نامکمل تھی، اور غالباً دو سال باقی تھے، مجھے اب یاد نہیں کہ ابتدائی زمانہ کس طرح گذارا، ہاں ہمارے ماموں نہایت شفیق اور والدہ صاحبہ کے جاں نثار بھائی تھے، لیکن والدہ نے اپنی فطری ہمت اور اولوالعزمی سے ہم لوگوں کو محسوس نہ ہونے دیا کہ ہم لوگ یتیم ہو گئے ہیں اور اب پہلی سی حالت نہیں رہی۔

غالباً ہفتہ عشرہ کے بعد بھائی صاحب (جن کو حادثہ کا علم ایک عجیب طریقہ سے بمبئی میں ہوا) اچانک رائے بریلی پہونچے، وہ منظر ابھی تک آنکھوں کے سامنے ہے، والد صاحب کی قبر پر پہونچ کر ان کا بیقراری سے رونا چشم تصور کے سامنے گویا کل کی بات ہے، پھر گھر آئے ماں بہنوں سے ملے اللہ تعالیٰ کی ہزار رحمتیں ہوں ان کی روح پر کہ پھر انھوں نے ایک لمحہ کے لئے محسوس نہ ہونے دیا کہ ہم لوگ باپ کے سایۂ سے محروم ہو گئے ہیں، وہ دن اور ان کے دنیا سے کوچ کرنے کا دن کہ انھوں نے باپ کی طرح شفقت فرماں بردار اولاد کی طرح خدمت اور ناز بردار بھائی کی طرح محبت کی، والدہ اور ہم سب بھائی بہنوں کے ساتھ ان کی سعادت مندی اور محبت پہلے سے کہیں بڑھ گئی، یہ

ایک پوری کہانی ہے، جس کے سنانے کا موقعہ والدہ صاحبہ کے تذکرہ میں نہیں، بھائی صاحب کا تذکرہ اور ان کی تاریخ ہے، جب کبھی خدا توفیق دے گا یہ کہانی بھی سنائی جائے گی(۱)۔

وظیفۂ زندگی

رائے بریلی میں عدت کی مدت میں بھی اور اس کے بعد بھی والدہ صاحبہ کے دو ہی مشغلے تھے، ایک دینی کتابوں کا سننا جن کے پڑھنے کی سعادت اکثر مجھے حاصل ہوتی تھی، دوسرے ان کی زندگی بھر کا وظیفہ دعا اور عبادت۔

تصنیفی مشغلہ

والدہ صاحبہ مناجاتیں اور نظمیں لکھ لکھ کر اپنا غم غلط کرتیں اور اپنے دل کو تسکین دیتیں، خاندان کی بچیوں کو اپنے پاس رکھ کر، ان کی تعلیم و تربیت میں مشغول رہ کر اپنا دل بہلاتیں، مناجاتوں اور نظموں کا پہلا مجموعہ "باب رحمت" کے نام سے ۱۹۲۵ء میں بھائی صاحب کی توجہ اور اہتمام سے شائع ہوا اور اس پر انھوں نے میرے نام سے ایک بہت موثر تعارفی مقدمہ لکھا، یہ کتاب بہت جلد گھر گھر پھیل گئی، بہت سی مسلمان بیٹیوں اور دعا و مناجات کا ذوق رکھنے والی مستورات نے اس کو پڑھ کر مناجات کا لطف اور دعا کی لذت حاصل کی اور یہ مجموعہ نہایت مقبول ہوا۔

اپنے خاندان نیز دوسری مسلمان بچیوں کے لئے انھوں نے ایک دوسری کتاب

---

(۱) الحمد للہ کہ اس کام کی توفیق ہوئی، اور والد صاحب کے تذکرہ کے ضمیمہ کی شکل میں بھائی صاحب (ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب مرحوم) کا تذکرہ بھی مکمل ہوگیا، یہ کتاب "حیات عبدالحیؒ" کے نام سے ۱۹۷۰ء میں ندوۃ المصنفین دہلی کی طرف سے شائع ہو چکی ہے۔

لکھی جس میں دینی واخلاقی ہدایات اور اچھی وخوشگوار ازدواجی زندگی کے اصول وآداب اور حقوق وفرائض وامور خانہ داری کی تعلیم کی ہے، یہ کتاب بھی چند سال کے بعد "حسن معاشرت" کے نام چھپی اور مقبول ہوئی والدہ صاحبہ کھانے کی ترکیبوں اور نئے نئے نسخوں کی ایجاد میں بھی مجتہدانہ دماغ رکھتی تھیں، اس موضوع پر بھی انھوں نے ایک کتاب "ذائقہ" کے نام سے لکھی، جو ۱۹۳۰ء میں "نامی پریس" لکھنؤ میں چھپی اور بہت پسند کی گئی۔

والدہ صاحبہ کا میرے ساتھ معاملہ اور تعلیم وتربیت کا انداز

جب میری (حضرت مولانا) باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا تو والدہ صاحبہ کو ایک نیا مشغلہ ہاتھ آگیا۔

گھر میں کسی بڑے مرد کے نہ ہونے کی وجہ سے والدہ صاحبہ ہی میری نگرانی، اخلاقی ودینی تربیت کی ذمہ دار تھیں، مجھے قرآن مجید کی بڑی بڑی سورتیں انھوں نے اسی زمانہ میں یاد کرائیں، باوجود اس کے کہ ان کی شفقت خاندان میں ضرب المثل تھی، اور والد صاحب کے انتقال کی وجہ سے وہ میری دل داری اور ایک حد تک ناز برداری قدرتاً دوسری ماؤں سے زیادہ کرتی تھیں، لیکن دو باتوں میں بہت سخت تھیں، ایک تو نماز کے بارے میں مطلق تساہل نہیں برتتی تھیں، میں عشاء کی نماز پڑھے بغیر کبھی سو گیا، خواہ کیسی ہی گہری نیند ہو اٹھا کر نماز پڑھواتیں، اور نماز پڑھے بغیر ہرگز سونے نہ دیتیں، اسی طرح فجر کی نماز کے وقت جگا دیتیں، اور مسجد بھیجتیں، اور پھر قرآن مجید کی تلاوت کے لئے بٹھا دیتیں، دوسری بات جس میں وہ قطعاً رعایت نہ کرتیں، اور اس میں ان کی غیر معمولی محبت اور

شفقت حارج نہ ہوتی یہ تھی کہ اگر میں خادم کے لڑکے یا کام کاج کرنے والے غریب بچوں کے ساتھ کوئی زیادتی، ناانصافی کرتا، یا حقارت اور غرور کے ساتھ پیش آتا، تو وہ نہ صرف مجھ سے معافی منگواتیں، بلکہ ہاتھ تک جوڑواتیں، اس میں مجھے کتنی ہی اپنی ذلت اور خفت محسوس ہوتی مگر وہ اس کے بغیر نہ مانتیں، اس کا مجھے اپنی زندگی میں بہت فائدہ پہونچا، اور ظلم و تکبر و غرور سے ڈر معلوم ہونے لگا، اور دل آزاری اور دسروں کی تذلیل کو کبیرہ گناہ سمجھنے لگا، اس کی وجہ سے مجھے اپنی غلطی کا اقرار کرلینا ہمیشہ آسان معلوم ہوا(۱)۔

جب میں لکھنؤ میں ہوتا تو خطوط کے ذریعہ نصیحتیں اور ہدایتیں فرماتی رہتیں، اب ان کی تمام دلچسپیاں اور آرزوئیں سمٹ کر میرے اندر آگئی تھیں، مجھے اپنے اسلاف کا صحیح جانشیں، اپنے نامور والد کی سچی نشانی، اپنے خاندان کی خصوصیات کا حامل...... نہ صرف خاندان بلکہ اسلام کا نام روشن کرنے والا اور دین کا مبلغ اور داعی دیکھنے کی آرزو ان کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو و چراغ زندگی تھا، جس کی لو سے ان میں توانائی، طاقت اور زندگی قائم تھی، ہر وقت اسی کی فکر، ہر وقت اسی کی دھن، ہر وقت اسی کی دعا، ہر وقت اسی کا تذکرہ(۲)۔

والدہ صاحبہ کی تربیت کے اس انداز کا ذکر کرتے ہوئے ایک تجربہ اور مشورہ کے طور پر اس کا بھی ذکر کردینے کو جی چاہتا ہے، کہ بچوں کے مذہبی واخلاقی اٹھان اور ان کے اس قابل ہونے میں کہ اللہ تعالیٰ ان سے اپنے دین کی کوئی خدمت لے یا قبولیت عطا فرمائے، دو چیزوں کا بڑا دخل ہے، ایک یہ کہ (وہ اپنی عمر کے مطابق) ظلم اور دل آزاری سے محفوظ رہیں، اور کسی دکھے دل کی آہ یا مظلوم کی کراہ ان کے مستقبل پر اثر نہ ڈالے،

---

(۱) کاروان زندگی ج ۱- ص: ۸۱۔

(۲) ذکر خیر ص: ۸ ۲-۹ ۲۔

دوسرے یہ کہ ان کی غذا غصب وحرام اور مشتبہ مال سے پاک رہے، بظاہر اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کے ساتھ ان دونوں چیزوں کا انتظام فرمایا، میراداد یہال جائیداد واملاک اور مشترک مال وحقوق سے عرصہ سے محفوظ تھا، والد صاحب کی آمدنی خالص طبی پیشہ کی رہین منت تھی، ویسے بھی اللہ تعالیٰ نے نہ صرف مشتبہ مشکوک مال سے بچایا، بلکہ بدعات ورسوم کے کھانوں سے بھی۔

اس سلسلہ میں ایک واقعہ یاد آگیا، میں اپنے گھر کی ایک بڑی بوڑھی انا کے ساتھ جو پڑھی لکھی نہ تھیں، اپنی پھوپھی کے پاس خالص ہاٹ (رائے بریلی کا ایک محلہ) جارہا تھا، راستہ میں کہیں غریبوں کو کھانا کھلایا جارہا تھا (جو چالیسویں یا صدقہ کا کھانا تھا) بڑی بی نے جن کے ساتھ میں جارہا تھا، وہ کھانا لیا، اور وہیں بیٹھ کر کھانے لگیں، میں بچہ تھا، میرے بھی منہ میں پانی بھر آیا اور میں نے شرکت کرنی چاہی، انھوں نے کہا بیٹا! یہ تمہارے کھانے کا نہیں، اور انھوں نے مجھے کھانے نہیں دیا، یہ غالباً گھر کے ماحول اور احتیاط کی اس فضا کا نتیجہ تھا، جس کو وہ دیکھا کرتی ہوں گی۔

اسی زمانہ میں ہمارے خاندان میں ایک بڑا اچھا دستور تھا کہ جہاں کوئی ایسا غم ناک واقعہ پیش آتا، دل دکھے ہوئے ہوتے یا کوئی پریشانی کی بات ہوتی تو "صمصام الاسلام" سنی جاتی، یہ مشہور مورخ واقدی کی مشہور کتاب "فتوح الشام" کا پچیس ہزار اشعار میں ترجمہ ہے، یہ ترجمہ اور نظم ہمارے ہی خاندان کے ایک بزرگ، میرے والد صاحب کے حقیقی پھوپھا منشی سید عبدالرزاق صاحب کلامی کی لکھی ہوئی ہے، جوش وخروش سے بھری ہوئی درد واثر میں ڈوبی ہوئی جنگ کا نقشہ ایسا کھینچتے ہیں کہ دل جوش سے اچھلنے لگتے ہیں، اور نبض تیز ہو جاتی ہے، شہادت کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ خود راہِ خدا میں جان دینے کے لئے دل بیتاب ہو جاتا ہے، اور صحابہ کرام اور مجاہدین کے غم کے سامنے آدمی اپنا غم

بھول جاتا ہے، میری بڑی خالہ مرحومہ صالحہ بی جو قرآن مجید کی بھی حافظ تھیں، یہ منظوم فتوح الشام بڑے پر اثر انداز اور دلکش لہجہ میں پڑھتی تھیں، اور پڑھتے پڑھتے کتاب ان کو بہت رواں ہوگئی تھی، عموماً عصر کے بعد یہ مجلس ہوتی، بچے بھی کبھی اپنی ماؤں کے پاس کھیلتے کھیلتے یا کسی پیغام کے لئے آجاتے، اور بے ارادہ کچھ دیر ٹھہر کر سنتے، کبھی بالارادہ بیٹھ جاتے، اور کبھی مائیں اپنے پاس بٹھا کر سننے کا موقعہ دیتیں، پھر جب اس میں لطف آنے لگتا تو کھیل چھوڑ کر اس مجلس میں شریک ہوتے (۱)۔

تربیتی خطوط

ایک زمانہ میں میری طبیعت دینی تعلیم سے کچھ اچاٹ سی ہونے لگی اور انگریزی تعلیم حاصل کرنے اور سرکاری امتحانات دینے کا دورہ سا پڑا، بھائی صاحب نے کسی خط میں یا رائے بریلی کے کسی سفر میں والدہ صاحبہ سے میرے اس نئے رجحان کی شکایت کی اس پر انھوں نے میرے نام جو خط لکھا اس سے ان کے دلی خیالات، جذبات اور ان کی قوت ایمانی اور دین سے محبت و عشق کا اندازہ ہوتا ہے، اس خط کا ایک اقتباس جس پر کوئی تاریخ نہیں ہے، لیکن غالباً ۱۹۲۹ء یا ۱۹۳۰ء کا لکھا ہوا ہے، من و عن پیش کیا جارہا ہے۔

عزیزی علی سلمہ، دعا۔

تمہارا اب تک کوئی خط نہیں آیا، روز انتظار کرتی ہوں، مجبور آکر خود لکھتی ہوں جلد اپنی خیریت کی اطلاع دو۔

---

(۱) ماخوذ: کاروان زندگی حصہ اول ص: ۸۱ تا ۸۳۔

عبدالعلی(۱) کے آنے سے اطمینان ضرور ہوا، مگر تمہارے خط سے تو اور تسکین ہوتی، عبدالعلی سے میں نے تمہاری دوبارہ طبیعت خراب ہونے کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا کہ علی کو اپنی صحت کا بالکل خیال نہیں، جو وقت تفریح کا ہے وہ پڑھنے میں گذارتے ہیں" میں نے کہا، تم روکتے نہیں، کہا بہت کہہ چکے اور کہتے رہتے ہیں، مگر وہ نہیں خیال کرتے، اس سے سخت تشویش ہوئی، اول تو تمہاری بے خیالی اور ناتجربہ کاری اور پھر بے موقع محنت جس سے اندیشہ ہو۔

علی، مجھے امید تھی کہ تم انگریزی کی طرف مائل نہ ہوگے، مگر خلاف امید تم کہنے میں آگئے اور اتنی محنت گوارہ کرلی خیر بہتر، جو کچھ تم نے کیا، یہ بھی اس کی حکمت ہے بشرطیکہ استخارہ کرلیا ہو۔

مجھے تو انگریزی سے بالکل انسیت نہیں، بلکہ نفرت ہے، مگر تمہاری خوشی منظور ہے، علی، دنیا کی حالت نہایت خطرناک ہے، اس وقت عربی حاصل کرنے والوں کا عقیدہ ٹھیک نہیں تو انگریزی والوں سے کیا امید، بجز عبدالعلی اور طلحہ (۲) کے تیسری مثال نہ پاؤگے، علی اگر لوگوں کا عقیدہ ہے کہ انگریزی والے مرتبے حاصل کررہے ہیں کہ کوئی ڈپٹی، اور کوئی جج، کم از کم وکیل اور بیرسٹر ہونا تو ضروری ہے، مگر میں بالکل اس کے خلاف ہوں، میں انگریزی والوں کو جاہل اور اس کے علم کو بے سود اور بالکل بیکار سمجھتی ہوں، خاص کر اس وقت میں نہیں معلوم کیا ہو، اور کس علم کی ضرورت ہو، اس وقت میں البتہ ضرورت تھی۔

اس مرتبہ کو تو ہر کوئی حاصل کرسکتا ہے، یہ عام ہے، کون ایسا ہے جو محروم ہے

---

(۱) ڈاکٹر حکیم سید مولانا عبدالعلیؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء برادر اکبر مصنف۔

(۲) مولانا سید طلحہ حسنی ایم، اے راقم سطور کے پھوپھا تھے اور عربی زبان وادب کے زبردست عالم تھے۔

وہ چیز حاصل کرنا چاہئے جو اس وقت گراں ہے اور کوئی حاصل نہیں کر سکتا، جس کے دیکھنے کو آنکھیں ترس رہی ہیں اور سننے کو کان مشتاق ہیں، آرزو میں دل مٹ رہا ہے، مگر وہ خوبیاں نظر نہیں آتیں۔

افسوس ہم ایسے وقت میں ہوئے، علی، تم کسی کے کہنے میں نہ آؤ، اگر خدا کی رضامندی حاصل کرنا چاہتے ہو، اور میرے حقوق ادا کرنا چاہتے ہو تو ان سبھوں پر نظر کرو جنہوں نے علم دین حاصل کرنے میں عمر گذار دی، ان کے مرتبے کیا تھے، شاہ ولی اللہ صاحبؒ، شاہ عبد العزیز صاحبؒ، شاہ عبد القادرؒ صاحب، مولوی ابراہیم صاحبؒ (۱) اور تمہارے بزرگوں میں خواجہ احمد صاحبؒ (۲) اور مولوی محمد امین صاحبؒ (۳) مرحوم جن کی زندگی اور موت قابل رشک ہوئی، کس شان و شوکت کے ساتھ دنیا برتی، اور کیسی کیسی خوبیوں کے ساتھ رحلت فرمائی۔

یہ مرتبے کیسے حاصل ہو سکتے ہیں، انگریزی مرتبے والے تمہارے خاندان میں بہت ہیں، اور ہوں گے، مگر اس مرتبے کا کوئی نہیں، اس وقت بہت ضرورت ہے، ان کو

(۱) اس سے مراد مولانا ابو محمد ابراہیم آروی، مشہور اہلِ حدیث عالم ہیں جو ہمارے ناناشاہ ضیاء النبی صاحبؒ کے مرید اور بڑے ربانی، حقانی عالم تھے، ان کا وعظ بڑا موثر اور رقت آمیز ہوتا تھا، ان کے ایک وعظ سے ہمارے خاندان کے نوجوانوں کی بڑی اصلاح ہوئی اور ان کی کایا پلٹ گئی، ۶ ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ کو مکہ معظمہ میں وفات پائی، اور جنت المعلیٰ میں مدفون ہوئے۔

(۲) یعنی مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادی جو حضرت سید احمد شہیدؒ کے بیک واسطہ خلیفہ اور حضرت شاہ ضیاء النبیؒ اور مولانا سید فخر الدینؒ کے شیخ و مرشد تھے، توحید و سنت کی اشاعت اور اصلاح و تربیت میں ان کا پایہ بہت بلند تھا، ۱۲۸۹ھ میں انتقال ہوا۔

(۳) مولانا سید محمد امین نصیر آبادی مراد ہیں، جن سے ضلع رائے بریلی، سلطانپور، پرتاپگڈھ اور ان کے نواح میں بڑی اصلاح اور شرک و بدعت کی بیخ کنی ہوئی، انتقال ۱۳۴۹ھ میں ہوا۔

انگریزی سے کوئی انس نہ تھا، یہ انگریزی میں جاہل تھے، یہ مرتبہ کیوں حاصل ہوا۔

علی، اگر میرے سوا اولادیں ہوتیں، تو سب کو میں یہی تعلیم دیتی، اب تم ہی ہو، اللہ تعالیٰ میری خوش نیتی کا پھل دے کہ سو کی خوبیاں تم سے حاصل ہوں، اور میں دارین میں سرخ رو اور نیک نام اور صاحب اولاد کہلاؤں، آمین ثم آمین۔

میں خدا سے ہر وقت دعا کرتی ہوں کہ وہ تم میں ہمت اور شوق دے، اور خوبیاں حاصل کرنے کیا اور تمام فرائض ادا کرنے کی توفیق دے، آمین۔

اس سے زیادہ مجھے کوئی خواہش نہیں، اللہ تعالیٰ تمہیں ان مرتبوں پر پہنچائے، اور ثابت قدم رکھے، آمین، علی، ایک نصیحت اور کرتی ہوں، بشرطیکہ تم عمل کرو، اپنے بزرگوں کی کتابیں کام میں لاؤ، اور احتیاط لازم رکھو، جو کتاب نہ ہو وہ عبدالعلی کی رائے سے خریدو، باقی وہی کتابیں کافی ہیں، اس میں تمہاری سعادت مندی ظاہر ہوگی، اور کتابیں برباد نہ ہونگی، اور بزرگوں کو خوشی ہوگی، اس سعادت مندی کی مجھے بے حد خواہش ہے کہ تم ان کتابوں کی خدمت کرو، جو روپیہ خرچ کرو، انھیں ضرورتوں میں یا کھاؤ۔

قرض کبھی نہ لو، ہو تو خرچ کرو ورنہ صبر کرو، طالب علم یوں ہی علم حاصل کرتے ہیں، تمہارے بزرگوں نے بہت کچھ مصیبتیں جھیلی ہیں، اس وقت کی تکلیف باعث فخر سمجھو، جو ضرورت ہو ہمیں لکھو، میں جس طرح ممکن ہوگا، پورا کروں گی، خدا مالک ہے، مگر قرض نہ کرنا، یہ عادت ہلاک کرنے والی ہے، اگر وفائے وعدہ کرو تو کچھ حرج نہیں۔

صحابہؓ نے قرض لیا ہے، مگر ادا کر دیا ہے، ہم کون چیز ہیں، علی، یہ بھی تمہاری سعادت مندی ہے کہ میری نصیحت پر عمل کرو۔

حلوہ ابھی تیار نہیں ہو سکا، انشاء اللہ تعالیٰ موقع ملتے ہی تیار کر کے بھیجوں گی اطمینان رکھو۔

بہت جلد خیریت کی اطلاع دو، اگر دیر کروگے تو میں سمجھوں گی کہ میری نصیحت تمہیں ناگوار ہوئی، انشاء اللہ تعالیٰ رمضان شریف میں تم سے وعظ کہلاؤں گی، اللہ تعالیٰ میری خواہش سے زیادہ تمہیں توفیق دے کہنے کی، اور تمہارا کلام پراثر اور خدا کی خوشی ورضامندی کے قابل ہو، آمین، اَللّٰھُمَّ اٰتِنِیْ اَفْضَلَ مَاتُوْتِیْ عِبَادَکَ الصَّالِحِیْنَ، باقی خیریت ہے، تم خدا کی رحمت سے تیار رہو، تم نے وعدہ بھی کیا ہے۔

تمہاری والدہ

ان کی...... سب سے بڑی خواہش اور فکر یہ تھی کہ میں اپنے بڑے بھائی کے اشاروں پر چلوں اور ان کی ہدایات پر آنکھ بند کر کے عمل کروں وہ بجا طور پر ان کو ہمہ صفت موصوف اور خاندان کی عظمت کا نشان سمجھتی تھیں، ہمارے خاندان میں حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ کے ترجمے اور ان کی تفسیر موضح القرآن کو (جو ان کے قدیم تراجم کے حاشیہ پر چھپی ہوئی ہے) ہمیشہ اہمیت دی گئی اور اس کو ایک طرح سے عورتوں اور پڑھے لکھے مردوں کے نصاب میں سمجھا گیا، معلوم ہوتا ہے کہ بھائی صاحب کی تاکید کے باوجود میں نے روزانہ اس کے پڑھنے اور دیکھنے سے غفلت برتی، اور زیادہ ترادبی اور سطحی کتابوں کے مطالعہ میں منہمک رہتا تھا، بھائی صاحب نے غالباً کسی خط میں والدہ صاحبہ سے اس کی شکایت کی اس پر والدہ صاحبہ نے ایک طویل خط لکھا جس کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

> ”جب تم یہاں تھے، تو عبدو نے خاص طور سے لکھا تھا کہ شاہ عبد القادر صاحب کا ترجمہ روز دیکھا کرو، اور غور کیا کرو، مگر تم نے ان کے حکم کی تعمیل نہ کی، میں تلاش کر کے لائی اور روز کہتی رہی تم ٹالتے رہے، اور مکرر سکرر کتابوں میں مشغول رہے، مجھے سخت ناگوار

تھا، مگر اس قدر بد خیالی نہیں ظاہر کی، اس خط کو دیکھ کر جس قدر مجھے تکلیف ہوئی، میں کہہ نہیں سکتی، یوں تو اس وقت کی حالت دیکھ کر مجھے بھی اطمینان نہیں تھا، مگر اس وقت تمام امیدیں خوفناک صورت میں نظر آتی ہیں، علی! یہ نالائقی تمہاری سخت تکلیف دے رہی ہے، مجھے تم سے یہ امید تو نہ تھی مجھے یہ خیال تھا کہ تم اپنے رفیق بھائی کے بالکل ہم خیال اور فرمانبردار ہو اسی خیال سے مجھے اطمینان تھا، مگر افسوس ہے کہ ایسے بھائی جو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھے اور اپنی تمام ہمت تربیت میں صرف کرنے کو تیار ہے اس کی کوششوں کو ہیچ سمجھ کر تمام حقوق کو بھول جاؤ، اور لاپروائی اور خود مختاری برتو، یہ وہ رفیق بھائی ہے، جس نے ایسے وقت میں تم پر ہاتھ دھرا کہ سوائے خدا کے کوئی نظر نہیں آتا تھا، میں تمہاری تعلیم کے لئے بلبلاتی تھی...... وہ خود ہی پریشان تھے مگر خود ہی محنت گوارا کی، جو کچھ تمہیں حاصل ہوا انھیں کے فیض سے، دیکھو یہ علم ہے، عمل اسے کہتے ہیں، تم ادب (۱) میں ہزار بڑھ جاؤ تو عبدو کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور نہ وہ خوبیاں تم پیدا کر سکتے ہو، کیونکہ اس وقت کے خیالات یہ موقعہ ہی کب دیں گے، عبدو ایسا عالم اور قابل شخص اگر اس وقت میں دیکھنا چاہو تو نہیں پا سکتے، تمہارے خاندان کی ہر خوبی کا نشان عبدو ہیں"۔

آگے چل کر تعلیم میں انہماک، جفاکشی اور قدیم طالب علمانہ صفات کی تلقین

---

(۱) عربی ادب جس کی تعلیم راقم الحروف نے خلیل عرب صاحب سے پائی تھی، اور اس میں کمال پیدا کرنے کا شوق غلو کی حد تک تھا۔

کرتے ہوئے لکھتی ہیں:-

"تمام باتوں کا شوق بے کار سمجھو، شوقین مزاج والوں سے دلچسپی نہ رکھو طالب علموں کو صرف پڑھنا چاہئے، کپڑے پھٹے ہوں یا جوتہ، کچھ شرم کی بات نہیں، بلکہ فخر کرنا چاہئے یہ حالت فلاح و بہبودی کا باعث ہوتی ہے، انھیں تکلیفوں میں علم کی قدر ہوتی ہے، عقلمند اور خوش نصیب وہ ہے جو نایاب چیز حاصل کرے وہ کیا ہے، شریعت کی پابندی، اس وقت کا علم عام ہے، یہ ہر کسی کو میسر ہے، دو چار کتابیں لے لیں بس قابل ہوگئے، ہزاروں خطرے پیش نظر رہتے ہیں، یہ خط اگر دل چاہے، غور سے دیکھنا اور اکثر اس پر نظر ڈالتے رہنا"۔

ایک اور خط میں علوم دینیہ اور عربی تعلیم پر پوری توجہ صرف کرنے، اس میں امتیاز پیدا کرنے اور علمائے سلف کے نقش قدم پر چلنے کی تاکید کرتے ہوئے لکھتی ہیں:-

"اب عربی میں محنت کرو، مگر بے قاعدہ نہیں، صحت کا ضرور خیال رکھو، تندرستی ہے تو سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے، اگر تم اتنی محنت عربی میں کرتے تو آج بہت کچھ حاصل ہو جاتا(۱)، توجہ کرکے جو کتابیں باقی ہیں، پوری کرلو اور جہاں تک ممکن ہو اگلے علماء کی سی لیاقت پیدا کرو، وہی معلومات حاصل کرو، کہ کوئی بات شریعت کے خلاف نہ ہو اور تمام مسئلوں سے بخوبی واقف ہو جاؤ، اس وقت اسی علم

(۱) اس زمانہ میں میں نے بے قاعدگی اور بے اعتدالی کے ساتھ انگریزی کتابیں پڑھنی شروع کی تھیں جن سے صحت اور آنکھ پر بہت اثر پڑا تھا

کی ضرورت ہے، اس وقت کے علماء کچھ نہیں جانتے اور فتنہ پیدا
کرتے ہیں، میری دلی تمنا ہے کہ تم علم میں وہ مرتبہ حاصل کرو جو
بڑے بڑے علماء نے حاصل کیا جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترس رہی
ہیں، کان مشتاق ہیں، دل شوق میں مٹا جاتا ہے، علی! اس سے زیادہ
کوئی خواہش نہیں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہوں کہ وہ تمہیں وہی
خوبیاں عطا کرے کہ وہی وقت آجائے، آمین۔

ایک دوسرے خط میں تحریر فرماتی ہیں:

عزیزی علی سلمہ، دعاہا۔

تمہارا خط آیا، میں بالکل انتظار کر کے تھک کر بیٹھ گئی تھی، ویسے ہی تمہارا خط ملا، بے حد خوشی ہوئی، علی، مجھے خدا کی رحمت سے یہ امید قوی ہے کہ تم کسی کے کوئی مرتبے اور کامیابی کا اثر نہ لوگے، کیونکہ یہ عام ہے اور فنا ہونے والی، قابل رشک وہ ہے جو ہزاروں میں ایک کو ملے، اور پھر خدا کی طرف سے ہو۔

قسمت کیا ہر شخص کو قسام ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

تمہیں اس پر فخر کرنا چاہئے، نہایت ہمت اور قوت سے کرنا چاہئے، خدا سے دعا کرتی ہوں کہ تمہیں اس سے دلچسپی پیدا کرتا رہے، کہ تمام خوبیوں پر ترجیح دیتے رہو، اگر تمہیں ججی یا اور کوئی مرتبہ حاصل ہوتا جو عام ہے تو مجھے اس کے ساتھ ہزار خطرے پیش نظر رہتے، اس نے مجھے تمام برائیوں سے محفوظ رہنے کے لئے ایسی بہتر صورت پسند کی، وہ خود حافظ اور نگہبان ہوگا، میری فکر کی کوئی ضرورت نہ تھی، بجائے فکر کے میرے دل کو ہر وقت وہ خوشی حاصل ہوتی ہے، جو کسی ذی مرتبہ کو حاصل نہیں، تم جس قدر فخر کرو کم ہے۔

والسلام
تمہاری والدہ

نور چشم لخت جگر علی سلمہ، دعاہا۔

تمہارے دو خط آئے، مفصل جس سے اطمینان ہوا، اس سے بے حد خوشی ہوئی کہ مولانا احمد علی صاحب کے صاحبزادے بھی تمہارے ساتھ ہیں، دیکھیں کب تک رہنا ہو، اللہ تعالیٰ جلد کامیاب کرے، آمین۔

خاص وقتوں میں میری یہ دعا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں وہ علم دے، جو صحابہ کرامؓ نے حاصل کیا، جس سے ایمان کو قوت ہو، اور تمام جھگڑے پاک ہوں، اور اس وقت کے فتنوں سے نجات ہو جائے، اور پورا پورا اطمینان ہو۔

میں کہہ نہیں سکتی جو میری خواہش ہے، اور جس کے لئے مجھے علم دین حاصل کرنے کی خواہش ہوئی، اللہ تعالیٰ میری آرزو پوری کرے، اور دنیا و آخرت میں مجھے سرخ رو اور نیک نام کرے، آمین، تم یوں ہی برابر خط لکھتے رہو تو خدا کا شکر کروں گی، ان دنوں ابوالخیر • عظ کہتے ہیں ہر جمعہ کو، میدان پور میں بھی ہوتا ہے، خدا کرے تم لوگوں سے اسلام پھیلے اور کفر گھٹے، آمین، اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو ثابت قدم رکھے، پانچ روپیہ عبدو کو دے دیئے ہیں، پھر انشاء اللہ ملنے پر بھیجوں گی، ماموں (۱) صاحب، ماموں جی (۲) کو سلام لکھو تو بھائی جی یعنی اپنے ابا جی (۳) کو بھی لکھا کرو، محمود، محمد ثانی سلمہما پڑھتے ہیں خدا کرے کہ وہ اس قابل ہو جائیں کہ ان سے راحت ہو۔

والسلام
تمہاری والدہ

---

(۱) مولانا سید عبید اللہ حسنی۔

(۲) مولوی سید احمد سعید صاحبزادگان حضرت شاہ مولانا ضیاء النبیؒ۔

(۳) مولانا سید خلیل الدین ابن مولوی رشید الدین ابن مولوی سید سعید الدین مرید سعید حضرت امیر المومنین سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ۔

نور چشم لخت جگر، نور بصر علی سلمہ طولعمرہ، دعاہا۔

خدا پر بھروسہ ہے، وہ تمہارا حافظ و ناصر ہے، تم خط برابر لکھتے رہو، تو مجھے تسکین رہے گی، دیکھو ہمت سے زیادہ محنت نہ کرنا، اس موسم میں زیادہ محنت دماغ قبول نہیں کر سکتا، دل و دماغ کی صحت ضروری ہے، اس کا زیادہ خیال رکھو جہاں تک ممکن ہو ایک ماہ کی محنت ایک دن میں نہ کرنا، اگر تم اس قدر محنت کروگے تو پھر دنیا کیسے برتوگے، دنیا بھی برتنا عبادت ہے، ہمدردی اور حق پرستی یہ تمام باتیں خدا اور رسولؐ کی خوشنودی کی ہیں، پھر تمام اعزہ اس کے منتظر رہتے ہیں، خاص کر تمہاری طرف سے بہت کچھ امیدیں ہیں، مجھے خواہش ہے کہ تم علم مغرب والوں سے مرتبہ میں زیادہ ہو نکلو کہ علوم دین کی طرف اعتراض کا موقع نہ ملے، اللہ تعالیٰ سے ہر وقت دعا ہے کہ تمہیں وہ خوبیاں حاصل ہوں کہ تمام وہ خوبیاں جن پر سب کو فخر ہے، ہیچ ہو جائیں، اور علوم دین کے سب شائق ہوں، اللہ تعالیٰ میری آرزو پوری کرے، آمین۔

تم خط جلد جلد لکھتے رہو، ورنہ مجھے بے حد تکلیف ہو گی، عبدو تمہارے طرز عمل سے بے حد خوش ہوئے، مجھے لکھا تھا، یہ پہلا خط تھا جس سے یہ مبارک الفاظ ظاہر ہوئے، مجھے بے حد تمنا تھی کہ عبدو کی زبان سے سنوں، خدا کا شکر ہے کہ یہ خواہش پوری ہوئی، یہ تمنا ہے کہ ہر زبان پر تمہاری نیک نامی اور کامیابی ہو، آمین، اللہ تعالیٰ تمہارے نیک ارادے پورے کرے، اور تمہیں ثابت قدم رکھے، اور ان کے راستے پر چلادے جن پر انعام کیا ہے، اور تمہارے عمل کو قبول کرے، آمین۔

والسلام
تمہاری والدہ

عزیزی علی سلمہ، دعاہا۔

تمہارا کارڈ پہونچا، یہ معلوم کر کے بے حد خوشی ہوئی کہ تمہارے پرچے اچھے گذرے، اوراس مرتبہ پرچوں میں خطرہ تھا، خدا سے ہر وقت دعا کرتی ہوں، اس کی رحمت کاانتظار کرو، جب اس کی رحمت سے نتیجہ ظاہر ہو جائے توانشاءاللہ خوش ہو کر آنا، اور جب تک نتیجہ نہ معلوم ہو، روز صبح کو سنت اور فرض کے درمیان خشوع و خضوع کے ساتھ سورہٗ فاتحہ اکتالیس بار پڑھتے رہو، اور اول و آخر گیارہ گیارہ بار درود شریف، یہ بہت مجرب ہے اور پھر فرض پڑھ کر فاتحہ ایک بار اور الم نشرح تین بار انا انزلناہ گیارہ بار پڑھ لیا کرو، اول آخر درود جس قدر ممکن ہو تو دونوں وقت پڑھو، اور خدا پر بھروسہ رکھو، یہ مناجات تمہارے لئے میں نے خدا سے کی ہے، خدا کرے مقبول ہو، آمین۔

خدا سے ترے مجھ پر انعام ہیں　　ہیں انعام بھی اور اکرام ہیں

جو مانگا دیا، او ردیا بے طلب　　پھری میں ترے در سے محروم کب

تھی جو کچھ مجھے فکر سب دور کی　　میں لائی جو حاجت وہ منظور کی

ترے فضل کی کچھ نہیں انتہا　　جو آیا ترے در پہ وہ خوش ہوا

تری شان رحمت سے ہے یہ بعید　　پھرے در سے تیرے کوئی ناامید

کرم کر میرے حال پر بھی کریم　　کہ ہے نام تیرا غفور رحیم

مری سعی و کوشش نہ برباد کر　　ترے در پہ آئی ہوں امداد کر

دعا جلد میری یہ ہو مستجاب　　علی ہو ترے فضل سے کامیاب

وہ ہو کامیابی جو ہو باسند　　ہو ایسی سند جو کہ ہو مستند

نہ ہو فکر کوئی نہ رنج و تعب　　تمنائیں بر آئیں میری یہ سب

خطاؤں پہ ان کے نہ کر تو نظر　　یہ بندے ہیں تیرے تو ہی رحم کر

جہاں میں سدا دونوں پھولیں پھلیں　　سدا یہ شریعت پہ قائم رہیں

یہ سب بہن بھائی رہیں شاد کام　　جہاں میں ہو اقبال ان کا غلام

خزاں میں جو ہے آج فصل بہار　　یہ سب فضل تیرا ہے پروردگار

یہ فضل بہاری رہے تاحیات

ہو بہتر کی بہتر حیات اور ممات (۱)۔

والسلام

تمہاری والدہ

میرے طویل طویل سفراور والدہ کا ایثار اور دین کی خاطر قربانی ومجاہدہ

والدہ صاحبہ کے لئے سخت مجاہدہ اور امتحان بلکہ جہاد اکبر، میرے طویل طویل سفر تھے، جو اللہ تعالیٰ کی بہت سی معلوم اور نہ معلوم حکمتوں کی بناء پر گویا میرے لئے مقدر ہو چکے ہیں، جس سراپا شفقت، اور کمزور دل کی ماں کا یہ حال ہو کہ لکھنؤ میں ہونے کے باوجود بھی اگر خط میں دیر ہو تو بے چین ہو جائیں، اس کے لئے ملک اور ملک سے باہر کے طویل طویل سفر اگر جہاد اکبر نہیں تو اور کیا ہے، شاید اللہ تعالیٰ نے اسی میں ان کو جہاد کا بہت کچھ ثواب دے دیا ہو۔

غالباً ۱۹۳۰ء میں حضرت مولانا احمد علی صاحب سے تفسیر پڑھنے کے شوق میں

---

(۱) ڈاکٹر مولانا سید عبد العلی حسنیؒ، ابو الحسن علی ندوی، سیدہ امۃ العزیز صاحبہ اور سیدہ امۃ اللہ تسنیمؒ ہمشیران ہر دو برادران۔ ۱۲

اوران کی صحبت سے فائدہ اٹھانے کے لئے لاہور گیا، وہاں سے قادری سلسلے کے ایک بڑے بزرگ جو خود حضرت مولانا احمد علی صاحب کے شیخ تھے، حضرت خلیفہ غلام محمد صاحب دین پوری کی زیارت اور ملاقات کے لئے پنجاب اور سندھ کی سرحد خان پور جانے کا ارادہ کیا، اور والدہ صاحبہ کو اس ارادہ کی اطلاع کی، اس کے جواب میں انھوں نے تحریر فرمایا۔

نور چشم علی سلمہ،

دعا اور بہت دعا، تمہارا خط سخت انتظار اور متواتر خطوط بھیجنے کے بعد ملا، بے حد خوشی اور اطمینان حاصل ہوا، مگر جو تم نے سندھ جانے کا ارادہ ظاہر کیا ہے اس سے فکر ضرور پیدا ہو گئی ہے، نہیں معلوم وہ کدھر ہے اور وہاں کے حالات کیا ہیں، اور کتنے روز رہنا ہوگا، اگر عبدو اور طلحہ کی رائے ہو، تو مناسب ہے، مگر تم کل حالات سے اطلاع دو تو بہتر ہے کہ اطمینان ہو جائے، اللہ تعالیٰ تمہیں پوری کامیابی عطا کرے، بس یہی آرزو ہے، یہی وجہ تھی کہ جو اس دور دراز سفر کے لئے گوارہ کرلیا، ورنہ ایسے دل والوں کے لئے سخت دشوار اور ناممکن تھا منظور کرنا، تمہیں اس کی حفاظت میں دے چکی، وہ بڑا خوب حفاظت کرنے اور ساتھ دینے والا ہے، میں کیا کر سکتی ہوں، اوندھی کھوپڑی کی۔

ترے محفوظ کو کوئی ضرر پہونچا نہیں سکتا
عناصر چھو نہیں سکتے، فلک دھمکا نہیں سکتا

بس یہ کہہ کر دل کو سمجھا لیتی ہوں، مگر پورا یقین ہے اس کی رحمت پر، اللہ تعالیٰ سے ہر وقت دعا ہے کہ وہ تمہیں توفیق دے نیک کاموں کی، اور علوم دین کے پورے مرتبہ پر پہونچائے، اور ثابت قدم رکھے کہ دنیا اور آخرت میں نیک نام ہو، آمین۔

میری دلی تمنا ہے کہ دونوں جہاں کی خوبیاں تمہیں حاصل ہوں، اور تم قابل رشک ہو جاؤ، اور میں اپنی کوششوں میں کامیاب ہوں، آمین، یہ سب سفر مبارک ہوں،

آمین، اللہ تعالیٰ تم سے وہ کام کروائے جو تمہاری فلاح، بہبودی، میرے آرام وراحت اور خدا کی رضامندی اور خوشی کا باعث ہو، آمین، تم اپنی خیریت سے جلد اطلاع دیتے رہو، جہاں بھی ہو، وہ مالک ہے، ہم پر رحم کرے گا، اور جو کچھ فیض حاصل ہو، مجھے اطلاع دو...... دعا۔

والسلام

تمہاری والدہ

دعوت وتبلیغ کا ذوق

۱۹۴۰ء ۱۳۵۹ھ میں میری حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہلی حاضری ہوئی یہاں سے میری زندگی کا دوسرا دور شروع ہوا، یہ گویا ایک نئی دنیا کی دریافت تھی، اور ایک نئی شخصیت اور حقیقت کا انکشاف، دہلی سے واپسی پر میں نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ جو زیادہ تر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مدرس اور طالب علم تھے، لکھنؤ اور اس کے قرب وجوار میں تبلیغی جماعت کے اصول پر اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی روحانی سرپرستی میں ٹوٹا پھوٹا تبلیغی کام شروع کیا اس سے سب سے زیادہ خوشی والدہ صاحبہ اور بھائی صاحب کو ہوئی، دونوں کا اصل ذوق اور زندگی کی سب سے بڑی تمنا دین کی اشاعت اور تبلیغ ودعوت کا کام تھا، کچھ عرصہ کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ والدہ صاحبہ کو میرے کسی خط یا کسی کی گفتگو سے ایسا احساس ہوا کہ وہ پہلا سا ذوق وشوق نہیں رہا، اس پر انھوں نے اپنی فکرمندی کا اظہار کیا، اسی زمانہ کے ایک خط میں تحریر فرماتی ہیں

عزیزی علی سلمہ، دعاہا۔

تمہارا خط ملا، اطمینان اور خوشی ہوئی کہ تمہیں ناشتہ وغیرہ سے آرام ہے، ندوہ میں زیادہ رہنے کے عہد و خلاف تو نہیں، اگر وہ اس کے مخالف نہیں تو بہتر ہے، تم خود سمجھ سکتے ہو، تبلیغ میں کوشش کرتے رہو کہ ترقی ہو۔

ابتداء میں جو جوش اور شوق تھا تمہیں، عبدو کو بھی اس میں کچھ کمی معلوم ہوتی ہے یہ ضرور ہے کہ ابتدائی حالت نہیں رہ سکتی، مگر سلسلہ جاری رہے، تو شوق بھی بڑھتا رہے گا، اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ہے کہ تم سے وہ کام کروائے جو اپنے نیک اور مقبول بندوں سے کروائے ہیں، اور تکبر اور غرور، ریا سے بچائے اور تمہاری ترقی وکامیابی قابل رشک ہو، آمین، اللہ تعالیٰ میری دعائیں سب قبول کرے، آمین۔

حضرت مولانا محمد الیاسؒ سے بیعت وارادت اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے تجدید بیعت

یہ تعلق یہاں تک بڑھا کہ (جولائی ۱۹۴۳ء) رجب ۱۳۶۲ھ میں حضرت مولانا میری ناچیز دعوت اور خواہش پر رفقاء اور خدام کی ایک جماعت کے ساتھ لکھنؤ تشریف لائے، اور پورا ایک ہفتہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہمان خانہ میں قیام فرمایا، مزید کرم اور ذرہ نوازی یہ فرمائی کہ ہمارے وطن دائرہ حضرت شاہ علم اللہؒ رائے بریلی ۲۵/جولائی ۱۹۴۳ء ۲۲/رجب ۱۳۶۲ھ بروز اتوار قدم رنجہ فرمایا، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب، حضرت حافظ فخر الدین صاحب پانی پتی اور چند اور رفقاء ساتھ تھے، والدہ صاحبہ اس وقت تک کسی بزرگ سے بیعت نہیں ہوئی تھیں، ایک خواب کی بنا پر جس میں ان کو

خیال تھا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنی بیعت میں قبول فرمالیا ہے، انھوں نے خود اپنے والد ماجد سے جو شیخ کامل تھے، بیعت کی ضرورت نہ سمجھی، لیکن اس موقعہ پر ان کے دل میں بیعت کا تقاضہ پیدا ہوا، اور انھوں نے مجھ سے اس کا اظہار کیا، میں نے مولانا سے عرض کیا، مولانا نے نماز استخارہ کے بعد فوراً ہی اس کو قبول فرمالیا، اور والدہ صاحبہ دوسری عزیز مستورات کے ساتھ داخل بیعت ہوگئیں، مولانا کی زندگی تک یہ تعلق وربط قائم رہا۔

مولانا کی وفات کے بعد لکھنؤ میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحبؒ مدنی کی کسی آمد کے موقعہ پر جو ہمارے یہاں برابر ہوتی رہتی تھی، تجدید بیعت کی، ہمارا گھر تقریباً پورا اس وقت تک مولانا مدنی ہی سے بیعت تھا، اس لئے اس کا خیال پیدا ہوتا، خصوصاً حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی وفات کے بعد کچھ خلاف قیاس نہیں۔

سحر خیزی اور اوراد وظائف کی کثرت

اب ضعف و کبر سنی بڑھتی جارہی تھی، ۱۹۴۳ء میں والدہ صاحبہ نے بھائی صاحب کے مشورے سے یکے بعد دیگرے دونوں آنکھوں کا موتیا بند کا آپریشن کرایا تھا، جو کامیاب رہا لیکن پڑھنے لکھنے کی مشغولیت اور ضروری احتیاط ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے چند سال کے بعد نظر بہت کمزور ہوگئی اور ۱۹۶۳ء میں تقریباً روشنی جاتی رہی، لیکن معمولات کی پابندی اور اوراد وظائف اور دعا و مناجات کی مشغولیت میں اضافہ ہی تھا کمی نہ تھی، صرف قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا ممکن نہ تھا، مجھے جب سے ہوش ہے، میں نے ان کو تہجد کا پابند پایا، روز بروز سحر خیزی میں اضافہ تھا، اور اس کا بہت زیادہ اہتمام تھا، ان کی اصل خوشی

اور ذوق کا وقت وہی ہوتا تھا، باوجود اس کے کہ اکثر ان کی آنکھ خود کھل جاتی، الارم لگانے کا بڑا اہتمام رکھتیں، گھڑی صحیح رکھنے اور طلوع وغروب کے صحیح وقت معلوم کرنے کا بڑا اہتمام تھا آخر میں ہم لوگوں کی کوشش رہتی تھی کہ ضعف اور مختلف قسم کی شکایتوں کی بناء پر وہ بہت پہلے سے نہ اٹھیں، مگر وہ نہیں مانتی تھیں، آخر میں مجھے تاکید تھی کہ جب میں صبح کی نماز کے لئے جانے لگوں تو ان کو بتادوں روزانہ تقریباً یہ ہوتا تھا کہ جب میں کہتا کہ صبح ہوگئی تو وہ اس حسرت کے ساتھ پوچھتی تھیں کہ جیسے کچھ پہلے ہوگئی، اور کچھ حسرت رہ گئی۔

کبرسنی اور معذوری میں ان کی خدمت وتیمارداری

اخیر میں بطور خود نقل وحرکت بھی ان کے لئے دشوار ہوگئی تھی، بغیر سہارے کے ان کا چند قدم چلنا بھی مشکل ہوگیا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کی اور عنایتوں کے ساتھ ان پر ایک خاص عنایت یہ تھی کہ ان کو ایسی سعادت مند، فرمانبردار اور خدمت گزار اولاد اور اولاد کی اولاد عطا فرمائی، جنہوں نے کسی لاچاری اور بے بسی کا احساس ہی نہ ہونے دیا، ایک طویل عرصہ تک ان کی ایسی خدمت ہوئی جو بڑے بڑے باوجاہت اور صاحب حیثیت مردوں اور عورتوں کو نصیب نہیں ہوتی، ہر ایک ان کی خدمت کرتا اور ان کو راحت پہونچانا اپنے لئے نہ صرف سعادت بلکہ عبادت سمجھتا تھا، اور دل وجان سے اس کے لئے حاضر تھا۔ میری دو بڑی بہنیں ہیں۔ اور دونوں برسوں سے ان کے قریب ہی نہیں بلکہ ان کے پاس رہیں، ایک عزیزان مولوی محمد ثانی، محمد رابع اور محمد واضح سلمہم کی والدہ لمۃ العزیز صاحبہ جو خود اور ان کی پوتیاں ہمیشہ خدمت کے لئے مستعد اور حاضر رہیں اور

دوسری بہن جو ماشاء اللہ خود صاحب قلم اور شاعر ہیں، امۃ اللہ تسنیم صاحبہ "رضوان" کی اڈیٹر اور "زادسفر" کی مصنف، والدہ صاحبہ کی خدمت ور فاقت کی سعادت کا سب سے بڑا حصہ انھیں کے نصیب میں آیا، ان کی زندگی کا سب سے بڑا مشغلہ اور وظیفہ والدہ صاحبہ کی خدمت، دیکھ بھال اور علیل ہوں تو تیمارداری رہی اور انھیں کو سب سے زیادہ طویل عرصہ تک اور مسلسل طریقے پر اس کا شرف حاصل ہوا، ہم بھائی بہنوں میں سب سے زیادہ انھیں نے یہ دولت کمائی۔

اسلام کے غلبہ اور دین کے فروغ کی آرزو

کبر سنی کے باوجود حواس اور سماعت میں ادنیٰ فرق نہیں آیا تھا، دل ودماغ پورے طور پر اپنا کام کرتے تھے، بعض نئی باتیں تو بھول جاتی تھیں، اور جن کی نئی آمدورفت شروع ہوئی تھی، ان کے ناموں کا تو کبھی کبھی ذہول ہو جاتا تھا، لیکن پرانے لوگ ان کو خوب یاد تھے، اور بعض ایسی ایسی چھوٹی پرانی باتیں یاد دلاتیں کہ حیرت ہو جاتی، غالبًا یہ ان کی خوش اوقات ہونے اور اوراد و ظائف کی برکت تھی کہ آخر تک صحیح الحواس رہیں اور دل ودماغ نے اپنا کام کرنا کبھی نہیں چھوڑا۔

اس زمانہ میں بھی ان کو اسلام کے غلبہ دین کے فروغ کی حد درجہ آرزو تھی، اس کی ہر خبر سے ان کا رویاں رویاں تازہ ہو جاتا تھا، اور وہ اپنا غم بھول جاتی تھیں ان کی سی دین کی حمیت، اور اس کے غلبہ کا شوق میں نے اچھے اچھے مردوں میں نہیں دیکھا، ہر وقت اسی کی دھن اور اسی کی فکر رہتی تھی، کبھی کبھی اس لحاظ سے ان کے اندر ان کے شیخ اول حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی جھلک نظر آنے لگتی تھی، بہت بے چین ہوتی تھیں تو

اشعار میں اپنے اس جذبہ اور آرزو کا اظہار کرتی تھیں، خود لکھ پڑھ نہیں سکتی تھیں، عزیزی محمثانی کی لڑکی یا ہمشیرہ کو لکھوادیتیں، دشمنانِ اسلام سے اور مسلمانوں کو ذلیل کرنے والوں سے (جن کا تذکرہ مجلس میں وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا تھا) سخت نفرت تھی، اور ان پر ان کو سخت غصہ آتا تھا، اور یقین ہے کہ ان کے لئے ہدایت کی دعائیں یا ہلاکت کی بددعائیں بھی کرتی ہوں۔

میرے لئے ان کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ مجھ سے دین کی تقویت اور اسلام کی اشاعت ہو، کبھی کبھی مجھ سے پوچھتیں، علی! تمہارے ہاتھ پر کبھی کوئی مسلمان بھی ہوا ہے؟ میں کہتا کہ ہاں، اکا دکا کبھی کسی نے کلمہ پڑھا ہے، فرماتیں کہ یہ آرزو ہے کہ جماعتوں کی جماعتیں تمہارے ہاتھ پر مسلمان ہوں، ایک روز بڑی ٹھنڈی سانس لے رہی تھیں، چھوٹی ہمشیرہ نے کہا کہ آخر آپ کیا چاہتی ہیں؟ کیا آپ کی خواہش ہے کہ علی نبی ہو جائیں؟ فرمایا کہ کیا میں نہیں جانتی کہ نبوت ختم ہو گئی، میری آرزو ہے کہ ان کے ہاتھ پر جماعتوں کی جماعتیں اسلام لائیں اور دنیا میں ایک کونے سے دوسرے کونے تک اسلام کا ڈنکا بج جائے۔

سنت کی پیروی اور دنیا سے بیزاری

آندھی بلکہ تیز ہوا، سخت بارش اور چمک گرج سے ان کو بڑی وحشت اور گھبراہٹ ہوتی تھی، اور فوراً وہ ایسے موقع پر کونے میں چلی جاتیں، اور دعا میں مشغول ہو جاتیں، اس میں بھی غیر اختیاری طور پر ایک سنت کی پیروی تھی، عمر جتنی بڑھتی جاتی تھی، اور دنیا کے حالات و واقعات سننے میں آتے تھے، ان کو اپنے اس وقت تک زندہ

رہنے، اور ان حالات کے دیکھنے پر سخت رنج اور فکر رہتی تھی، لیکن مرضی الٰہی پر صابر وشاکر رہتی تھی، اکثر ٹھنڈی سانسیں لے کر فرماتی تھیں کہ یہ معلوم نہ تھا کہ میں ان حالات کے دیکھنے کے لئے زندہ رہوں گی، معلوم نہیں، اللہ کو اور کیا منظور ہے، اور کیا کیا دیکھنا باقی ہے، قرب قیامت کے فتنوں سے ساری عمر ڈرتی رہیں، ابتدائے عمر میں علامات قیامت اور آثار محشر کے متعلق جو کچھ سنا اور پڑھا تھا وہ دل پر نقش تھا اور ایک ایک حرف پر یقین، ان فتنوں سے اپنی اور اپنی اولاد کی حفاظت کی ہر وقت فکر رہتی تھی، اور اس کے لئے دعائیں کرتی تھیں۔

جمعہ کے دن بہت پابندی سے سورہ کہف کے پڑھنے کا معمول تھا، جس کے پڑھنے کی حدیثوں میں بہت فضیلت آئی ہے، اور اس کو فتنۂ دجال سے حفاظت کے لئے تریاق بتایا گیا ہے، مجھ سے بھی اس کی بڑی تاکید کرتی تھی، اور وقتاً فوقتاً پوچھتی رہتی تھی کہ پڑھتے ہو کہ نہیں؟

محبوب ترین مشغلہ

اس زمانہ میں ان کا سب سے بڑا مشغلہ اور ان کا محبوب معمول قرآن مجید کے ان رکوعوں، آیات، اسماء حسنیٰ اور درود شریف کے ان خاص صیغوں کو پڑھ کر جن کے خاص فضائل اور برکات کتابوں میں یا ان کے تجربے میں آئے تھے، اپنے سب چھوٹوں اور گھر والوں پر دم کرنا تھا، پڑھنے میں تقریباً ان کو پون گھنٹہ، گھنٹہ لگ جاتا تھا، پھر دم کرنے کا ایک طویل سلسلہ رہتا تھا، اخیر میں وہ بہت ضعیف ونحیف ہوگئی تھیں، لیکن معمولات کے پورا کرنے اور اوراد کے پڑھنے میں خدا جانے کہاں سے طاقت آجاتی تھی، کہ وہ قوی

اور تندرست معلوم ہوتی تھیں، چند دن کی بات ہے کہ میں اور میرے بھانجے بھتیجے بیٹھے ہوئے تھے، اور وہ پڑھ رہی تھیں، ہم لوگوں نے کہا کہ یہ قوت معلوم نہیں کہاں سے آرہی ہے؟ یہ محض روحانیت ہے، دم کیا ہوا پانی بھی ہمیشہ رکھا رہتا تھا، اور نزدیک ودور کے مریض اور اہل حاجت آآکر برابر لے جاتے تھے، اور اس کے نفع اور خدا کی دی ہوئی صحت وبرکت کا ذکر کرتے تھے۔

ہر مرتبہ جب کسی بیماری کا حملہ ہوتا تو ہم لوگ سمجھتے تھے کہ یہ چراغ سحری اب بجھا، جسم میں مقابلہ کی کوئی طاقت باقی نہ رہی تھی، صرف ایک یقین، ذوق اور اللہ کے نام کی برکت تھی کہ وہ اپنے معمولات اور اذکار بہت پابندی سے پورا کرتی تھیں جو دن گذر رہا تھا، ہم اس کو غنیمت سمجھتے تھے، میرا یہ حال تھا کہ میں کبھی ان کی عمر کا حساب نہیں کرتا تھا، اور نہ کسی کو کرنے دیتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا یہ سایہ اور ماں کے پاؤں تلے کی یہ جنت ہمارے گھر میں جتنے دن رہے، اللہ کی عنایت اور مہربانی ہے۔

میرا سفر بھوپال اور والدہ کا ایثار

بالآخر جس کا ڈر تھا اور جو ناگزیر ہے، وہ گھڑی پیش آگئی، ۲۳/ اگست ۱۹۶۸ء کو جب وہ بیماری کے ایک ہلکے حملہ سے سنبھلیں تو میں نے عرض کیا کہ دہلی اور بھوپال کے ایک سفر کی ضرورت ہے، لیکن سب سے مقدم آپ کی خوشی اور رضامندی ہے، میں نے حضرت کا خط بھی دہلی لکھ دیا تھا، لیکن ان کی طبیعت میں افاقہ دیکھ کر ذکر کرنا مناسب سمجھا، یہ ان کے لئے سب سے بڑا مجاہدہ تھا، لیکن انھوں نے اپنے کو سنبھال کر جواب دیا کہ اللہ نے تم کو جس کام کے لئے پیدا کیا ہے، اس کے لئے جاؤ، مگر کب تک آجاؤ

گے ؟ میں نے کہا کہ اگلے جمعہ کو ضرور ورنہ سنیچر میں تو فرق نہیں ہوگا (یہی روز ہے جس دن ان کی وفات ہوئی) فرمایا اچھا جاؤ، چلتے وقت مجھے معمول کے مطابق رخصت کیا اور الفاظ قرآنی اور ادعیہ ماثورہ پڑھیں۔

مرض الموت اور ایک مبارک خواب

۲۸/اگست کی صبح کو عزیزی محمد ثانی کا تار بھوپال میں ملا کہ نانی صاحبہ کی طبیعت اچھی نہیں، آپ جلد واپس آجایئے، جس پریشانی کے عالم میں وہاں سے واپسی ہوئی، خدا وہ پریشانی پھر نہ دکھائے، سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ میں ان کی زندگی میں پہونچ جاؤں، بھائی صاحب کی تدفین تک میں نہ شریک ہونے کا داغ عمر بھر رہے گا، موت برحق ہے، کسی نہ کسی دن یہ واقعہ پیش آنے والا ہے، اس کو ٹالا نہیں جاسکتا، اللہ نے فضل فرمایا کہ میں پنجشنبہ ۲۹/اگست کی صبح کو رائے بریلی پہونچا، معلوم ہوا کہ میری روانگی کے ایک روز بعد ہی رات کو جب تہجد کے لئے اٹھیں اور پیشاب کے لئے چوکی پر بٹھایا گیا تو اندھیرے اور نیند میں اندازہ نہیں ہوا، ہاتھ چھوڑ دیا گیا اور گریں شانہ اور کلائی کی ہڈی پر ضرب آئی۔

تارسے ...... ان کو میری روانگی کی اطلاع ہو چکی تھی، اور اس سے ان کو بڑی خوشی ہوئی تھی، میں جب پہونچا تو فرمایا کہ آدھی قوت آگئی، سلام کیا، قریب بلایا اور فرمایا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ "میرے جسم کے روئیں روئیں سے اللہ کی حمد وثناء نکل رہی ہے، اور عجب سرور وذوق ہے" میں نے کہا کہ یہ خواب تعبیر کا محتاج نہیں، بہت مبارک ہے، جمعہ بھی کسی قدر غنیمت گذرا، لیکن ہڈی کی تکلیف زیادہ تھی۔

سفرِ آخرت

سنیچر کی رات بے چینی سے گذری، ظہر کی نماز ہوش وحواس کے ساتھ پڑھی، اور انگلی پر ذکر شروع کر دیا، اس کے بعد ہی سفر آخرت کی منزل شروع ہو گئی اپنی تین مرحومہ بہنوں کا نام لے کر کہا کہ وہ لکھنؤ گئیں، اس کے بعد ہی نزع کی کیفیت شروع ہو گئی، سانس سے اسم ذات اللہ، اللہ کی آواز آنے لگی، جب یہ آواز موقوف ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ ہم سب لوگوں کو چھوڑ کر اپنے اس خالق ومالک کے پاس پہونچ گئیں جس کا ساری عمر نام لیتی رہیں، اور اس کے درِ رحمت پر ہمیشہ دستک دیتی رہیں۔

یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ. (الفجر ۳۰-۲۷)	اے وہ جی جس نے چین پکڑ لیا پھر چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی پھر شامل ہو میرے بندوں میں اور اور داخل ہو میری بہشت میں۔

اگلے روز اتوار ۷؍جمادی الآخرہ ۱۳۸۸ھ کیم ستمبر ۱۹۶۸ء کو صلحاء، علماء، طلباء، اور تبلیغی جماعت کے افراد کے ایک بڑے مجمع نے نماز جنازہ پڑھی اور والد ماجد مولانا حکیم سید عبد الحی رحمۃ اللہ کے پہلو، اور شیخ المشائخ حضرت شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ کی زوجہ محترمہ کے پائتی ہمیشہ کے لئے آسودۂ خاک ہو گئیں، پورے ۴۷؍سال کی مفارقت کے بعد اپنے باکمال شوہر اور رفیق زندگی سے جا ملیں، یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ٹھیک اسی مہینے جمادی الآخرہ (۱۳۴۱ھ) میں والد ماجد نے انتقال کیا تھا۔

ملک اور بیرون ملک سے تعزیت کے جو خطوط آئے ہیں، ان سے دعائے مغفرت اور بہت وسیع پیمانے پر ایصال ثواب کی اطلاعیں ملیں...... نیز بزرگان دین، مشائخ

وقت اور خدا کے مقبول بندوں کے تعزیت ناموں سے اللہ کی رحمت اور ان کی مقبولیت کی امیدیں پیدا ہوتی ہیں۔

جو بیبیاں اور جو مرد اس مضمون کو پڑھیں، ان سے بھی درخواست ہے کہ ان کے لئے دعا مغفرت اور ایصال ثواب سے دریغ نہ فرمائیں کہ دنیا سے جانے والے کو سب سے زیادہ اسی کی ضرورت اور اسی سے خوشی ہوتی ہے، اور ہر چھوٹا بڑا اس کا محتاج ہے (۱)۔

● ● ●

(۱) ذکر خیر ص: ۱۹ تا ۶۷ کچھ حذف واضافہ کے ساتھ۔

میری بہن
امۃ اللہ تسنیم صاحبہ مرحومہ

میری بہن امۃ اللہ تسنیم صاحبہ مرحومہ

پورے نصف صدی پچاس سال کی بھائی بہن کی محبت، یکجائی، رنج وخوشی میں شرکت، مطالعہ وکتب بینی میں رفاقت، تحریر وتصنیف میں صلاح ومشورے پھر حج کی طویل معیت اور آخر میں علالت اور دنیا سے رحلت کی طویل و پر اثر کہانی، پھر ایک غمزدہ بھائی کی زبانی، جس کے دل پر اس حادثہ کی چوٹ لگے ابھی زیادہ دن نہیں گزرے، بڑا مشکل کام ہے، تاریخ اور سیر وسوانح کے بلا مبالغہ ہزاروں صفحے سیاہ کرنے کے بعد بھی قلم کو اس کہانی کے لکھنے میں دشواری پیش آرہی ہے کہ شاید اس میں "جگ بیتی" سے زیادہ "آپ بیتی" کا حصہ ہو اس کہانی کے سنانے سے بہت سے ایسے واقعات اور مناظر آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں، جن سے داغ کہن تازہ ہو جاتے ہیں، آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا جاتی ہیں، اور دل کو تھامے بغیر ان کی کہانی سنانا اور لکھنا ممکن نہیں۔

پچاس سال کی مدت بھی اس خیال سے کہی کہ یہ عقل وشعور کا زمانہ ہے ورنہ بچپن کے ابتدائی سال بھی اگر اس میں شامل کر لئے جائیں تو یہ مدت اور بھی طویل ہو جاتی ہے، مجھ میں اور مرحومہ میں چھ سال کی چھوٹائی بڑائی تھی۔

ان کی ولادت ۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۶ھ (۱۸/ جون ۱۹۰۸ء) بروز جمعرات ہوئی اور میری ولادت ۶/ محرم ۱۳۳۳ھ (۱۹۱۴ء) کو ہوئی ۲۱-۱۹۲۰ء کے لگ بھگ کوئی زمانہ ہوگا، لکھنؤ امین آباد کے اس محلہ میں جس کو اس وقت بازار جھاؤلال کہتے تھے، اب

اس کے سرے پر "محمد علی لین" کا پتھر لگا ہوا ہے والد ماجد مولانا حکیم سید الحی صاحب کا بالکل لبِ سڑک مکان اور مطب تھا، اب بھی خدا کے فضل سے وہ مکان ہمیں لوگوں کے استعمال میں ہے، اسی میں ہمارا چھوٹا سا گھرانا رہتا تھا، یہ ماں باپ اور چار بھائی بہنوں پر مشتمل تھا، دو بھائی اور دو بہنیں، بڑے بھائی جو بعد میں ڈاکٹر حکیم مولوی سید عبد العلی صاحب بی۔ ایس سی، ایم بی بی ایس۔ ناظم ندوۃ العلماء کے نام سے نامور ہوئے، ان سے چھوٹی ایک بہن امۃ العزیز صاحبہ (والدۂ عزیزان مولوی محمد ثانی (۱)، محمد رابع، محمد واضح سلمہم) اللہ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے کہ وہی اب ہمارے چھوٹے سے خاندان کی برکت اور بزرگوں کی یادگار ہیں، ان سے چھوٹی امۃ اللہ تسنیم صاحبہ، جن کو خاندان میں عائشہ بی کی عرفیت اور نام سے سب جانتے اور پکارتے تھے، اور جواب خدا کے جوار رحمت میں پہونچ گئی ہیں سب سے چھوٹا یہ راقم سطور تھا، جس کی عمر اس وقت چھ، سات سال کی تھی، میری بڑی بہن کی شادی ہو گئی تھی، وہ اکثر اپنی سسرال رائے بریلی اور بھاوج صاحبہ اپنے میکہ ہسوہ چلی جاتیں، اور کئی کئی مہینے بھی دونوں کا وہاں قیام رہتا، اس لئے زیادہ تر واسطہ اور یکجائی انھیں مرحومہ بہن سے تھی۔

ہمارا گھرانہ علماء و مصنفین کا گھرانہ ہے، والد صاحب اپنے زمانے کے عظیم مصنفوں میں تھے خاندانی موروثی اثرات بڑے طاقت ور ہوتے ہیں، وہ نسل در نسل منتقل ہوتے رہتے ہیں اور بچوں اور بچیوں سب میں ان کے اثرات کم و بیش پائے جاتے ہیں، کچھ یہ آبائی اثر، کچھ والد صاحب کا ذوق و انہماک ہمارے سارے گھر پر یہ کتابی ذوق سایہ فگن تھا، کتب بینی کا ذوق، ذوق سے بڑھ کر لت اور بیماری کی حد تک پہنچ گیا تھا، کوئی چھپی ہوئی چیز سامنے آجائے تو اس کو پڑھے بغیر نہیں چھوڑ سکتے تھے ہم بھائی بہنوں کو جو

---

(۱) ان کا بھی انتقال ہو چکا ہے۔

تھوڑے سے پیسے دست خرچ کے لئے ملتے یا خاندان کے کوئی بزرگ جاتے ہوئے، اس زمانہ کے خاندانی رواج کے مطابق بچوں کو روپیہ دے جاتے، اس کا ایک ہی محبوب مصرف تھا کہ اس سے کوئی کتاب خرید لی جائے، اس سلسلے میں خود میری ایک دل چسپ کہانی سنتے چلئے کہ میرے پاس اس طرح کچھ پیسے آگئے، وہ ایک دو آنے سے زیادہ نہ تھے، میں اتنا چھوٹا تھا کہ مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کتاب کتب فروشوں ہی کے یہاں ملتی ہے، اور ہر چیز کی دکان الگ ہوتی ہے، میں امین آباد گیا گھنٹہ گھر والے پارک کے سامنے بڑی دکانوں کی جو قطار ہے اس میں کسی دوا فروش کی دکان پر پہنچا غالبًا "سالومن کمپنی" تھی۔ میں نے پیسے بڑھائے کہ کتاب دے دیجئے، دکان پر کام کرنے والے صاحب نے سمجھا کہ کسی شریف گھرانہ کا بھولا بھالا بچہ ہے، کیمسٹ کی دکان پر کتاب کیا ملتی، دواؤں کی فہرست اردو میں تھی، انھوں نے وہی بڑھادی اور پیسے بھی واپس کر دیے، میں پھولے نہیں سماتا تھا کہ کتاب بھی مل گئی اور پیسے بھی واپس آگئے، خوش خوش گھر پہونچا، اور اس سے اپنے چھوٹے سے اس کتب خانہ کو سجایا، جو والد صاحب کے یہاں کی ان کتابوں سے بنایا تھا، جو ان کے لئے بے کار تھیں، اور وہ ردی میں ڈال دیتے تھے یہی شوق میری دونوں بہنوں کا تھا، کتاب کے بغیر ان کو چین نہیں آتا، اس زمانے میں ایک کتاب فروش ہماری گلی میں آتے تھے، اور صدا لگاتے تھے ہرنی نامہ، نور نامہ، حلیمہ دائی کی کہانی، معجزہ آل نبیؐ، میلاد نامہ وغیرہ وغیرہ ان کی صورت ابھی تک آنکھوں میں ہے، وہ ان کتابوں کے اشعار گا گا کر بھی پڑھتے تھے، ادھر ان کی آواز کانوں میں آئی، ادھر ان دونوں بہنوں کی طرف سے حکم ملا کہ فلاں کتاب لے آؤ، دوڑا دوڑا گیا اور کتاب خرید لایا، ہمارا گھرانہ عقائد و مسلک میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا سختی سے پیرو تھا، اور ان کے اثرات ایسے رچ بس گئے تھے، کہ بے اصل اور غیر مستند چیزیں جن سے عقائد میں خلل پڑتا ہو، گھر

میں بار نہیں پائی تھیں، مردوں سے زیادہ عورتیں عقیدہ کے بارے میں سخت تھیں، اس لئے معجزہ آل نبیؐ وغیرہ جیسی کتابوں کا تو یہاں گزر نہ تھا، البتہ سیرت، بزرگوں کی حکایات، اور بے ضرر دلچسپ کتابیں خواہ نظم میں ہوں یا نثر میں ہاتھوں ہاتھ لی جاتی تھیں، ان کتابوں کی قیمت ہی کیا تھی کسی کے دو پیسے کسی کے چار پیسے، بہت قیمت ہوئی تو دو آنہ چار آنہ، دونوں بہنوں میں سے کسی نے ترنم کے ساتھ مزے لے لے کر پڑھنا شروع کیا، اور جب تک کتاب ختم نہ کرلی ان کو چین نہ آیا اسی زمانہ میں جب ''الندوہ'' میں ''میری محسن کتابیں'' کے عنوان سے یہ سلسلۂ مضامین شائع ہو رہا تھا میرے کہنے سے یا اپنے شوق سے ہمشیرہ مرحومہ نے بھی اسی موضوع پر مضمون لکھا جس کا ''میری بے زبان استانیاں'' سا بولتا ہوا عنوان تھا، ان کا مضمون جالندھر کے سنجیدہ زنانہ رسالہ ''مسلمہ'' میں چھپا۔

اسی زمانے میں ایک کتاب جو شاید میں نے اردو نصاب کی ایک کڑی کے طور پر پڑھی ہوگی، وہ ہمارے ہاتھ آئی اور وہ مولوی اسمٰعیل میرٹھی کی کتاب ''سفینۂ اردو'' تھی، اس چھوٹی عمر میں اس کتاب کے منتخب مضامین اور نظموں نے جو اردو کے بہترین انشاء پردازوں اور شاعروں کے قلم سے تھے، ہمارے دل و دماغ پر بڑا اثر ڈالا خاص طور پر مولانا ظفر علی خاں کی نظم ''راجہ دسرتھ کی کہانی ان کی زبانی'' جس میں انھوں نے بڑے پر اثر انداز میں راجہ دسرتھ کے ہاتھ سے ایک رشی کے لڑکے (جو اپنے بوڑھے باپ کے لئے پانی لینے صبح تڑکے دریا پر گیا تھا، اور ان کے تیر سے گھائل ہو گیا تھا) کی دل دوز کہانی سنائی ہے، اس میں ان کی شاعری کا جوہر اور پر اثر مناظر و جذبات کی تصویر کشی کا کمال اپنے پورے عروج پر ہے، ہم دونوں بھائی بہنوں نے مزے لے لے کر یہ کہانی بار بار پڑھی اور عجب نہیں کہ اس کے بعض بعض حصوں پر ہمارا دل امنڈ آتا اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی

ہوں، اس نظم کا مطلع تھا۔

ابر تھا چھایا ہوا اور فصل تھی برسات کی
تھی زمیں پہنے ہوئے وردی ہری باغات کی

اسکے بعد ان کی دوسری نظم کا نمبر تھا، اور وہ موسیٰ ندی کے طوفان والی نظم تھی جس کا مطلع تھا۔

اے نامراد ندی تجھ پر غضب خدا کا
الٹا ہے تو نے تختہ یاران آشنا کا

ہم لوگ خود کئی بار دریا کے کنارے بسنے کی وجہ سے جس میں زبردست سیلاب آتے ہیں، اس تجربے سے گذر چکے ہیں، اس لیے اس مصیبت کا اندازہ کر سکتے تھے، جو موسیٰ ندی کے سیلاب کی زد میں آنے والوں پر گذری ہوگی اس مجموعہ کے مضامین نظم ونثر کے بار بار پڑھنے سے ہم لوگوں کے اندر اچھی عبارت اور اچھے شعر کا لطف لینے کی صلاحیت پیدا ہوئی۔

ہمارے گھر خدا کے فضل سے مہمانوں کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا، ان کی کوئی تعداد اور وقت مقرر نہ تھا، اس زمانے میں شرفاء کا دستور تھا، کہ اگر کسی خاندان کا کوئی گھر کسی شہر میں ہو تو اس خاندان کے افراد خواہ دور کے عزیز ہوں یا قریب کے کسی ضرورت سے بھی ان کا شہر میں آنا ہو تو وہ اسی گھر کے مہمان ہوں گے، ان مہمانوں کے لئے کھانا تیار کرنا اکیلی ماما کے بس کا کام نہ تھا، جو کھانا پکانے کے لئے ملازم تھی، اس کا بوجھ سب سے زیادہ میری انھیں چھوٹی بہن پر پڑتا تھا، والدہ صاحبہ نے جن کو کھانا پکانے، سینے پرونے اور کشیدہ کاری میں بڑی مہارت تھی، اور اس میں نئی نئی ایجادیں اور اختراعیں کرتی رہتی تھیں، بہن کو ان کاموں کے لئے خوب تیار کر دیا تھا، اور اکثر ان کی جفاکشی اور وقت و بے وقت محنت پر بھائی صاحب کو ترس آجاتا، اور کبھی کبھی ہمت افزائی کے لئے وہ ان کے پاس

بیٹھ جاتے، اور ہاتھ بٹانے کی کوشش کرتے،

ہم لوگوں کے گھروں میں لڑکیوں کی تعلیم گھروں ہی میں ہوتی تھی، ہمشیرہ نے اس وقت تک ساری تعلیم والدہ صاحبہ اور اپنے چچا مولوی سید عزیزالرحمٰن صاحب ندوی سے پائی تھی، جو قرآن شریف، اردو اور کسی قدر فارسی سے آگے نہ تھی، مقبول محبوب کتاب "صمصام الاسلام" تھی، یہ واقدی کی عربی کتاب فتوح الشام کا منظوم ترجمہ ہے جس میں تقریباً پچیس ہزار شعر ہیں، گویا یہ اس وقت کا سب سے مشہور و مقبول "شاہنامہ اسلام" تھا، یہ کتاب اسی خاندان کے ایک بزرگ راقم سطور کے والد کے پھوپھا منشی سید عبدالرزاق صاحب کلامی ٹونکی کی نظم کی ہوئی ہے جو بڑے قادرالکلام شاعر بھی تھے، اور جذبۂ جہاد اور جوش اسلامی ان کو اپنے جد امجد سید احمد شہیدؒ سے ورثہ میں ملا تھا، کتاب کیا ہے معلوم ہوتا ہے، کہ معرکۂ جہاد برپا ہے، تلواریں چمک رہی ہیں، مجاہدین ہتھیلی پر سر رکھے ہوئے لڑ رہے ہیں، اور راہ خدا میں جان دے اور لے رہے ہیں، کتاب کی تاثیر کا یہ عالم ہے کہ پڑھنے والے کی آواز گلوگیر اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں، اور سننے والوں کو سروپا کا ہوش نہیں رہتا ہمارے خاندان میں مدت سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ کسی حادثہ یا تقریب کے موقع پر گھروں میں کوئی خاتون جو اس کتاب کو روانی سے پڑھ سکتیں، پڑھتیں، اور خاندان کی سب بی بیاں اور بچیاں سنتیں، ہمارے خاندان میں اس کے پڑھنے میں دو کو خاص امتیاز حاصل تھا، بڑی بوڑھیوں میں میری حقیقی خالہ صالحہ بی بی کو جو قرآن کی جید حافظ بھی تھیں اور ان مرحومہ بہن کو، اخیر اخیر تک یہ کتاب ہمشیرہ کو بہت عزیز رہی، اور اس سے انھوں نے اپنے مضامین اور شعر گوئی میں فائدہ اٹھایا۔

اسی زمانہ میں انھوں نے کہیں مولانا سید سلیمان ندوی کی مشہور کتاب "سیرۃ عائشہؓ" کا اشتہار دیکھا، اب یاد نہیں کہ بھائی صاحب مرحوم نے اس کتاب کا تذکرہ کیا یا

اس کے اشتہار پر نظر پڑی بہر حال ہمشیرہ نے اس کو حاصل کیا اور حرز جان بنالیا، اس سے مناسبت کی کئی کھلی وجہیں تھیں، ایک تو ہمنامی کا شرف وافتخار، دوسرے حضرت صدیقہ کا علمی کمال وامتیاز جس کی ان کے دل میں شروع سے قدر ومنزلت تھی، بہر حال اس کتاب کو انھوں نے پڑھا ہی نہیں، بلکہ اس کے مضامین کو اپنے اندر اتارلیا، اور جذب کرلیا، اور وہ ان کی بڑی رہنما کتاب ثابت ہوئی، اسی زمانے میں اور عجیب نہیں اسی کتاب کا فیض ہو، انھوں نے عربی پڑھنا شروع کی، میری عربی زبان کی تعلیم کا بھی یہ دور طفولیت تھا۔ مگر میں گھر کے باہر نامور اور باکمال اساتذہ سے پڑھتا تھا جن میں امام فن شیخ خلیل عرب یمنی بھوپالی کا پایہ سب سے بلند تھا، اس لئے میں ان کی تھوڑی بہت مدد کرنے کے قابل ہو گیا تھا، سب سے بڑی مدد ان کو اپنے پھوپھا مولانا سید طلحہ صاحب حسنی سے ملی تھی، جو گرمیوں کی چھٹیوں میں لاہور سے وطن آتے تھے، ان کو علم کو گھول کر پلادینے کا ملکہ تھا، صرف ونحو کے ضروری مسائل کی مشق کرانے میں ید طولی حاصل تھا، اور ان کے اس میں عجیب عجیب چٹکلے تھے، ان کو تاریخ اور شعر وشاعری کا بھی بڑا اچھا ذوق تھا، ہمشیرہ کی طبیعت ہمیشہ سے موزوں واقع ہوئی تھی، اور موزونیت طبع کا یہ ورثہ ہم بھائی بہنوں میں صرف انھیں کو ملا تھا، گلِ رعنا گھر کی چیز تھی، اس کو انھوں نے اتنی بار پڑھا تھا کہ گویا اس کی حافظ تھیں، خاندان میں بیت بازی کا رواج پرانا ہے اس میں اگر بے اعتدالی نہ ہو تو فائدے بھی بہت ہیں، اس میں ان سے مشکل سے کوئی بازی لے جاتا، اشعار کا انتخاب بہت صاف ستھرا تھا، آگے چل کر انھوں نے خاص اس موضوع پر کتاب بھی لکھی جو اساتذہ کے منتخب اور پاکیزہ اشعار کا بڑا اچھا مجموعہ بن گیا، ان کو کتابیں جمع کرنے کا شوق بہت تھا، گھر میں جو پرانی وضع کا بنا ہوا تھا، انھوں نے اس کے لئے الگ ایک جگہ مقرر کرلی تھی، جہاں وہ اپنا کتابی ذخیرہ رکھتی تھیں۔

مطالعہ و تحریر کے اس شوق سے یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ دست کاری اور کشیدہ کاری سینے، پکانے کے ان کاموں سے ناواقف تھیں، یا ان کو ان کاموں سے وحشت تھی، جو بچیوں اور خواتین کے لئے ضروری سمجھے جاتے ہیں، وہ ان چیزوں میں بھی بڑی مشاق اور مستعد تھیں، اور اپنی ہم عمروں میں کسی سے کم نہ تھیں۔

۲۵؍ نومبر ۱۹۲۶ء کو ان کی شادی اپنے حقیقی ماموں زاد بھائی مولانا سید ابوالخیر صاحب حسنی سے ہوئی، یہ نسبت تو بہت قدیم تھی لیکن مختلف حوادث کی وجہ سے اس میں تاخیر ہوتی چلی گئی، پھر اس وقت تک ان کی عمر بھی زیادہ نہیں ہوئی تھی ہمشیرہ مرحومہ کی زندگی کے بہترین دن وہ چند ابتدائی سال تھے جو انھوں نے اپنے والد کے برابر شفیق ماموں اور خسر مولوی حافظ سید عبید اللہ صاحب مرحوم (فرزند حضرت سید شاہ ضیاء النبی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مئی ۱۹۳۸ء میں ان کا انتقال ہو گیا) کے زیر سایہ بسر کئے، بھائی سید ابوالخیر صاحب مرحوم نے یکم جون ۱۹۷۰ء میں انتقال کیا۔

بھائی مرحوم سے ان کی تین اولادیں ہوئیں، دو بچیاں اور ایک بچہ سالم، یہ سب شیر خوارگی ہی میں ان کو داغ مفارقت دے گئے، ایسا پڑھا لکھا جوڑا ہمارے خاندان میں مشکل سے ہوگا، لیکن ان کی قسمت میں ان معلوم و نامعلوم حکمتوں کی بنا پر جن کا علم خدائے علیم و خبیر، رحیم و کریم کو ہے اور کسی کو نہیں، لطف و مسرت کے یہ دن ۱۹۴۳ء کو ختم ہوگئے۔ اور ان کو وہ داغ پیش آیا جو ہندوستان کی شریف خواتین کے لئے عام حالات میں ناقابل برداشت ہوتا ہے، لیکن انھوں نے اپنی قوت ایمانی اور کسی قدر علمی مشغلے اور ذوق کی مدد سے اس کو نہ صرف برداشت کیا بلکہ ان کی زندگی کا یہ موڑ ان کی ہزاروں ترقیوں اور سعادتوں کا ذریعہ بن گیا اور ؎

طے شود ایں جادۂ آبے گاہ

کا ظہور ہوا، ان کی تنہائی کی یہ بقیہ زندگی جو پینتیس برس کا عرصہ ہے اپنے بھائیوں کے پاس گزری، اور اسی گھر کے دروازے سے وہ آخری بار رخصت ہو کر اپنی والدہ محترمہ کے پہلو میں ہمیشہ کے لئے آسودۂ خاک ہو گئیں۔

یہ وہ زمانہ ہے جب ان کا وقت لکھنے پڑھنے اور خدا کے سامنے ہاتھ پھیلانے اپنا درد دل کہنے، دعا و مناجات، ذکر و اذکار، تلاوت قرآن، اور تحریر و تصنیف کے سوا اور کسی چیز میں نہیں گزرتا تھا۔

آزمائش سخت تھی اور ان کا دل کمزور، درد مند اور حد درجہ حساس تھا، اس کا امکان تھا کہ ان کے دل و دماغ پر ایسا اثر پڑ جائے کہ اس کا تحمل نہ کر سکیں اس موقع پر بھائی صاحب مرحوم نے (جو شفیق بھائی بھی تھے اور حاذق طبیب بھی ان کے علاج کے لئے ایک نسخہ تجویز کیا، جو طب نبوی سے ماخوذ تھا، انھوں نے ان کے ذہن کو مشغول اور قلب کو مطمئن کرنے کے لئے مشورہ دیا کہ وہ مشہور محدث امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۷۶ھ) کی مشہور اور سراپا برکت کتاب "ریاض الصالحین" کو اردو میں منتقل کر دیں، یہ کتاب بھائی صاحب مرحوم کو بہت عزیز تھی اور انھیں کی تحریک سے وہ پہلی مرتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے نصاب میں شامل کی گئی اور اب وہ بلاد عربیہ کے دینی و دعوتی حلقوں کی مقبول ترین کتاب ہے، اس وقت تک اس کا اردو میں ترجمہ نہیں ہوا تھا، لیکن کام آسان نہ تھا، اصل کتاب متوسط سائز کے باریک مصری ٹائپ میں ساڑھے چار سو صفحات سے زیادہ میں آئی ہے، اس میں احادیث کی تعداد ایک ہزار نو سو تین (۱۹۰۳) ہے، اس میں صحاح کی وہ احادیث بھی ہیں جن کی شرح میں بڑے بڑے مشکل مقامات آتے ہیں، اور چوٹی کے علماء نے اس کی تشریح میں درجنوں اور بیسیوں صفحات رنگین کئے ہیں، انھوں نے حدیث باقاعدہ حدیث کے (کسی مدرسہ اور دار العلوم کا کیا ذکر) کسی

استاذ سے بھی نہیں پڑھی تھی، اور خانگی تعلیم و مطالعہ اور مدرسہ کی باقاعدہ تعلیم میں بڑا فرق ہوتا ہے، لیکن اللہ نے ان کو ہمت دی، اور انھوں نے "زادِ سفر" کے نام سے اس کا ترجمہ ذیلی عنوانات اور تشریحی نوٹس کے ساتھ مکمل کر لیا، یہ ترجمہ جس کا چوتھا ایڈیشن پیش نظر ہے دو حصوں اور آٹھ سو بہتر صفحات میں آیا ہے، اس وقت غور کرتا ہوں تو یہ بات ایک کرامت سی معلوم ہوتی ہے، معلوم نہیں یہ مخلص بھائی کی کرامت تھی یا دردمند اور مجروح و شکستہ قلب کی جس کے متعلق ارشاد باری ہے "انا عند المنكسرة قلوبهم" (میں شکستہ دلوں کے پاس ہوتا ہوں) بہر حال اب جب حدیث کی اس ضخیم کتاب پر نظر ڈالتا ہوں جس نے انشاء اللہ ان کے اس سفر روحانی میں سفینۂ نورانی کا کام دیا ہوگا، تو جلیل مانک پوری کا یہ مصرعہ بے اختیار یاد آ جاتا ہے ؎

مل گیا زادِ سفر مجھ کو سفر سے پہلے

مولانا شاہ حکیم عطا صاحب نے اس مسودے پر نظر ثانی کی اور مفید مشورے دئے اور ان کی خوش قسمتی تھی کہ فاضل یگانہ اور محقق زمانہ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے از راہ شفقت و عنایت (۱۵ر شعبان ۱۳۶۵ھ کو) اس پر مقدمہ لکھا، انھوں نے اپنے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے:

> "ہم کو اس اظہار میں بڑی خوشی ہے کہ امام نوویؒ کی اس کتاب "ریاض الصالحین" کا ترجمہ اس گھرانے نے کیا ہے جس نے سنت نبوی کی اشاعت اور بدعت کے ازالہ کا کام ایک صدی پہلے سے شروع کر رکھا ہے، اور جن کے انوار و برکات ملک میں ہر جگہ نمایاں ہیں، **اللهم زد فزد ولا تنقص**"

آگے چل کر لکھتے ہیں:-

''مترجمہ'' موصوفہ نے ترجمہ میں زبان کی سلاست اور روانی
کا لحاظ رکھا ہے جگہ جگہ حاشیئے بڑھائے ہیں، ہر حدیث کا عنوان قائم کیا
ہے، جن سے حدیث کے مغز سخن تک پہونچنے میں ناظرین کتاب کو
بڑی آسانی ہو جاتی ہے''۔

کتاب کی غیر معمولی مقبولیت کا ایک اظہار تو بہت سے ان تعزیتی خطوط سے ہوتا ہے، جو ان کی وفات پر موصول ہوئے ہیں، اور جن کے لکھنے والوں نے اس کتاب سے اپنے گہرے تاثرات اور استفادہ کا ذکر کیا ہے، دوسرے یہ کہ شاید وہ پہلی ہندوستانی خاتون ہیں جن کی تصنیف جدہ کے سعودی ریڈیو اسٹیشن سے بالاقساط اردو کے پروگراموں میں نشر ہوئی اور رابطہ عالم اسلامی نے اس کے کئی سو نسخے خرید کر اردو بولنے اور سمجھنے والے ملکوں میں بھیجے اس لئے ذوق کا یہ مصرعہ بالکل ان کے حسب حال ہے۔

تری آواز مکے اور مدینے

اس کتاب کی کھلی ہوئی برکت یہ ظاہر ہوئی کہ اس کے مکمل کرنے کے بعد ہی اللہ نے ان کو سفر حج کی سعادت نصیب فرمائی، اور اس بارگاہ قدس پہونچایا جسکے کلام و پیام کی انھوں نے اپنی بساط بھر خدمت کی تھی، اس سفر کی کہانی بھی عجیب مؤثر اور سبق آموز ہے۔

۱۹۴۷ء کے اپریل کا مہینہ ہوگا کہ مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ امیر جماعت تبلیغ نے مجھے حجاز کے لئے رخت سفر باندھنے کا حکم دیا، اور طے کیا کہ میں وہاں کچھ مدت قیام کر کے، اس دعوتی کام کو آگے بڑھانے اور علمی حلقوں میں متعارف کرانے کی کوشش کروں، جس کا آغاز چند ہی سال پہلے کیا گیا تھا، انھوں نے نہ صرف یہ کہ حکم دیا بلکہ سامان سفر بھی کر دیا، ہمارے مخدوم اور سراپا شفقت بزرگ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نے جن کی خصوصی نظر شفقت شروع ہی سے مجھ نااہل پر رہی ہے، حکم

دیا کہ میں والدہ محترمہ، اپنی اہلیہ اور خواہر زادہ عزیزی مولوی محمد ثانی کو بھی ساتھ لے لوں تاکہ دل جمعی کے ساتھ وہاں دعوت کے کام میں مشغول رہ سکوں، وہ گھڑی کبھی نہ بھولے گی جب ہمشیرہ مرحومہ جو اس سفر کی باتیں کئی دنوں سے سن رہی تھیں، اچانک میرے کمرے میں داخل ہوئیں، اور بے قراری کے ساتھ روئیں اور کہا کہ علی! کیا تم ہم کو یہیں چھوڑ جاؤ گے، مجھے خود گریہ کو ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا، ان کی زندگی کے سارے واقعات میرے سامنے تھے، میں نے کہا نہیں، میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے بغیر نہیں جاؤں گا، آپ اطمینان رکھیں، آپ جائیں گی تو ہم بھی جائیں گے ورنہ کوئی نہیں جائے گا، وہ سن کر خاموش چلی گئیں۔

میں نے کہنے کو تو یہ کہہ دیا لیکن مشکل یہ تھی کہ اس وقت جب کہ جنگ ختم ہوئے اور حجاز کا راستہ کھلے ہوئے ایک ہی سال ہوا تھا، سفر کے لئے مسافروں کا کوٹہ مقرر تھا، درخواست دینی پڑتی تھی، پھر پرمٹ آتا تھا، اور وہی لوگ جاسکتے تھے، جن کا محکمۂ حج کی طرف سے پرمٹ آگیا ہو، ہم تین کے پرمٹ آچکے تھے، لیکن عزیزی مولوی محمد ثانی اور ہمشیرہ کے لئے اس وقت تک کوئی درخواست نہیں دی گئی تھی، اور قوی اندیشہ تھا کہ وقت نکل جانے کی وجہ سے ان کے لئے انکار ہو جائے، تن بہ تقدیر میں دہلی گیا، اس وقت لال شاہ گورنمنٹ آف انڈیا میں حج آفیسر تھے میں ان سے ملا، انھوں نے کہا کوٹے میں اب کوئی گنجائش نہیں، میں مایوس آرہا تھا، کہ انھوں نے پھر مجھے آواز دی اور کہا، مولانا! گنجائش تو نہیں ہے مگر ایک بات نجی طور سے کہتا ہوں کہ اگر آپ بندرگاہ پر پہونچ گئے تو گنجائش نکل آئے گی، جان میں جان آئی، میں نے لکھنؤ آکر بہن کو یہ مژدہ سنایا کہ اب آپ کی دعا کی ضرورت ہے، کراچی تک تو ہم سب ساتھ چلیں گے، آگے آپ کی دعا اور اللہ کی رحمت۔

وہ اس مشکوک صورت حال میں بھی چلنے کے لئے تیار ہو گئیں، ان کی گویا اسی دن عید ہو گئی، برسوں کے بعد ان کو خوشی کی ایک ساعت نصیب ہوئی تھی، وہ خوش خوش رائے بریلی اپنی بہنوں سے ملنے اور سب سے رخصت ہونے گئیں، بالآخر اس مبارک سفر کی گھڑی آگئی۔

۲۶/جون ۱۹۴۷ء (شعبان ۶۶ھ) کو یہ چھوٹا سا قافلہ جو ایک ہی گھر کے پانچ افراد پر مشتمل تھا، پنجاب میل سے روانہ ہوا، سارا راستہ امید و بیم کی حالت میں گزرا راستہ میں ہمشیرہ جو زنانہ ڈبہ میں تھیں والدہ مرحومہ کی پر اثر مناجاتیں پڑھ کر سناتیں جس میں اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر ادا کیا گیا تھا، لاہور کے راستے ہم لوگ کراچی پہونچے بمبئی ہم سے قریب تھا، لیکن وہاں اس وقت تک کسی سے تعارف نہیں تھا، کراچی کا انتخاب حاجی عبدالجبار صاحب کی وجہ سے کیا گیا جو دہلی کی پنجابی برادری سے تعلق رکھتے تھے، کراچی کے مشہور و معروف تاجر اور تبلیغی جماعت کے وہاں داعی اول اور سرگرم کارکن تھے، ان سے نظام الدین میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی زندگی اور سایۂ عاطفت میں تعارف ہوا تھا، کراچی ہم لوگوں کا پہونچنا اچانک ہوا اب یاد نہیں کہ حاجی صاحب کو تار کیوں نہیں دیا گیا، رات تو ہم لوگوں نے جیسے تیسے حاجی کیمپ میں گزاری، پھر میں حاجی صاحب کی خدمت میں پہونچا اور ڈرتے ڈرتے کہا کہ ہمارے ساتھ دو رفیق بغیر پرمٹ کے ہیں، (اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے) سنتے ہی کہا، آپ کچھ فکر نہ کیجئے، سب کا انتظام ہو جائے گا، اسی وقت اپنے صاحبزادے کو حکم دیا کہ گاڑی لے کر جاؤ اور سب کو لے آؤ، اور بھائی صاحب (حاجی عبدالستار) کے یہاں ٹھہراؤ، اسی وقت شاداں و فرحاں یہ قافلہ حاجی عبدالستار صاحب کی کوٹھی پر پہنچ گیا، ان کی کوٹھی کا بالائی حصہ جو کئی کمروں پر مشتمل تھا ہم لوگوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا، اللہ تعالیٰ ان دونوں بھائیوں

کے درجے بلند فرمائے، اور کروٹ کروٹ آرام پہونچائے کہ حاجی عبد الجبار صاحب نے دلجوئی ور فاقت اور حاجی عبد الستار صاحب اور ان کے اہل خانہ نے خاطر داری، اور ضیافت میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا، ہم لوگوں کے ٹکٹ علوی جہاز سے تھے جو چھوٹا بھی تھا اور اس کی تاریخ بھی قریب تھی، ادھر ہمشیرہ مرحومہ نے مستورات کے بعض تبلیغی جلسوں میں اپنا کوئی دینی مضمون یا زاد سفر کا کوئی حصہ پڑھ کر سنایا، ادھر میں بھی تبلیغی میدان میں اب سے زیادہ نمایاں تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حاجی عبد الجبار صاحب مرحوم نے یہ صائب مشورہ دیا (جس کی حکمت بعد میں معلوم ہوئی) کہ آپ علوی جہاز کے بجائے اسلامی جہاز سے سفر کریں، جو بڑا بھی ہے اور آرام دہ بھی اور جس کی روانگی سے پہلے ہم کو ہفتہ عشرہ مزید استفادہ کا موقع مل جائے گا، ان کے اصرار اور محمد شفیع صاحب قریشی مرحوم کی تائید سے جو اس وقت کراچی میں مقیم تھے اور تبلیغی جماعت کے صف اول کے کارکن تھے، ان کا مشورہ مان لیا گیا، جن لوگوں نے علوی جہاز سے سفر کیا انھوں نے سخت تکلیف اٹھائی اور بڑی تاخیر سے پہونچے، اس کے علاوہ اسلامی جہاز میں سفر کرنے میں کئی حکمتیں تھیں جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

اسلامی جہاز میں فرسٹ کلاس کا جو کیبن ہم کو ملا اس سے ملے ہوئے دو کیبن میں بمبئی کے ایک بڑے میمن تاجر حاجی احمد اور ان کے خاندان کے لوگ تھے، وہاں بھی وہی پیش آیا جو کراچی میں پیش آیا تھا، جہاز میں تبلیغی اور دعوتی فضا تھی، مستورات کے الگ جلسے ہوتے تھے، وہاں کسی طرح جہاز کی مسافر خواتین کو معلوم ہو گیا کہ ہمشیرہ مصنف اور اہل قلم ہیں، اور دینیات سے واقف ہیں بس کیا تھا ایک ہی دو مضامین کے بعد یہ خواتین ان کی گرویدہ ہو گئیں، ان سب سے زیادہ گرویدگی اور تعلق حاجی احمد صاحب کے خاندان کو خصوصیت کے ساتھ ان کی خوش دامن صاحبہ کو ہوا، وہ تو بالکل ماں کا سا سلوک کرنے

لگیں، ہمشیرہ کا دل ہمیشہ سے کمزور تھا اور صدموں نے اور بھی کمزور کر دیا تھا سمندر میں طوفان تھا اور جہاز میں غیر معمولی حرکت اور آواز، اُن کو اختلاج ہونے لگا اور دہشت طاری ہو گئی، اس موقع پر یہ نیک دیندار خاتون فرشتۂ رحمت بن کر سامنے آئیں، وہ ان کی ہر طرح سے تسلی کرتیں، اپنے کیبن میں لے جاتیں اور خاطر داری کرتیں، ان کی جدائی گوارہ نہ تھی، عقیدت و شفقت دونوں ان میں جمع تھی، یہ تعلق ایسا بابرکت اور پائدار ثابت ہوا کہ حج سے واپسی کے بعد اور ان مرحومہ کی وفات تک جو کراچی میں پیش آئی، انھوں نے اپنے خطوط، تحائف کا سلسلہ بند نہیں کیا، ہمشیرہ مرحومہ اس خاندان کی شرافت و محبت کو جب یاد فرماتیں تو ان کے ہر انداز سے ممنونیت کا اظہار ہوتا، اور ان کا رواں رواں آخر تک ان کے لئے دعا کرتا رہا، بندرگاہ پر اترنے میں بھی انھوں نے بڑی مدد کی اور حرمین شریفین میں بھی برابر وہ آتی جاتی اپنے ساتھ لے جاتی تھیں ہم لوگوں کی واپسی پر بمبئی میں انھوں نے باصرار اس زنانہ قافلہ کو اپنی کوٹھی پر ٹھہرایا، ہمشیرہ ہی نہیں بلکہ جن جن بچیوں سے ان کو خاص تعلق تھا ان کے ساتھ بھی وہ اپنی محبت کا اظہار کرتی رہیں، بمبئی ہی میں محمد ثانی سلمہ کے یہاں پہلی ولادت کی اطلاع ملی تو انھوں نے اس بچی کے لئے جو ماشاءاللہ اب خود دو بچوں کی ماں ہے (امامہ حسنی) کپڑے اور کھلونے بھیجے، والدہ مرحومہ کی برکت یا ہمشیرہ مرحومہ پر اللہ کی رحمت کہ اس سفر میں قدم قدم پر اللہ کی مدد اور عنایت کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوتا رہا۔

حج میں خاص طور سے میدان عرفات میں بڑی مشغولیت اور دعا و مناجات میں وقت گذرا ان کا حال عرفات کی دعائے ماثورہ کے الفاظ کی تصویر تھا۔

"انا البائس الفقير المستغيث المستجير الوجل المشفق" (میں دکھیارا، محتاج، فریادی، پناہ چاہنے والا، لرزاں و ترساں)۔

حج سے آنے کے بعد ان کا سب سے اہم اور مقدس مشغلہ والدہ صاحبہ مرحومہ کی خدمت اور ان کی مدد تھی جو روز بروز ضعیف اور معذور ہوتی جارہی تھیں، اور عمر کے آخری برسوں میں ان کی بصارت بالکل جاتی رہی، یہ کام مشکل بھی تھا اور نازک بھی، ہر وقت کی ذمہ داری، ضعف و معذوری کے تقاضے اور لوازمات اور ماں کا معاملہ، یہ انھیں کی سعادت وہمت تھی کہ انھوں نے آخری دم تک اس کو ایسی خوبی سے نبایا، اور فَلاَ تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلاَ تَنْهَرْ هُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلاً کریما پر ایسا عمل کیا کہ وہ اس دنیا سے مسرور مطمئن اور ان کے حق میں دعاگو ہو گئیں، یہ ایک دو سال کا معاملہ نہ تھا، تقریباً دس دس برس ضرور اس مسلسل اور صبر آزما خدمت کے گزرے، یہ ان کی زندگی کا ایک روشن باب ہے، اور آخرت کی زندگی کا ایک بڑا قیمتی ذخیرہ، رضوان کے ایک خصوصی نمبر میں جو والدہ صاحبہ کے انتقال پر نکلا تھا ان کا جو مضمون شائع ہوا تھا اس میں اس دور کی کچھ جھلکیاں نظر آتی ہیں۔

۱۹۴۳ء میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے غریب خانہ رائے بریلی تشریف لائے تھے، تو انھوں نے والدہ محترمہ اور خاندان کی دوسری بیبیوں اور بہنوں کے ساتھ ان کے ہاتھ پر بیعت اور توبہ کی تھی، پھر ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت کی تجدید کی، اور آخر وقت تک ان سے محبت وعقیدت کا تعلق رہا، خط وکتابت کی بھی نوبت آئی، انھوں نے ایک مرتبہ مولانا کی خدمت میں ایک بڑا دردانگیز اور پراثر خط لکھا تھا اور دعا وتوجہ کی درخواست کی تھی، مولانا نے اس کا غیر معمولی شفقت اور نہایت خصوصیت کا جواب دیا تھا جو میری نظر سے گذرا تھا، اس کے لفظ لفظ سے ان کے گہرے تاثر اور بزرگانہ شفقت کا اظہار ہوتا تھا، اس میں انھوں نے ان کو بڑی تسلی دی تھی، اور اظہار ہمدردی فرمایا تھا، ہماری بڑی بہن اور گھر

کے کئی افراد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سے بیعت وتربیت کا تعلق رکھتے ہیں، ہمشیرہ مرحومہ کو بھی حضرت شیخ سے خصوصی عقیدت تھی، اور ایک مرتبہ انھوں نے خادمانہ شکوہ کیا کہ وہ بڑی بہن کو (جن کی خط وکتابت کا سلسلہ جاری رہتا تھا) تنہا سلام لکھتے ہیں اور دعا دیتے ہیں، حضرت شیخ نے اس کے بعد التزام کرلیا کہ ہر خط میں ان کو ضرور سلام لکھیں اور دعا میں شریک رکھیں۔

ہمشیرہ مرحومہ نے اس زمانہ میں متعدد دینی مضامین اور رسالے لکھے، مجھے جب خدا نے عربی میں بچوں کی زبان میں مدارس کے ابتدائی نصاب کے لئے تین حصوں میں انبیاء علیہم السلام کے قصے لکھنے کی توفیق عطا فرمائی جو قصص النبیین للاطفال کے نام سے شائع ہوئے تو انھوں نے اس کا آزاد ترجمہ کیا جو ایک مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے اور بچوں کی قصص الانبیاء کے نام سے شائع اور مقبول ہو چکا ہے، بھائی کو تو اس وقت تین ہی حصے لکھنے کی توفیق ہوئی لیکن بلند ہمت بہن نے چوتھا اور پانچواں حصہ لکھ کر اس سلسلے کو مکمل کرلیا، چوتھے حصے میں حضرت شعیبؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت داؤد و سلیمان علیہم السلام وغیرہ کے قصے ہیں، اور پانچواں حصہ خاتم النبیین ﷺ کی سیرت پر مشتمل ہے جو ہمارے حضورؐ کے نام سے شائع ہو کر مقبول ہو چکا ہے۔

ہمارے خاندان میں ایک دعائیہ نظم بڑی مقبول اور مروج ہے، پریشانی اور اکثر وظیفہ کے طور پر بڑے ترنم اور رقت سے پڑھی جاتی ھے، یہ خاندان کی مستورات اور لڑکیوں کو زبانی یاد ہے، یہ کسی غیر معروف لیکن برگزیدہ شاعر کی لکھی ہوئی ہے جن کا تخلص ہاتف تھا، اس میں خدا کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک ایک نام لے کر اس سے دعا کی گئی ہے، یہ نعت عظمیٰ کے نام سے مشہور تھی، ہمشیرہ مرحومہ کو اس سے خاص طور پر شغف تھا، انھوں نے اس کو "مناجات ہاتف" کے نام سے شائع کیا اس کتاب کی اشاعت

بھی ان کے حسنات میں سے ہے۔

اس زمانہ میں ایک مشغلہ ان مناجاتوں اور اشعار کا نقل کرنا بھی تھا، جو والدہ مرحومہ موزوں کرتیں، وہ خود نہیں لکھ سکتیں، اس لئے لکھاتیں، یہ کام زیادہ تر انھیں کو کرنا پڑتا تھا، اسی کے ساتھ انھوں نے اپنی بڑی بہن کے گھر کا انتظام بھی جو ماشاء اللہ بڑا اور آباد گھر ہے، اپنے شوق سے اپنے ذمہ لے لیا اور ان کو تقریباً اس فکر سے فارغ کر دیا، اپنا دل بہلانے اور خدمت کے جذبہ سے انھوں نے روزمرہ کی ضروریات کا سامان بھی رکھنا شروع کیا، اور اس طرح تجارت کی ایک سنت بھی ادا ہو گئی، اس سے ان کو اکثر اوقات بڑی پریشانی اٹھانی پڑتی تھی، اکثر یہ سامان قرض پر جاتا تھا، اور ان کی بڑی بڑی رقمیں لوگوں کے ذمہ جاتی تھی، کئی مرتبہ ان سے کہا گیا کہ وہ یہ تردد اور دردسری کیوں مول لیتی ہیں وہ اس کا جواب دیتی تھیں کہ ہم یہ سامان نہ رکھیں تو لوگوں کو پریشانی ہو جائے گی اس سے وقت، بے وقت لوگوں کا کام چل جاتا ہے، اور عزیزوں کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے، یاد رہے کہ ہم لوگوں کا مسکن شہر سے دور ہے اور قریب کوئی بازار اور دوکان نہیں۔

دسمبر ۱۹۵۶ء سے عزیزی مولوی محمد ثانی اور ان کی ادارت میں مسلمان بچیوں اور عورتوں کا دینی رسالہ "رضوان" نکلنا شروع ہوا، اس سے ان کو لکھنے پڑھنے کا اور مشغلہ ہاتھ آ گیا، اس میں وہ برابر مضامین لکھتیں اور ان کی نظمیں اس میں شائع ہوتیں یہ سلسلہ ان کی وفات تک جاری رہا۔

یہ تو سب ان کی کتاب زندگی کے ضروری باب اور عنوان ہیں، جو سوانح نگاری کے لئے ضروری ہیں، لیکن ان کی کتاب زندگی کا سب سے قیمتی ورق اور سب سے نورانی عنوان ان کا درد دل، ذوق دعا، ان کے دل کی بیتابی، ان کی آنکھوں کی اشکباری اور ان کی

دن رات کی آہ وزاری ہے، جو ظاہر اً توان کے خصوصی حالات کا نتیجہ لیکن حقیقتاً ان کے اظہار بندگی کے لئے سامان غیبی، ان کی ترقی اور رفع درجات کا بہانہ ہے، مبارک ہیں وہ مقدمات جو ایسے نتائج پیدا کریں اور مبارک ہیں وہ حالات وکیفیات جو اس طرح مالک کے سامنے رولائیں اور اشکوں کے دریا بہائیں جن کو سن کر خدا کی رحمت جوش میں آئے، اور پتھر دل بھی پانی ہو، ذرا ایک مرتبہ رخصت ہونے سے پہلے یہ اشعار پڑھئے، کس دل سے نکلے ہیں، اور انھوں نے دریائے رحمت میں کیسا تلاطم برپا کیا ہوگا، آج بھی دل کے ساکن سمندر میں تلاطم پیدا کرنے کے لئے کافی ہے۔

کب سے کھڑی ہوں یارب امید کے سہارے ۔۔۔ یہ دن نہ جانے میں نے کس طرح سے گزارے
بے چین و مضطرب دل جا کر کسے پکارے ۔۔۔ وہ کون ہے جو حالت بگڑی ہوئی سنوارے

ہے باب یہ کرم کا خالی نہ پھر یارب
دینا اگر تجھے ہے پھر کیوں ہی دیر یارب

کنج قفس سے بدتر اپنا ہے آشیانہ ۔۔۔ اس قید بے کسی میں گزرا ہے اک زمانہ
مغموم دل پہ یارب لازم ہے رحم کھانا ۔۔۔ کرتی ہوں میں شکایت تجھ سے یہ عاجزانہ

بارِ الم ہے دل پر طاقت نہیں ہے دل میں
کیونکر ہو صبر مجھ سے ہمت نہیں ہے دل میں

اس نظم کے دو شعر دل تھام کر اور سن لیجئے۔

کب سے لئے کھڑی ہوں میں کاسہ گدائی
اب تک ملا نہ مجھ کو اور شام ہونے آئی

اور یہ دوسرا شعر ہے، اور کون بڑے سے بڑا صاحب علم اور صاحب درد ہے جو اس شعر کو پڑھ کر بندگی اور عاجزی کا مزا نہ لے۔

بندہ نواز! میری منت کی لاج رکھ لے

میری نہیں تو اپنی رحمت کی لاج رکھ لے

یہ سب اشعار ان کے مجموعہ "باب کرم" سے لئے گئے ہیں جو چھپ کر دعا و مناجات کا ذوق رکھنے والے مردوں اور عورتوں میں مقبول ہو چکا ہے۔

آخر وہ وقت آگیا کہ وہ جس کے دروازہ پر برسوں سے دستک دے رہی تھیں اور فریاد کر رہی تھیں، اور اپنی والدہ محترمہ کے الفاظ میں یہ کہنے کا حق رکھتی تھیں کہ ؎

عمر گزری ہے ترے دربار میں آتے ہوئے

گڑگڑاتے مانگتے اور ہاتھ پھیلاتے ہوئے

اس کی رحمت کا فیصلہ ہوا کہ وہ اب اپنی اس عاجز درماندہ، دردمند، پرسوز بندی کو اس دارالمحن سے اپنے اس جوار رحمت میں بلائے جس کے مکینوں کے لئے اس کا ارشاد ہے "لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ"۔

رجب، شعبان ۱۳۹۵ھ ستمبر و اکتوبر ۱۹۷۵ء سے ان کو کچھ اندرونی تکلیفیں رہنے لگی تھیں، جس کی صحیح تشخیص آخر تک نہ ہو سکی، رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ (۱۹۷۵ء) کہ جس کا ان کو بڑا انتظار و اشتیاق تھا، اس مرتبہ اس کے صرف دس روزے رکھ سکیں، کہ ضعف و لرزہ کا سخت حملہ ہوا، رائے بریلی کے ایک تجربہ کار ڈاکٹر کے علاج سے وہ کیفیت تو جاتی رہی لیکن طاقت نے عود نہیں کیا، چلنے پھرنے لگیں لیکن کمزوری بڑھتی جا رہی تھی، ادھر ہم لوگ ندوۃ العلماء کے جشن تعلیمی منعقدہ ۳۱؍اکتوبر تا ۳؍نومبر کی تیاریوں میں ایسے مصروف ہوئے کہ ہم کو خود اپنے سر و پا کا ہوش نہیں رہا، لیکن جب اجلاس سے فارغ ہو کر غالباً ۷؍۸ نومبر کو رائے بریلی پہونچا تو گھر میں قدم رکھتے ہی سب سے پہلے وہ اپنے کمرہ سے نکل کر دروازہ تک آئیں اور کہا کہ علی! مبارک

ہو، تمہارا جلسہ بہت کامیاب ہوا، ہماری دونوں بہنیں اور گھر کی مستورات، چھوٹے بڑے سب جلسہ کے لئے روز و شب دعا کر رہے تھے، ان میں سے کوئی لکھنؤ نہ جا سکا، لیکن آنے والے عزیزوں سے ان کو خبریں ملتی رہیں، ان کی وہ خوشی ابھی تک یاد ہے، جو ہم لوگوں کی زبانی جلسہ کے حالات سن کر ان کو ہوتی تھی۔

جلسہ اور ضروری کاموں سے جب ہم لوگوں کو فراغت ہوئی تو ان کے چھوٹوں نے اصرار کیا کہ لکھنؤ چل کر ڈاکٹروں کو دکھادیں اور صحیح تشخیص ہو جائے ان کو اس میں بڑا تامل تھا، لیکن چھوٹوں کا اصرار غالب آیا اور وہ ۱۷ر جنوری ۱۹۷۶ء کو لکھنؤ گئیں، چلتے وقت انھوں نے کسی سے کہا "معلوم نہیں شاید موت ہم کو لے جا رہی ہے" اس سے پہلے بھی انھوں نے ایسے اشارے کئے تھے، ان کو اپنی خالہ زاد بہن کی لڑکی فاطمہ سلمہا اہلیہ عزیز گرامی قاری سید رشید الحسن صاحب د نبیرۂ نواب سید نور الحسن خاں مرحوم مقیم حال کراچی سے اولاد کی سی محبت تھی، انھوں نے اس کو بیٹی کی طرح رکھا تھا، یہ رشتہ بھی انھیں کی پسند اور کوشش سے ہوا تھا، اور بچی کی ماں کے زندہ ہونے کے باوجود حقیقی ماں کی طرح اس کی شادی کی تھی، انھوں نے نواب صاحب مرحوم کا وہ دور دیکھا تھا، اور ان کی اور ان کی بیگم صاحبہ کی شفقتیں سب آنکھوں کے سامنے تھیں، کہ ہم لوگوں کو اپنی اولاد ہی کی طرح سمجھتے تھے، اس لئے ان کو اس رشتہ سے بڑی خوشی تھی، کئی برس سے یہ بچی جو ماشاء اللہ اب کئی بچوں کی ماں ہے سلمہم اللہ تعالیٰ رائے بریلی نہیں آئی تھی وہ یہاں سے بھی ان کے بچوں کو برابر تحفے بھیجتی تھیں، قاری صاحب کا جب خط آیا کہ ہم لوگ آنے والے ہیں، تو انھوں نے سنتے ہی کہا کہ اب ہم سے کیا ملاقات ہوگی؟۔

ہمشیرہ مرحومہ جس دن لکھنؤ پہنچیں اسی دن مجھے ناگپور، اورنگ آباد اور پونہ کے دورہ پر روانہ ہونا تھا، میں ۱۷ر جنوری کی شام کو دار العلوم سے گھر آیا، کہ ان کو سلام کرتا،
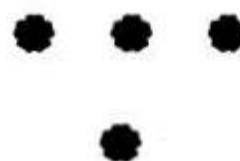
دعائیں لیتا سفر پر روانہ ہوں گا، اس وقت کوئی علامت فوری خطرہ اور تشویش کی نہ تھی، میں دیر تک بیٹھا باتیں کرتا رہا، جیسے وقت مجھے حسب معمول رخصت کیا، اور والدہ مرحومہ کی عادت کے مطابق " اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْآنَ لَرَادُّکَ اِلٰی مَعَادٍ" پڑھ کر خدا کی حفاظت میں کیا کیا معلوم تھا کہ شعور و ہوش کی حالت میں ان سے یہ آخری ملاقات ہے۔

قصہ مختصر دوران سفر میں مجھ پر واپسی کا ایسا شدید تقاضا ہوا کہ اپنے مزاج و عادت کے خلاف کسی کا اصرار غالب نہ آنے پایا، اور آگے کا سارا پروگرام ملتوی کر کے اورنگ آباد سے بذریعہ ہوائی جہاز دہلی اور دہلی سے بذریعہ ٹرین کانپور، اور کانپور سے بذریعہ کار ۲۵ر جنوری کو بعد مغرب لکھنؤ پہونچا، محبی ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین صاحب قریشی اور عزیزی مولوی معین اللہ صاحب ندوی (نائب ناظم ندوۃ العلماء) ہمراہ تھے، موٹر سے قدم رکھتے ہی یہ خبر بجلی بن کر دل پر گری کہ وہ بالکل بے ہوش ہیں کئی مریضوں کا حال دیکھ چکا ہوں اور ایک طبی گھرانہ سے تعلق ہے، اس لئے اس کے آخری نتائج بجلی کی طرح آنکھوں کے سامنے آگئے، پھر یہ دو دن اور تین راتیں کس طرح گزریں، اس کو تفصیل سے سنانے کا یارا نہیں، بہر حال زندگی کے سخت ترین دنوں میں ان کا شمار ہے، انسان کی بے بسی، زندگی کی بے حقیقی، دنیا کی بے ثباتی، اللہ کے ارادہ کی قاہری اور فرمانروائی، سب حقیقتیں منکشف ہو گئیں، بالآخر ۲۸ر جنوری کو صبح تقریباً ۱۰ر بجے اسی گھر میں جس میں انھوں نے باپ اور بھائی کے سایے میں بچپن، جوانی اور کہولت اور غم اور خوشی کے بہت دن گزارے تھے، جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی، اور جگر کا یہ مصرعہ بالکل حسب حال ہوا۔

عمر بھر کی بے قراری کو قرار آہی گیا

اسی دن خدا کی اس امانت کو جو ہم سب کو بہت عزیز تھی، وطن آبائی کے راستہ وطن اصلی تک پہونچانے کا سامان کیا گیا کہ "اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الرُّجعٰی" اور اسی دن ۲۸ر جنوری کو بعد نماز عصر ایک کثیر جماعت کے ساتھ جس میں علماء، طلباء اور صلحاء کی بڑی تعداد تھی، نماز جنازہ پڑھی گئی، اور ان کو ان کی شفیق ماں کے پہلو میں سپرد خاک کردیا، جن کی ہم سب میں سب سے زیادہ انھیں نے خدمت کی تھی، ایک طرف ان کے باکمال نامور باپ، دوسری طرف ان کے شفیق و مشفق بھائی ڈاکٹر سید عبد العلی مرحوم اور بیچ میں خاندان حسنی و قطبی کی برگزیدہ ترین شخصیتیں حضرت شاہ علم اللہ نقشبندی اور حضرت سید محمد عدلؒ وغیرہ ہیں، اللہ کی رحمتیں سب پر اور اس کا درود و سلام اس کے حبیب سید المرسلین شفیع المذنبین پر جن کی بدولت صراط مستقیم، راہ نجات اور علو درجات کی دولت نصیب ہوتی ہے۔(۱)

تم الکتاب بخیر اللّٰہ تعالیٰ

● ● ●
●

---

(۱) پرانے چراغ، حصہ دوم، ص ۳۴۰-۳۶۹ کچھ حذف کے ساتھ